آتش زادہ

رضوان علی سومرو

پُراسرار ناول

رضوان علی سومرو

آتش زادہ

صبح سے شدید گرمی تھی۔ دھوپ اس قدر تیز اور کڑاکے والی تھی کہ ہانیہ کو بس اسٹاپ پر کھڑا رہنا بھی دشوار معلوم ہو رہا تھا۔ چنانچہ وہ دھوپ کی تمازت سے بچنے کے لئے نیم کے سائے دار پیڑ کے نیچے جا کھڑی ہوئی تھی۔ پیڑ کے نیچے کھڑے ہونے کے بعد تھوڑی راحت کا احساس ہوا تھا۔ وقتی طور پر دھوپ سے نجات مل گئی تھی مگر اس گرمی نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ اگر آج یونیورسٹی میں اس کا ایک اہم لیکچر نہ ہوتا تو وہ گھر پر ہی رہنے کو ترجیح دیتی۔ بہر حال جیسے تیسے وہ یونیورسٹی پہنچ گئی تھی۔ دوسرا پیریڈ پروفیسر صمدانی کا تھا جو کہ بہت سخت تھے اور غیر حاضری کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔

پھر موسم بدلنے لگا تھا آسمان پر جہاں کچھ دیر پہلے تھا سورج کی حکمرانی تھی اب وہاں گھرے سیاہ بادل تھے۔ پروفیسر صاحب کا پیریڈ ختم ہو چکا تھا۔ ہانیہ تو جیسے انتظار کر رہی تھی، پیریڈ ختم ہوتے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی، عین اسی وقت صبا نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''کدھر۔'' اس نے مسکرا کر پوچھا

''کچھ نہیں یار، گھر جا رہی ہوں۔''

''کیوں۔'' ناز بول پڑی جو کہ اس کے بائیں طرف بیٹھی تھی۔

''یار فیلنگ ناٹ ویل۔'' وہ جھٹ سے بولی۔ ''بس میں سر صمدانی کی وجہ سے آ گئی تھی ورنہ میں نہیں آتی۔''

''اوہ۔ میں ساتھ چلوں۔''

''اوہ نو، میں چلی جاؤں گی۔''

پھر اس نے اپنا بیگ لیا اور کلاس روم سے باہر نکل آئی۔ جیسے ہی وہ کالج کے گیٹ سے باہر نکلی اسی پل موٹی موٹی بوندیں اس کے سر پر گریں۔ اس نے چونک کر آسمان کی سمت دیکھا اور تھرا اٹھی۔ اس کو تیز قسم کی بارش اور بجلی سے بہت ڈر لگتا تھا۔ یہ کمزوری اس وقت سے اس کے رگ و پے میں رچ بس گئی تھی جب وہ میٹرک میں تھی۔ وہ تیز تیز قدموں سے بس اسٹاپ کی جانب چلنے لگی۔ بس اسٹاپ تک پہنچنے سے پہلے ہی موسلا دھار بارش نے اس کو آلیا تھا۔ ذرا ہی دیر میں تیز بارش کی جھڑی لگ گئی تھی۔

''اف خدایا۔ اب کیا ہوگا۔''

ہانیہ دل ہی دل میں اپنے آپ کو کوسنے لگی تھی۔ اسے بارش اور بجلی سے بہت ڈر لگتا تھا۔ اس کے کپڑے بری طرح سے بھیگ کر اس کے بدن سے چپک چکے تھے۔ چند لڑکے کھڑے اس کو بغور دیکھ رہے تھے۔ ہانیہ ان لڑکوں کو دیکھ کر بری طرح سے گھبرا گئی۔ ان لڑکوں کی نظریں بالکل بھی اچھی نہ تھیں۔ اچانک اس کی نظر اسی پیڑ پر پڑی، وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی اس پیڑ کے نیچے جا پہنچی۔ یہ اسکی بدقسمتی تھی کہ بس اسٹاپ پر اس کے اور ان لڑکوں کے علاوہ کوئی اور نہ

تھا جو کہ اس کو دیکھ رہے تھے۔ پھر اس نے ان لڑکوں کو اپنی سمت آتے دیکھا۔ وہ لڑکے اس سے تھوڑے فاصلے پر اس پیڑ کے نیچے کھڑے ہو گئے۔ وہ تعداد میں چار تھے۔ وہ پیڑ کے نیچے ہانیہ سے تھوڑے فاصلے پر کھڑے ہو کر اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔ بارش کی شدت کے باوجود بھی ان لڑکوں کی نظروں کی ہوس کو محسوس کر کے وہ کانپ گئی۔ وہ لڑکے بری طرح سے ہانیہ کو گھور رہے تھے۔ اب وہ اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھ رہی تھی۔

بارش کی رفتار میں خاصا اضافہ ہو چکا تھا۔ لڑکے آپس میں سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔ کچھ ہی لمحے گزرے ہوں گے کہ اس کے کانوں نے ایک کار کے ہارن کی آواز سنی۔ ایک کار بالکل اس کے نزدیک آ کر رک گئی پھر اس نے کار سے کسی کو نکلتے ہوئے دیکھا۔ اس نے بارش سے بچنے کے لئے اپنے جسم پر برساتی اوڑھ رکھی تھی اور اس کے ہاتھوں میں چھتری بھی تھی۔ اس کا رخ اسی کی طرف تھا۔ وہ بڑی تیزی سے چلتا ہوا ہانیہ کے نزدیک آ رہا تھا۔ پھر وہ ہانیہ کے پاس پہنچ کر رک گیا اور پھر وہ ہانیہ سے مخاطب ہوا۔

"آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں۔"

اس نے چونک کر اس کی سمت دیکھا تو چہرا جانا پہچانا سا لگا تھا۔ یہ مزمل تھا جو یونیورسٹی میں اسی کے ساتھ ہی پڑھتا تھا اور کافی نیک نام لڑکا تھا۔ اس نے شکر کی سانس لی اور کن انکھیوں سے لڑکوں کی طرف دیکھا جو مزمل کو آتا دیکھ کر دوسری سمت متوجہ ہو گئے تھے۔ اس نے لڑکوں کی طرف دیکھا اور پھر اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر ہی اپنی چھتری اس کی طرف بڑھا دی۔

"آپ چل کر میری کار میں بیٹھ جائیں میں آپ کو گھر چھوڑ آتا ہوں۔"

ہانیہ پہلے تو ہچکچائی پھر اس نے ان لڑکوں کی طرف دیکھا جو کہ اب بھی اس کو گھور رہے تھے اور پھر وہ تیز تیز قدم اٹھاتی کار میں بیٹھ گئی۔ شاید اس نے اسی میں ہی عافیت سمجھی تھی کہ کار

میں جا کر بیٹھ جائے۔ مزمل نے پھرتی سے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور پھر کار ایک جھٹکے سے آگے بڑھ گئی۔

"میں جانتا ہوں۔۔۔آپ صرف ان اوباش لڑکوں سے بچنے کی خاطر میری کار میں بیٹھ گئی ہیں۔"

ہانیہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ بس وہ سمٹی ہی بیٹھی رہی تھی کیونکہ اس کو سردی بہت زیادہ لگ رہی تھی۔ تھوڑی دیر کی ڈرائیونگ کے بعد اس نے محسوس کیا کہ مزمل اس کی سمت بالکل بھی نہیں دیکھ رہا تھا بلکہ اس کی نظریں روڈ پر ہی تھیں کیونکہ اس کے کپڑے جس طرح بھیگ کر اس کے جسم سے چپک چکے تھے کوئی بھی لڑکا اس نظارے کو دوبارہ ضرور دیکھتا۔

"آپ کا گھر کس طرف ہے؟" وہ روڈ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"گرین سوسائٹی۔"

"آپ کو آج ریسٹ کرنا تھا۔" وہ دھیرے سے مسکرا کر بولا۔

"مجھے معلوم تو نہیں تھا کہ بارش ہو جائے گی۔ ویسے بھی سر صمدانی کی کلاس مس کر دو تو پھر وہ نیگیٹو مارکنگ کرتے ہیں۔" اس نے منہ بنایا۔

"ہاں۔ سر صمدانی تو سخت ہیں۔ مجھے بارش سے متعلق پہلے سے ہی اندازہ تھا اس لئے اپنے ابو کی کار لے کر آ گیا۔"

"دے دی انہوں نے اپنی کار۔" وہ مسکرائی۔

"اس کی ضرورت نہیں اب وہ میرے ہی یوز میں ہے۔"

"کیا مطلب۔"

"والد صاحب کا انتقال ہو چکا ہے۔ گھر میں والدہ ہے بس۔" جواب افسردگی سے دیا گیا تھا۔

”سوری۔۔ایک بات پوچھوں آپ سے۔“

”جی شوق سے۔“

”جب اس قدر تیز بارش تھی تو آپ یونیورسٹی سے نکلے کیوں۔ میں تو بارش شروع ہونے سے پہلے نکلی تھی مگر آپ تو کافی دیر بعد نکلے ہیں۔“

مزمل نے فوری طور پر کوئی جواب نہ دیا۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد وہ دھیرے سے مسکرایا اور پھر بولا۔

”آپ کو دیکھ کر۔“

یہ سن کر وہ چونک گئی۔

”کیا مطلب۔“

”دراصل میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ آپ گھر جانے کے ارادے سے نکلی ہیں۔۔اور مجھے اندازہ تھا کہ بارش تیز ہوجائے گی۔“

”میں تو بس سے بھی چلی جاتی۔“

مزمل نے ایک طویل سانس لی اور کار کی سکرین کی طرف متوجہ ہوگیا۔ دوسرے ہی پل وہ بری طرح سے چونکا اور اس کے پیر بے اختیار بریک پر لگے۔ ٹائر بڑی ہی زور سے چرچرائے تھے۔ جس کی وجہ سے ہانیہ کو جھٹکا سا لگا تھا۔ یہی حال مزمل کا بھی تھا۔

سڑک کے بالکل وسط میں ایک سیاہ رنگ کا بلا بیٹھا تھا۔ وہ قد اور جسامت میں عام بلوں سے کچھ زیادہ ہی تھا۔ نہ جانے کہاں سے وہ بلا سڑک کے عین وسط میں آگیا تھا جس کو دیکھ کر مزمل کو بے اختیار بریک لگانے پڑے تھے۔ وہ بڑی ہی شان بے نیازی سے اپنے اگلے پاؤں پھیلائے بڑے ہی سکون سے بیٹھا تھا۔ اسکی بڑی بڑی سرخ آنکھیں کار کو دیکھ رہی

تھیں۔مزمل بڑی حیرت سے اس بلے کو دیکھ رہا تھا جس کے انداز میں لاپرواہی تھی۔اس کو اس بات پر حیرت تھی کہ ایک جانور بارش میں کتنے سکون سے بیٹھا ہے۔ہانیہ کی حالت بھی کچھ عجیب سی تھی۔نہ جانے کیوں اس کی لال سرخ آنکھوں سے اس کو خوف محسوس ہو رہا تھا۔نہ جانے کیوں اسکو اپنا ماضی یاد آ گیا تھا۔

چند لمحوں تک وہ کار کو دیکھتا رہا پھر بڑے ہی سکون سے اٹھا اور دوسری سمت چل پڑا۔اسکے جاتے ہی مزمل نے کار اسٹارٹ کر دی۔

''بڑا ہی خوفناک تھا۔بارش میں یوں بیٹھا تھا کہ جیسے اس کو پرواہ ہی نہ ہو۔''مزمل زیر لب بڑبڑایا۔ہانیہ نے کوئی جواب نہ دیا۔اس کا دماغ تو ان آنکھوں میں الجھا ہوا تھا۔خدا خدا کر کے کار گرین سوسائٹی میں داخل ہوئی۔

''کار کہاں روکوں۔''

''آں۔''وہ چونکی۔''وہ۔۔سامنے نیلا والا گیٹ ہمارا ہے۔''

''آپ میری چھتری لے جائیں۔کیونکہ بارش اب بھی رکی نہیں ہے۔''

ہانیہ نے چند لمحے تک سوچا اور پھر مسکراتے ہوئے چھتری لی اور کار سے اتر گئی۔

بارش اب بھی زوروں پر تھی۔مزمل کے دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ پر تھے اور نظریں سڑک پر لیکن اس کا چہرا اس بات کا غماز تھا کہ اس کا ذہن کہیں اور بھٹک رہا ہے۔پھر اس نے کار ٹیپ آن کر دیا تھا۔سنگر کی آواز بہت مدھر تھی اور میوزک بھی کافی متاثر کن تھا۔

''چھپانا بھی نہیں آتا۔۔جتانا بھی نہیں آتا
ہمیں تم سے محبت ہے،بتانا بھی نہیں آتا۔''

گانا سنتے ہی اس نے اپنے ہونٹوں کو سختی سے بھینچ لیا تھا۔یہ بات سچ تھی کہ وہ دل ہی دل

میں ہانیہ سے بے حد محبت کرتا تھا۔ پھر جب کار میں وہی بول گونجے۔

''ہتھیلی پر تمہارا نام لکھتے ہیں مٹاتے ہیں

تم سے ہی پیار کرتے ہیں تم ہی سے کیوں چھپاتے ہیں۔''

یہ سنتے ہی وہ بے ساختہ بول اٹھا۔

''نہیں۔ اب میں محبت کو چھپاؤں گا نہیں۔ اپنے دل کی بات تم سے ضرور کروں گا۔ ہاں تم انجان ہو میرے دل کی ان دھڑکنوں سے ہانیہ جس پر تمہارا نام لکھا ہے۔ لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں محبت صرف شدت کا نام ہے۔ اگر میرے ان جذبوں میں شدت ہے تو پھر تم تک وہ آگ ضرور پہنچے گی۔ ہاں میں تم سے ضرور کہوں گا۔ ہاں میں تم سے ضرور کہوں گا۔''

☆......☆......☆

ہانیہ نے دور سے اپنی والدہ کو گیٹ پر کھڑا دیکھ لیا تھا۔ ان کے چہرے پر فکر مندی کے آثار تھے۔ ہانیہ کو آتا دیکھ کر ان کی جان میں جان آئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ ہانیہ کو بارش اور بجلی سے ڈر لگتا ہے۔

''میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ یہ تو موسم اچانک ہی بدلا ورنہ میں تمہیں جانے نہ دیتی۔''

''امی! آپ تو جانتی ہیں کہ میں بارش سے کتنا گھبراتی ہوں۔'' ہانیہ بولی۔

''یہ چھتری۔''

''جی۔ وہ چونکی۔ پھر وہ جلدی سے بولی۔'' ایک دوست کی ہے۔ اس نے بارش سے بچنے کے لیے وجہ سے مجھے دے دی تھی۔ اس کا گھر یونیورسٹی سے قریب ہی ہے۔''

''خیر۔ کپڑے بدل لو، تم کتنا بھیگ گئی ہو۔ میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔''

"ابو جان آ گئے؟" ہانیہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"آفس میں پھنسے ہوئے ہیں فون آیا تھا۔اب تم کپڑے جلد تبدیل کر لو ساتھ مل کر پکوڑے بناتے ہیں۔تمہارے ابو آتے ہی پکوڑوں کا تقاضہ کریں گے۔"

"رائٹ امی۔" ہانیہ ہنس کر بولی۔

اس نے کچن کا رخ کیا تھا کبڈ میں بیسن نکالتے ہوئے اس کے وجود میں تھرتھری سی رینگ گئی۔ذہن ماضی کی طرف پلٹ گیا تھا جب ایسی ایک تیز بارش تھی جس میں اس کے ساتھ وہ انوکھا واقعہ پیش آیا تھا۔ان دنوں وہ دسویں کلاس میں تھی جس روز یہ واقعہ پیش آیا تھا اس سے ایک ہفتے پہلے اسکی کنڈیشن کچھ بہتر نہ تھی۔وہ بخار بھی محسوس کر رہی تھی چنانچہ اس نے اسکول سے ہاف ڈے لیا اور ناز کے ساتھ اسکول سے باہر نکل آئی۔ناز اس کی بچپن کی فرینڈ تھی۔دونوں فرینڈز باتیں کرتیں گلی کے وسط میں پہنچ گئیں۔اچانک ہانیہ چونک کر رک گئی۔اس کے چہرے سے خوف دکھائی دینے لگا تھا۔

"کیا ہوا، کیوں رک گئی؟" ناز نے پوچھا۔

ہانیہ نے جواب دینے کے بجائے انگلی سے سامنے کی طرف اشارہ کیا۔اب جو ناز نے دیکھا تو اس کی بھی حالت خوف سے پتلی ہونے لگی تھی۔وہ کالا بلا سڑک کے بالکل وسط میں بیٹھا تھا۔بالکل سیاہ۔اس کی جسامت عام بلوں سے بڑی تھی۔وہ اپنی سرخ آنکھوں سے ان دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیا پتھر سے ماروں؟" ناز نے پوچھا۔

"نہیں کسی بے گناہ کو یوں مارنا اچھا نہیں۔ہم کونے سے نکل جاتے ہیں۔" ہانیہ نے جواب دیا۔اور پھر وہ دونوں کونے سے نکل گئی تھیں۔وہ بڑے ہی پرسکون انداز سے ان

دونوں کو جاتا دیکھتا رہا تھا۔ اس کی نظریں ہانیہ پر ہی تھیں پھر وہ یکدم اٹھا اور اسکے پیچھے چلنے لگا تھا۔

اس واقعے کے ہفتے بھر وہ اسکول سے واپس آ رہی تھی۔ بارش کا آغاز تھوڑی ہی دیر قبل ہوا تھا لیکن دیکھتے ہی دیکھتے جھڑی لگ گئی تھی۔ اس قدر تیز اور شدید بارش تھی کہ قدم اٹھانا بھی دوبھر تھا۔ ناز اس کے ساتھ تھی۔

اس سیاہ پوش کو سب سے پہلے ناز نے دیکھا تھا جو کہ سر سے پاؤں تک سیاہ لباس میں تھا اور سر پر فلیٹ ہیٹ تھا۔ جس سے اس کا چہرا چھپ گیا تھا۔ اسکول کے گیٹ پر کھڑا بڑی ہی لاتعلقی سے ادھر ادھر دیکھے جا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک جلتا ہوا سگریٹ تھا۔ ان دونوں کو باہر آتا دیکھ کر اس نے سگریٹ پھینکی اور ان کے پیچھے چلنے لگا تھا۔

''کیا یہ ہمارا پیچھا کر رہا ہے؟'' ہانیہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔

''ہاں۔ لگتا تو ایسا ہے۔'' ناز نے کانپ کر کہا۔

''اف۔''

اس نے پلٹ کر دیکھا تو اس سیاہ پوش کو چند قدموں کے فاصلے پر پایا۔ دونوں نے اپنے قدموں کی رفتار تیز کر لی تھی لیکن ان دونوں کی یہ کوشش ناکام ثابت ہوئی تھی۔ سیاہ پوش نے بھی اپنی رفتار تیز کر لی تھی۔ وہ پانی میں شراپ شراپ کرتا تیز تیز قدم بڑھا رہا تھا۔ اب وہ دونوں گھبرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگی تھیں۔ بارش زوروں پر تھیں ان کے لباس بری طرح سے بھیگ گئے تھے۔ علاقے کی سمت جانے والا یہ راستہ بھی ذرا سناٹے والا تھا کیونکہ درمیان میں وہ علاقہ پڑتا تھا جو کہ نو آباد تھا اور مکانات بھی کم تھے۔

''اب کیا کریں؟'' ناز نے کانپتے ہوئے کہا۔

”قدم بڑھاؤ۔اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔“ آواز میں لرزاہٹ نمایاں تھی۔

”ہاں ایسا ہی کرتے ہیں میرا گھر بھی اب زیادہ دور نہیں ہے۔“ ناز نے کہا۔

وہ دونوں تیز تیز چلتی رہیں مگر ایسا لگ رہا تھا سیاہ پوش کی رفتار ان سے زیادہ تیز ہے۔ پھر وہ دونوں تقریباً بھاگتی ہوئی اپنے محلے میں داخل ہو گئیں۔ناز کا گھر وہاں سے زیادہ دور نہ تھا۔دروازہ ناز کی والدہ نے کھولا ہی تھا۔پھر وہ دونوں تیزی سے اس طرح گھر میں داخل ہوئی تھیں جیسے کہ مرغیاں ڈربے میں داخل ہوتی ہیں۔

☆......☆......☆

اس شہر کا گلنار پور تھا،لیکن شہر کے لوگوں نے اس کو ساون پور کے نام سے ہی منسوب کر دیا تھا اور یہ حقیقت بھی تھا کیونکہ اس شہر میں اتنی بارشیں ہوتی تھیں کہ یہ شہر سورج بہت ہی کم دیکھ پاتا تھا۔اس لئے اس کا نام ساون پور ہی رکھ دیا گیا تھا۔سرکاری فائلوں اور رجسٹروں میں بھی اس کو ساون پور لکھا اور پڑھا جاتا تھا۔اس شہر کا نکاسی آب کا نظام اس قدر مربوط اور بہترین تھا کہ بارشوں کے بعد پانی کا زیادہ دیر تک کھڑا رہنا دشوار تھا۔اکثر آسمان صاف ہوتا اور پھر یکدم ہی کالے بادل اس کو گھیر لیتے اور پھر موسلا دھار بارش شروع ہو جاتی تھی۔

ناز کی والدہ نے حیرت سے ان دونوں کی باتیں سنی تھیں، پھر وہ بولیں۔”اب کہاں ہے وہ مردود۔“

”باہر۔“

”ٹھیک ہے۔“ وہ سر ہلا کر بولیں۔”میں دیکھتی ہوں اس کو،تم جب تک کپڑے بدل لو۔اپنا کوئی سوٹ دے دو ناز۔ہانیہ بیٹی کو۔“

اتنا کہہ کر ناز کی والدہ نے اپنا رخ دروازے کی طرف کر لیا۔ناز اس کو اپنے کمرے میں

لے آئی تھی پھر اس نے الماری کھول کر اپنے اور ہانیہ کے لیے سوٹ نکالے اور ایک شلوار قمیص اس کی طرف بڑھا دیا۔

"باتھ روم کس طرف ہے؟" ہانیہ نے مسکرا کر پوچھا۔

"کیوں۔" ناز کا انداز بہت معنی خیز تھا۔ "کیا میں کوئی لڑکا ہوں جو تم کو شرم آ رہی ہے۔ میں بھی تو لڑکی ہی ہوں۔"

"ارے۔۔مگر۔۔"

"ارے۔۔اتارو یار۔" اتنا کہہ کر ناز نے جلدی سے گیلے کپڑوں سے نجات حاصل کرنے کا عمل شروع کر دیا۔ اب تو ہانیہ نے بھی ابتدا کی۔ ناز غور سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"ایک بات کہوں۔۔" ناز نے آہستہ سے بولی۔ "تم بہت حسین ہو۔ تمہارا جسم سنگ مرمر سے تراشا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ جو بھی لڑکا ایک بار تمہیں دیکھے گا ضرور تمہارا دیوانہ ہو جائے گا۔"

"ہٹ بے شرم۔" وہ شرم سے سرخ ہو گئی۔ اس نے فوراً ہی اپنے وجود کو ایک طرف سمٹا لیا تھا۔

"اگر میں لڑکا ہوتی ناں تم سے اظہار محبت ضرور کرتی۔" ناز نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"تم اپنی بکواس بند نہیں کرو گی۔" اس نے مصنوعی غصہ سے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔

پھر اس نے جلدی جلدی کپڑے بدلے اور پھر دونوں ہی کمرے سے باہر نکلیں تو ڈرائنگ روم میں ناز کی والدہ ناشتہ کے لوازمات کے ساتھ تیار ملی تھیں۔ چائے، سموے اور پکوڑے موجود تھے۔

"ارے آنٹی اتنا تکلف۔"

"لو بھئی کیسا تکلف۔ تم بھی تو میری بیٹی ہو اور پہلی بار گھر آئی ہو۔ میں تو رات کا کھانا

کھائے بغیر جانے نہیں دوں گی۔"

"ارے نہیں آنٹی امی پریشان ہونگی میں اب گھر جاؤں گی۔"

پھران لوگوں نے مل کر جلدی جلدی ناشتہ کیا تھا۔

"چلو۔۔بیٹی میں تم کو چھوڑ آؤں۔"

"نہیں آنٹی میں چلی جاؤں گی۔"

"ارے نہیں بیٹا۔زمانہ بہت خراب ہے۔ویسے بھی وہ مردود پھر آ گیا تو۔"

بات درست تھی اس لئے ہانیہ نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔بارش اب بھی برس رہی تھی، مگراس کی رفتار اب ہلکی تھی جیسے ہی وہ گلی کے کونے پر پہنچی، ہانیہ کو وہ پھر دکھائی دیا تھا۔وہ ایک پان کے کیبن سے لگا کھڑا سگریٹ پھونک رہا تھا۔

"وہ رہا۔وہ رہا۔" ہانیہ چلائی۔

"چلو۔دیکھتی ہوں ایسے سڑک چھاپوں کو۔"

نہ جانے کیوں وہ اسی وقت گلی کے کونے میں مڑا اور غائب ہو گیا۔

"اگر وہ دوبارا پیچھا کرے گا تو چپل سے مرمت کروں گی مردود کی۔" نازکی امی دانت پیس کر بولیں۔ہانیہ نے قدم آگے بڑھا دیے۔پھر واقعی وہ سیاہ پوش کہیں نہیں دکھائی دیا۔

گھر آ کر نہا دھو کر وہ دھم سے بیڈ پر لیٹ گئی۔نہ جانے کیوں وہ تھکاوٹ سی محسوس کر رہی تھی۔چند ہی لمحوں کے بعد اس کو احساس ہوا کہ اس کو غسل کی اشد ضرورت ہے۔چنانچہ وہ نہانے کے لئے غسل خانے میں چلی گئی۔کافی دیر تک نہانے کے بعد اس نے اپنے اندر فرحت کا احساس دوڑتے ہوئے محسوس کیا تھا۔اس کو ایسا لگا کہ اس کا بدن ہلکا پھلکا ہو گیا ہو۔ تھوڑی ہی دیر میں اس پر غنودگی طاری ہونے لگی تھی۔اچانک اس کو احساس ہوا کہ جیسے کسی نے

اس کو چھوا ہے۔ جیسے کسی کے ہاتھ بہت نرمی سے اس کے بالوں پر چل رہے ہوں۔ وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے فوراً ادھر ادھر دیکھا تو وہاں کوئی نہ تھا مگر اس کو اچھی طرح سے یاد تھا کہ جیسے کسی نے اس کو چھوا ہے۔

"ہانیہ۔۔ ہانیہ۔ ہانیہ۔۔" اس نے بہت واضح طور پر سنا تھا کہ جیسے کہ کسی نے اس کو پکارا ہے۔ خوف سے اس کے مساموں نے پسینہ چھوڑ دیا۔ اچانک اسے ایسا لگا کہ جیسے پیچھے سے کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا ہو۔ وہ بے ساختہ پلٹی پھر اس نے جو کچھ دیکھا۔ اس کو دیکھتے ہی اس کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکلی۔ وہ لہرا کر بیڈ پر گری اور بے ہوش ہوگئی۔

☆......☆......☆

اس کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنے آپ کو ایک نہایت ہی خوبصورت، خوشنما اور باغ میں ایک بینچ پر لیٹے ہوئے پایا تھا۔ اس کے اردگرد رنگ برنگے خوشنما پھولوں سے لدے ہوئے پودوں کی بہتات ہے اور اردگرد گھنے درخت موجود ہیں۔ پورا باغ نہایت ہی دلفریب خوشبو سے مہک رہا ہے۔ ان پھولوں کی دلفریب مہک نے فضا کو اور اس کی سانسوں کو معطر کر دیا ہے۔

اس کو اچھی طرح سے یاد تھا کہ وہ چند لمحات پہلے تک اپنے بیڈ پر تھی۔ پھر کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔ پھر اس نے لال سرخ آنکھیں دیکھی تھیں پھر وہ بے ہوش ہوگئی تھی۔ ہوش میں آنے پر اس نے اپنے آپ کو اس باغ میں پایا تھا۔ اب وہ چاروں طرف نظریں گھما کر ان پھولوں کو دیکھ رہی تھی۔ ایسے خوبصورت اور خوش رنگ پھول اس نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھے تھے۔ بے شک ان میں بہت سے گلاب بھی تھے، لیکن اتنے بڑے سائز کے گلاب وہ پہلی بار ہی دیکھ رہی تھی۔ اور بھی دوسرے خوش رنگ اور خوشنما پھول موجود تھے لیکن ان کو اس نے زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ نام بھی نہیں جانتی تھی۔ وہ یکدم ہی اس سحر

انگیز ماحول سے متاثر ہو گئی تھی۔ اچانک ایک کھردری سی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

''ہانیہ۔ ہانیہ۔''

وہ چونک کر پلٹی لیکن وہاں کوئی نہ تھا۔ وہ خوف زدہ ہو گئی۔

''ہانیہ۔'' آواز ایک بار پھر گونجی۔۔ وہی کھردری سی آواز۔

''کون۔'' اس نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''میں۔۔ محبت۔'' وہی کھردری آواز کانوں سے ٹکرائی۔

''مم۔۔ میں کہاں ہوں۔۔ مجھے گھر جانا ہے۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔'' اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

''مجھ سے ڈرو مت۔ میں تو وہ ہوں۔۔ جو صرف تم سے محبت کرتا ہے۔''

''میرے ماں باپ پریشان ہو رہے ہونگے۔'' اس نے التجا آمیز لہجے میں کہا۔

''تم محفوظ ہو۔ میں تم کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔ میں تو صرف تم کو چاہتا ہوں۔ پیار کرتا ہوں۔''

ہانیہ کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا بولے۔ اگلے ہی پل اس نے اپنے خوف کو پرے رکھتے ہوئے کہا۔ ''اگر۔۔ تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو سامنے آؤ۔''

''نہیں تم ڈر جاؤ گی۔''

''جتنا ڈرنا تھا ڈر چکی۔'' وہ ہلکے سے مسکرائی۔

اس کی بات پر چند لمحات تک خاموشی رہی۔ اچانک ہی ایک ہلکی سی گڑگڑاہٹ ہوئی۔ جیسے بادلوں میں بجلی کوندی ہو۔ اگلے ہی پل وہ سیاہ پوش وجود اس کے سامنے تھا۔ اس کی سرخ آنکھیں اس کے پورے وجود کا احاطہ کر رہی تھیں۔ سر پر اب بھی فلیٹ ہٹ موجود تھا جس نے

اس کے چہرے کو چھپایا ہوا تھا۔

وہ خوف کے مارے لرز اٹھی اور اس کے گلے سے دلخراش چیخ برآمد ہوئی اور پھر اس کی آنکھ کھل گئی۔لیکن یہ کیا وہ تو بستر پر موجود تھی۔اس کا پورا چہرا پسینے میں شرابور تھا۔حلق میں جیسے کانٹے سے پڑ رہے تھے۔سانس تھی کہ دھونکنی کی مانند چل رہی تھی۔ایسا لگ رہا تھا کہ اس نے میلوں کا سفر دوڑتے ہوئے طے کیا ہو۔اچانک اس کی نظر وال کلاک پر پڑی تو اسکی چمکتی ہوئی سوئیاں رات کے دو بجے کا اعلان کر رہی تھیں۔اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھے جگ سے پانی گلاس میں ڈالا اور ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر دیا۔اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا تو گویا یہ صرف محض خواب تھا اور خواب بھی ایسا کہ اس پر حقیقت کا گماں ہو۔ذہن اعتدال پر آیا تو اس نے محسوس کیا کہ وہ اب بھی خوف کے زیر اثر ہے۔اچانک وہ چونک اٹھی۔اس نے محسوس کیا کہ پورا کمرا دلفریب خوشبو سے مہک رہا ہے۔اس نے ادھر ادھر دیکھا تو خوف سے وہ کانپ گئی۔

وہ ایک سرخ گلاب تھا جس پر پانی کے تازہ قطرے چمک رہے تھے۔جو کہ اس کے سرہانے تکیے کے ساتھ رکھا تھا۔وہ دلفریب خوشبو اسی گلاب سے نکل رہی تھی۔وہ خوف سے کانپ اٹھی۔اس کی ہمت ہی نہ ہوئی کہ وہ جا کر گلاب کو چھوئے۔اس نے جلدی سے بیڈ سے اتر کر الٹے سیدھے سلیپر پہنے اور کمرے سے باہر نکل آئی۔اس کا رخ والدہ کے کمرے کی طرف تھا جلد ہی وہ کمرے کے دراوزے پر دستک دے رہی تھی۔

جلد ہی دروازہ کھلا اور آرزو بیگم کا نیند میں ڈوبا ہوا چہرا دکھائی دیا۔ہانیہ کا پریشان حال چہرا دیکھ کر وہ بھی پریشان ہو گئی تھیں۔

"کیا ہوا؟"

”امی۔۔وہ گلاب۔“

”کونسا گلاب۔۔کیا کہہ رہی ہو لڑکی۔کچھ سمجھ نہیں آرہا۔“ آرزو بیگم پریشان ہوکر بولیں۔

”امی! میں نے بہت بھیانک خواب دیکھا۔“

اس کی بات سن کر آرزو بیگم کے الجھن زدہ چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔

”تم اب بچی نہیں رہی۔میٹرک کی اسٹوڈنٹ ہو۔اگلے سال کالج میں جاؤ گی۔“

”امی۔۔وہ بات نہیں ہے۔“ ہانیہ تنگ کر بولی۔

”پھر کیا بات ہے۔“

پھر ہانیہ نے مختصراً سیاہ پوش کا پیچھا کرنے اور اس خواب والی بات بتائی اور اس گلاب کا بھی تذکرہ کیا تھا۔گلاب والی بات سن کر آرزو بیگم کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

کمرا واقعی گلاب کی دلفریب خوشبو سے مہک رہا تھا۔یوں لگ رہا تھا وہاں بہت سے گلاب ہوں۔گلاب اسی طرح تروتازہ اس کے سرہانے موجود تھا۔

”ایک پھول کی اتنی خوشبو کہ پورا کمرا مہک جائے۔“ آرزو بیگم پریشان کن لہجے میں بڑبڑائی۔

”امی! اب کیا ہوگا۔“ ہانیہ نے لرزتے ہوئے کہا۔

”کچھ نہیں۔تمہارے ابو بھی شہر میں نہیں ہیں ورنہ وہی کچھ فیصلہ کرتے۔تم ایسا کرو کہ میرے کمرے میں سو جاؤ۔اور اپنے کمرے کو لاک کردو۔“

ہانیہ سر ہلاتے ہوئے آرزو بیگم کے ساتھ اس کے کمرے میں چلی آئی تھی۔اپنی والدہ کے ساتھ بھرپور سکون بھی ملا تھا۔پھر اس کو نیند بھی آگئی۔دوسری صبح سب سے پہلے آنکھ آرزو بیگم

کی ہی کھلی تھی کیونکہ وہ ہمیشہ سے ہی نماز کے اوقات میں جاگنے کی عادی تھیں۔ فجر کی اذانیں مسجدوں سے بلند ہو رہی تھیں۔ آنکھ کھلتے ہی سب سے پہلے آرزو بیگم نے نہایت ہی دلفریب خوشبو محسوس کی تھی جو کہ پورے کمرے میں بسی ہوئی تھی۔ انہوں نے لائٹ آن کی تو دوسرے ہی لمحہ ان کو چونکا دینے والا تھا۔ بے خبر سوتی ہانیہ کے سرہانے کے ساتھ وہی گلاب کا پھول رکھا مہک رہا تھا۔ وہی دلفریب خوشبو تھی جو کہ کمرے میں بسی ہوئی تھی۔ جس کا کوئی جواب نہیں تھا واقعی وہ بہت لاجواب تھی۔ آرزو بیگم کی ایک نظر اپنی سوتی ہوئی بچی کے چہرے پر پڑی۔ اس کے چہرے پر وہی معصوم اور ملکوتی مسکراہٹ تھی جو ہر ایک کا دل موہ لیتی تھی۔

نہ جانے کیا سوچ کر وہ اپنے بستر سے اٹھیں اور ہانیہ کے کمرے کی جانب چل دیں۔ کمرے میں پہنچی تو وہاں گلاب کا پھول تھا اور نہ ہی کوئی خوشبو۔ وہ حیرت زدہ ہو گئیں اب تو وہ بہت ڈر گئیں تھیں۔ چنانچہ اب ان کا رخ اپنے کمرے کی طرف تھا۔ کمرے میں وہی منظر تھا جو وہ چھوڑ کر گئی تھیں۔ وہ ڈرتے ڈرتے گلاب کی جانب بڑھیں اور اسکو اٹھا لیا۔ گلاب جیسے ہی آرزو بیگم کے ہاتھ میں آیا، فوراً ہی یوں مرجھا گیا جیسے اس کو ڈال سے الگ کر دیا گیا ہو۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اس گلاب میں زندگی بھی صرف ہانیہ کے دم قدم سے ہے۔ یہ سب دیکھ کر وہ بہت ہی زیادہ خوف زدہ ہو گئیں۔ اچانک ہی گلاب سلگ اٹھا۔ بالکل ہی اسی طرح جیسے انگیٹھی میں کوئلے سلگتے ہیں۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اس سے نہ تو شعلے نکل رہے تھے اور نہ ہی آرزو بیگم کا ہاتھ جل رہا تھا بلکہ وہ مرجھایا ہوا گلاب سلگنے کے سبب زیادہ دلکش معلوم ہو رہا تھا۔ اگلے ہی لمحے انہوں نے اس گلاب کو واپس اسی جگہ رکھ دیا جہاں سے وہ اٹھایا تھا۔ وہ لمحہ نہایت حیرت انگیز بلکہ خوف زدہ کر دینے والا تھا۔ گلاب ہانیہ کے سرہانے پہنچ ویسا ہی تر و تازہ ہو گیا جیسا پہلے تھا۔ یہ دیکھ کر آرزو بیگم کے چہرے پر خوف نظر آنے لگا تھا۔ اور ہمت کر کے اس

گلاب کو اٹھا کر کمرے کی کھڑکی سے باہر پھینک دیا تھا۔اسی صبح ہانیہ کو وہ گلاب پھر نظر آیا۔اس بار وہ ڈریسنگ پر رکھا تھا اور پورا کمرا ویسے ہی مہک رہا تھا۔ہانیہ گھبرا کر اپنی امی کو بلا لائی تھی۔ آرزو بیگم نے جب اس گلاب کو دوبارا دیکھا تو وہ بھی خوف زدہ ہوگئی۔

''بیٹی !اس گلاب کو اسی جگہ پڑے رہنے دو۔۔جب تمہارے ابو آئیں گے تو اس مسئلے پر بات ہوگی۔اب تم اسکول جاؤ۔دیکھو ناز آتی ہوگی۔''ان کے لہجے سے تشویش ظاہر ہو رہی تھی۔

☆......☆......☆

پھر اسی دن وہی سیاہ پوش ہانیہ کو دوبارا نظر آیا۔موسم ہلکا ہلکا ابر آلود تھا بس کسی بھی لمحہ آسمان سے آنسوؤں کی جھڑی لگ سکتی تھی۔ساون پور والے تو بارشوں کے موسم کے عادی ہی تھے۔ اسکول سے چھٹی ہونے کا وقت تھا چونکہ آج ناز بیماری کی وجہ سے نہیں آئی تھی۔اس لیے ہانیہ اکیلی ہی اسکول سے گھر کی طرف نکل پڑی۔گلی کے نکڑ پر جیسے ہی پہنچی تو پان کی دکان پر وہ کھڑا نظر آیا۔حسبِ معمول وہ سر سے پاؤں تک سیاہ تھا،آسمان پر سیاہ بادل چھا چکے تھے۔ہانیہ نے بارش کے آثار دیکھ کر اس سیاہ پوش کو نظر انداز کرتے ہوئے تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے آگے نکلنے لگی تھی مگر وہ کن انکھیوں سے اس کی جانب بھی دیکھے جا رہی تھی۔کہیں وہ وہ پیچھے تو نہیں آ رہا۔دوسرے ہی پل اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا سیاہ پوش نے اس کا پیچھا کرنا شروع کر دیا تھا۔آج تو وہ اکیلی تھی۔ناز کو دیکھ کر اس کو جو ہمت اور ڈھارس تھی اکیلی ہونے پر وہ ایک خوف میں بدل گئی۔اسکے قدم من من بھر کے ہو گئے ہوں۔اس کو ایسا لگا کہ اس کے پیر زمین میں جکڑ گئے ہوں۔ہانیہ ہلنا چاہتی تھی مگر اس کے قدموں نے جیسے اس کو ساتھ دینے سے انکار کر دیا ہو۔وہ خوف کے سبب چلانا چاہتی تھی مگر جیسے اس کا گلا سوکھ گیا ہو۔بوندا باندی

کا آغاز ہو چلا تھا۔ ہانیہ کے پورے جسم میں صرف اس کی آنکھیں ہی تھیں جو کہ سیاہ پوش اپنی جانب بڑھتا دیکھ رہی تھیں۔

پوری گلی میں سناٹا تھا۔ بارش اب تیز ہو چکی تھی۔ ہانیہ پوری بھیگ چکی تھی۔ وہ سیاہ پوش اس کی جانب چلا آ رہا تھا۔ اس کے انداز سے کسی بھی طرح سے ایسا نہیں لگ رہا تھا کہ وہ جلدی میں ہے۔ وہ آہستہ سے چلتا ہوا ہانیہ کے نزدیک آیا۔ اب اس کی آنکھیں کھلیں اس کے ہاتھ میں وہی گلاب تھا۔ لیکن سب سے حیرت انگیز بات یہ تھی کہ تیز بارش میں وہ گلاب بھیگنے کے بجائے تر و تازہ دکھائی دیا۔ اس کی سرخی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔ وہ ہانیہ کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ اس نے سیدھا ہاتھ ہانیہ کی جانب بڑھایا جس میں گلاب تھا۔ وہ گلاب ہانیہ کو دینا چاہتا تھا۔

''ہانیہ! مجھ سے ڈرو مت۔ میں تمہارے لئے یہ گلاب لایا ہوں۔'' اس نے گلاب ہانیہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کھردری آواز میں کہا۔ ہانیہ سہمی ہوئی نظروں سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

''کک۔۔کون ہو۔۔کک۔کیوں میرا۔'' اس کے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکی۔ وہ رو دی تھی۔

''رو۔۔مت۔۔تمہارے یہ آنسو بہت قیمتی ہیں۔۔ بالکل اس نایاب موتی کی طرح جو انمول ہیں۔'' نقاب پوش نے نرم لہجے میں کہا۔ لہجہ نرم ضرور تھا اس میں چھپی سفاکی کو ہانیہ نے صاف محسوس کیا تھا۔

''کک۔۔کیا چاہتے ہو؟''

''میں تم سے محبت کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ یہ گلاب تمہارے بالوں کی زینت بنے۔''

اتنا کہہ کر اس نے اپنا ہاتھ اس کے بالوں کی جانب بڑھایا۔ اسی لمحے تیز بجلی کڑکی ہانیہ

کانپ گئی۔ وہ گلاب اس نے جیسے ہی ہانیہ کے بالوں میں لگایا اس کے حلق سے دلخراش چیخ نکلی اور پھر لہرا کر زمین پر گری اور بے ہوش ہو گئی۔۔ اسی پل آسمان سے تیز بارش برسنے لگی تھی۔ اور گلاب اس کے بالوں سے نکل کر پانی میں بہنے لگا تھا۔

☆......☆......☆

ہانیہ کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنے آپ کو بیڈ روم میں پایا تھا۔ جسم بخار سے جل رہا تھا۔ اس کے ماں باپ اس کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ ہانیہ اپنے جسم میں نہایت ہی درد محسوس کر رہی تھی۔ اس کا پورا بیڈ روم گلاب کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ ہانیہ نے وضاحت طلب نظروں سے اپنی ماں کی جانب دیکھا تھا۔

''لیٹی رہو۔ بھلا ہو اس فضل دین کا جو تمہیں یہاں پہنچا گیا۔ اس کو تم سڑک پر بے ہوش ملی تھی۔'' اس کے ابو نے نرم لہجے میں کہا۔

''یہ خوشبو۔'' ہانیہ نے کراہتے ہوئے کہا۔

''تمہارے بالوں میں ایک گلاب لگا ہے اور ہماری لاکھ کوششوں کے باوجود بھی وہ نہیں نکل رہا ہے یوں لگ رہا ہے کہ وہ تمہاری جلد کا حصہ ہو۔'' اس کے ابو نے جواب دیا۔

''ہوا کیا تھا، تم بے ہوش کیسے ہو گئی۔'' اس کی امی نے تشویش بھرے لہجے میں کہا۔

یہ سن کر اس کی آنکھوں کے سامنے سارا منظر گھومنے لگا تھا پھر اس نے اپنی امی سے اس کا تذکرہ کر دیا تھا۔ کس طرح اس سیاہ پوش نے گلاب اس کے بالوں میں لگایا تھا۔ ساری بات سنتے وقت فہد صاحب صرف اپنی بیٹی کے چہرے کو ہی دیکھ رہے تھے جس میں ایک خوف اور آواز میں لرزاہٹ تھی۔

''اب کیا ہوگا۔ وہ کوئی بھوت ہے آسیب ہے جو میری بچی کے پیچھے پڑ گیا ہے۔'' آرزو

بیگم نے خوف سے کانپتے ہوئے کہا۔

”تم فکر مت کرو، میرا دوست آتا ہی ہوگا۔۔وہ ایسے مسائل کو بخوبی جانتا بھی ہے اور حل بھی کرتا ہے۔“

پاشا نامی شخص نے آنے میں کافی دیر لگادی تھی۔اس دوران ہانیہ نے اس گلاب کو اپنے بالوں سے نکالنے کی بہت کوشش کی تھی مگر وہ کامیاب نہ ہوسکی تھی۔پاشا کے چہرے پر خجالت کے آثار تھے۔فہد صاحب اس کو ڈرائنگ روم میں لے آئے۔وہ فوراً ہی بولا۔

”یار میں بہت شرمندہ ہوں۔“

”کوئی بات نہیں پاشا۔بس وہ مرغ تمہارے انتظار میں سوکھ گیا ہوگا۔“

”مرغ۔“ وہ حیرت سے بولا۔

”ہاں بھائی، مرغ قورمہ بنا ہوا ہے۔بیچارا مرغ سالن میں پڑے پڑے سوکھ گیا ہوگا۔“ فہد صاحب نے مسکرا کر جواب دیا۔

”تم ان حالات میں زندہ دل ہو۔۔حیرت ہے۔“

جواباً فہد صاحب ہنس کر بولے تھے۔

”میرے دوست ایک بات یاد رکھنا۔پریشانی کسی بھی مسئلے کا حل نہیں۔ہر مسئلہ ٹھنڈے دماغ سے اور خود کو پرسکون رکھ کر حل کیا جاسکتا ہے۔“

”ہاں بات درست ہے اب مجھے معاملے کی بابت تھوڑا آگاہ کرو۔“

جواباً فہد صاحب نے ہانیہ کے ساتھ ہونے والا سارا واقعہ گوش گزار کیا تھا۔

”ذرا اب ہانیہ بیٹی کو بلاؤ۔۔اور صاف اور تازہ پانی بھی۔“

ہانیہ کو بلا لیا گیا تھا۔پاشا نے اس کو اپنے سامنے بٹھا لیا اور اس کا بایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں

لے کر کچھ پڑھتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ مسلسل پڑھائی کر رہا تھا اور ہانیہ کو یوں لگ رہا تھا کہ جیسے کہ کوئی سیال سا اس کے رگ وپے میں گردش کر رہا ہو۔

پاشا کا پورا جسم پسینے میں شرابور ہو چکا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے وہ میلوں دوڑ کر آ رہا ہو۔ اچانک اس نے آنکھیں کھولیں۔ اسکی آنکھیں دیکھ کر ہانیہ ڈر گئی۔ وہ آنکھیں سرخ تھیں۔ پاشا نے کچھ کہے بغیر پانی کی بوتل کا ڈھکن کھولا اور پانی پر پھونک ماردی۔

''لو بیٹی اس کو پی جاؤ۔ اور تھوڑا پانی اپنے بالوں میں ڈال لینا وہ گلاب اپنے آپ نکل جائے گا۔''

ہانیہ نے وہ پانی فوراً ہی پی لیا تھا۔ پانی پیتے ہی اس کو ایسا لگا کہ جیسے سکون کی ایک لہر سی اس کے جسم میں دوڑ گئی ہو۔ تھوڑا سا پانی اس نے اپنے سر پر ڈال لیا تھا۔ جیسے ہی پانی سر پڑا کہیں سے بلی کے رونے کی آواز اس نے سنی تھی۔ پھر واقعی وہ گلاب سر سے فرش پر گر پڑا تھا مگر گرتے ہی وہ گلاب بالکل ایسا ہو گیا جیسے سلگ رہا ہو۔ گلاب کو سلگتا دیکھ کر فہد صاحب نے آنکھیں پھاڑی تھیں۔ زندگی میں پہلا ہی ایسا موقع تھا جب کسی گلاب کو سلگتے دیکھا تھا۔ یہ سب تو انہوں نے شاعری اور محاوروں میں سنا تھا مگر حقیقت میں وہ پہلی بار ایسا دیکھ رہے تھے۔ ہانیہ بھی یہ سب دیکھ کر بھونچکی ہو گئی تھی۔

''بیٹی! اب تم جاؤ۔ اور یہ تعویذ اپنے گلے میں ڈال لو۔ یہ پھر انشا اللہ نہ وہ دوبارا نظر آئے گا۔ اور نہ ہی تنگ کرے گا مگر ہاں اس تعویذ کو کبھی اپنے سے جدا نہ کرنا۔ جس دن سے یہ جدا ہوا تو شاید تم پھر کسی پریشانی میں مبتلا ہو جاؤ۔''

ہانیہ نے پاشا نے تعویذ لیا تھا اور اٹھ کر کمرے میں چلی گئی تھی۔

''کیا معاملہ ہے؟''

"کوئی خاص بات نہیں۔ بچی ہوا کی زد میں آ گئی تھی۔ کچھ ہوائیں گرم ہوتی اور کچھ ٹھنڈی۔ یہ تھوڑی گرم ہوا تھی۔ فی الحال میں نے اس کو بچی سے دور کر دیا ہے۔" پاشا نے طویل سانس لے کر سر ہلایا۔

"مطلب۔"

"کچھ خاص نہیں۔۔۔ بس چند دن تک وہ اسکول نہ جائے تو اچھا ہے۔"

پھر پاشا وہاں سے رخصت ہو گیا تھا مگر جانے سے پہلے مرغ قورمہ کھانا نہیں بھولا تھا۔

☆......☆......☆

پھر واقعی اس دن کے بعد بارشوں میں کبھی وہ دکھائی نہیں دیا تھا مگر بارش اور بجلی کا خوف ہانیہ کے دل میں جڑ پکڑ گیا تھا۔ یہ تھا اس کے ماضی کا وہ ڈر جو اس کے کبھی کبھار اس کے دل میں اندیشے پیدا کر دیا کرتا تھا۔ تعویذ اب بھی اس کے پاس موجود تھا جس کو وہ اپنے بازو کے ساتھ باندھ کر رکھتی تھی۔ اپنے ابو کے لئے سموسے بناتے وقت وہ ان ہی خیالوں میں گم تھی۔ گزرے ہوئے دنوں کے وہ مناظر اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم رہے تھے۔ جس کو چھ سال بیت چکے تھے۔ اب وہ 22 برس کی تھی۔

اس نے کچن کی کھڑکی کھول دی جو پچھلی جانب والے حصے میں کھلتی تھی جہاں چھوٹا سا باغیچہ موجود تھا۔ درخت اور پودے کافی نکھرے دکھائی دے رہے تھے۔ اس نے ایک طویل سانس لی اور کڑھائی کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ عین اسی وقت آرزو بیگم اندر داخل ہوئیں۔ ہانیہ پر نظر پڑتے ہی وہ چونک گئیں۔

"کیا ہوا۔ خیریت تو ہے۔"

"جی امی۔"

”تو تمہارے چہرے پر بارہ کیوں بجے ہوئے ہیں۔“

”ارے۔۔نہیں یونہی۔“

”ضرور کوئی بات ہے۔مجھے بتاؤ۔“

”بس امی۔“اس نے طویل سانس لی۔”گزرے ہوئے ماہ وسال یاد آ گئے۔“

”مطلب۔۔“

”وہی سیاہ پوش۔جو صرف بارش میں ہی ملا کرتا تھا۔“

”ارے اس بد بخت کو کیوں یاد کر رہی ہو۔بھلا ہو تمہارے باپ کے دوست کا جس نے اس آفت کو قصہ ہی تمام کر دیا۔“

”جی امی۔“پھر اس نے جلدی سے پوچھا۔”ابو جان آ گئے؟“

”بس آنے ہی والے ہیں۔“آرزو بیگم نے مسکرا کر کہا۔

”سموسے تو تیار ہیں بس وہ آ جائیں تو چائے رکھ دوں۔“

عین اسی وقت ہی دروازے کی کال بیل بجی۔

”لو۔آ گئے تمہارے ابو۔“وہ جلدی سے باہر کی جانب لپکی تھیں۔

☆......☆......☆

اسی رات فہد صاحب سونے کے ارادے سے کمرے میں داخل ہوئے تو بستر پر آرزو بیگم گہری سوچ میں گم دکھائی دیں۔

”کیا ہوا بیگم، کس سوچ میں گم ہو؟“

”آں۔“وہ چونکیں۔”سوچ رہی ہوں۔ہانیہ کی گریجویشن بھی مکمل ہونے والی ہے۔کوئی اچھا سا لڑکا دیکھ کر اس کی شادی کر دی جائے۔“

”ہانیہ کو ابھی تعلیم تو مکمل کرنے دو۔۔میں چاہتا ہوں کہ میری بیٹی ڈاکٹر بنے۔“

”کوئی ضرورت نہیں۔ویسے بھی گریجویشن بہت ہوتی ہے۔۔اور اس عمر میں اچھے رشتے تو مل جاتے ہیں ورنہ بعد میں ہر کوئی اسکی عمر کے ہی کیڑے نکال رہا ہوگا۔“

فہد صاحب خاموش ہو گئے کیونکہ زیادہ تعلیم یافتہ لڑکیوں کو بڑا ہی سمجھا جاتا تھا۔

”اچھا بھئی، جو چاہو کرو۔“

”ارے۔۔میں ابھی شادی نہیں کرونگی۔تیاری کے لئے کم از کم دو سال لیں گے پھر لڑکے والے بھی فوراً تو رخصتی کی ڈیمانڈ نہیں کریں گے۔۔“

”میں اس جلد بازی کی وجہ پوچھ سکتا ہوں۔“

”لڑکیوں کی شادی جلد ہی ہو جائے تو اچھا ہے۔“

”لیکن تم کو اتنی جلدی کیوں ہے۔میں چاہتا ہوں وہ پڑھے۔“ انہوں نے اپنی بات دوبارا دوہرائی۔اپنے شوہر کی بات سن کر آرزو بیگم چند لمحات تک سوچتی رہیں اور طویل سانس لی اور پھر بولیں۔

”آپ کو یاد ہے ناں۔۔آج سے چھ سال پہلے کا واقعہ۔“

چند لمحے تک سوچنے کے بعد فہد صاحب نے کہا۔”یاد آیا کوئی ہوا تھی جس کا رخ پاشا نے موڑا تھا۔تو کیا وہ معاملہ دوبارا۔۔“

”اللہ نہ کرے۔“ آرزو بیگم نے جلدی سے بات کاٹی۔”میرا مطلب یہ تھا کہ وہ آج بھی ان لمحات سے خوفزدہ ہے۔“

”کیا مطلب؟“ فہد صاحب پریشان ہو گئے۔

”بارش کے دنوں میں وہ خاموش ہو جاتی ہے۔“

”اچھا تو پھر شادی سے اس کا کیا تعلق۔“

”بات کو سمجھیں۔“ وہ بولیں۔ ”شادی شدہ زندگی ایک نئی خوشی کا نام ہے اور میں چاہتی ہوں میری بچی ہمیشہ خوش رہے۔“

”اچھا۔“ وہ طویل سانس لے کر بولے۔ ”تم ہانیہ سے مشورہ کرلو۔اس کی پسند پوچھ لو۔۔پھر بات چلاتے ہیں۔“

اتنا کہہ کر وہ تکیہ سیدھا کر کے بستر پر لیٹ گئے۔اس کا مطلب آرزو بیگم اچھی طرح سے جانتی تھی۔اب وہ مزید کوئی بات نہیں کریں گے۔

اچانک انہوں نے چادر سے سر باہر نکالا اور مسکرا کر بولے۔ ”بیگم!کوئی لڑکا ہے تمہاری نظر میں؟“

”رشتے تو آسمانوں پر بنتے ہیں۔کوئی تو ہوگا میری بچی کے لئے۔“ وہ مسکرا کر بولی تھیں۔

☆......☆......☆

مزمل نے یونیورسٹی کے کیفے ٹیریا میں قدم رکھا اور میزوں کے گرد نگاہ ڈالتے ہی اس کی آنکھوں میں ایک چمک سی لہرائی۔اسکی نگاہوں کے سامنے اسکا اپنا گوہر مقصود تھا۔ہانیہ اپنی چند دوستوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی دکھائی دی۔اس نے بلیو رنگ کی شلوار قمیص پہن رکھی تھی۔ جس کا دوپٹہ سفید رنگ کا تھا۔اس پر گولڈن رنگ کی کڑھائی ہوئی تھی۔اس لباس میں وہ نہایت ہی حسین معلوم ہو رہی تھی۔مزمل کو وہ وقت یاد آگیا جب اس نے پہلی بار ہانیہ کو دیکھا تھا۔اس وقت بھی اس نے بلیو ہی پہن رکھا تھا۔وہ نہایت ہی خوبصورت لگ رہی تھی۔پہلی نظر میں وہ اس پر دل ہار بیٹھا تھا۔اس نے پہلی بار اس کو کلاس روم میں دیکھا تھا جہاں وہ پروفیسر سے باقاعدہ طور پر بحث کر رہی تھی اور پروفیسر اس کی دلیلوں سے بہت ہی متاثر نظر آرہے تھے۔

ہانیہ ان لڑکیوں میں تھی جس ٹاپک پر بات کرتی تو سامنے والا متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا تھا۔ بس وہ دن تھا جب اس کی خوبصورتی، اس کا حسن، اس کی ذہانت نے اس کے دل میں گھر کر لیا تھا۔ پہلی نظر میں مزمل کو ہانیہ سے محبت ہو گئی تھی۔ اس کو شاعر مشرق علامہ اقبال صاحب کا وہ شعر یاد آ گیا تھا۔ جو شاید اسی موقع کے لئے تھا۔

فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا
نہ ہو نگاہ میں شوخی تو دلبری کیا

اس دن کے بعد سے بس اس کی نگاہوں نے صرف اسی کا احاطہ کیا تھا۔ آج پھر وہ اسی بلیو لباس میں نظر آ رہی تھی۔ اس کو دیکھ کر اس کے ذہن میں احمد ندیم قاسمی کا شعر گھومنے لگا تھا۔

ایک حقیقت سہی فردوس میں حوروں کا وجود
حسن انساں سے نمٹ لوں تو وہاں تک دیکھوں

وہ دل ہی دل میں اس کے حسن کی مداح سرائی کرتا ہوا قریب ہی ایک خالی میز پر بیٹھ گیا تھا۔ نہ جانے کیوں اس کے دل میں ان لڑکیوں کی ہونے والی گفتگو سننے کا خیال پیدا ہو گیا حالانکہ یہ نہایت ہی معیوب عمل تھا مگر نہ جانے آج اس قسم کی حرکت میں مبتلا ہونے کا دل کر رہا تھا۔ ویٹر اس کے سر پر سوار ہوا تو اس نے فریش جوس کا آرڈر دیا۔ اس کے کانوں میں ناز کی آواز گونجی۔

''ارے۔ تو میری جان تمہاری عمر ہی کیا ہے۔'' اس نے فرح سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

''تو شادی کے لئے کوئی مخصوص عمر کی ضرورت ہے۔'' فرح کا لہجہ خشک تھا۔

''نہیں، شادی تو کسی بھی عمر میں کی جا سکتی ہے۔ اس کے لئے کوئی عمر مخصوص نہیں مگر میری

جان لڑکا تو پسند کا ہونا ضروری ہے۔" ہانیہ مسکرائی۔

"نہیں میں یہ سمجھتی ہوں کہ شادی ماں باپ کی پسند سے ہونا ہی ضروری ہے کیونکہ ماں باپ کا فیصلہ اولاد کے لئے درست ہوتا ہے اور میں نے وہی کیا ہے۔" فرح نے مسکرا کر کہا۔

"اپنی اپنی پسند کی بات ہے۔ میں تو اس لڑکے سے کروں گی جو ملک سے باہر ملازمت کرتا ہو۔" ناز نے اٹھلا کر کہا۔

"اوہو۔ ارادے تو جناب کے بڑے بلند ہیں۔" ہانیہ نے ہنس کر کہا۔

"اور تمہارا کیا ہے ہانیہ؟" فرح نے کہا۔

"کچھ نہیں یار، جب یہ وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ ویسے میری امی تو میرے لئے رشتہ ڈھونڈ رہی ہیں۔ مگر میں تو اسی سے کروں گی جو مجھے پسند آئے۔" ہانیہ مسکرائی۔

رشتے کا سن کر مزمل کے کان کھڑے ہو گئے۔ اس خبر کو سن کر اس کے دل کو دھکا سا لگا تھا۔ دراصل وہ دل ہی دل میں اس کو اتنا چاہنے لگا تھا کہ اس کی جدائی کا تصور ہی اس کے لئے موت کا پیام تھا۔ اس خبر نے نہ جانے کیوں اس کی سماعت پر تیزاب کا سا کام کیا تھا۔

"مگر ایسا کوئی ہے جو تم کو پسند آئے۔ یونیورسٹی کے سارے ہی لڑکے تمہارے لئے اپنا دل لئے گھوم رہے ہیں۔" ناز نے ہنس کر کہا۔

"ارے تم بہت بے شرم ہو۔"

"اے لو، اس میں بے شرمی کی کیا بات ہے۔ تم اتنی خوبصورت ہو۔ اگر میں لڑکا ہوتی تو تمہارے لئے ایک آدھ قتل ضرور کر دیتی۔" ناز نے سینے پر ہاتھ باندھ کر روایتی عاشقوں کی طرح جواب دیا۔

"ناز کی بچی، تو چپ نہیں رہے گی۔" فرح نے اس کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "یہ بتاؤ تم راضی

ہو۔“

”بھئی شادی تو کرنی ہے ناں۔ ویسے بھی میرے والدین کا ماننا ہے کہ اس عمر میں لڑکیوں کی شادی ہو جانی چاہیے۔“

”ارے۔“ ناز بولی۔ ”ابھی تو تمہارے کھیلنے کودنے کے دن ہیں۔ شادی کا مطلب تو مینا کے پر کاٹ کر اس کو سسرال کے پنجرے میں بند کر دیا جائے۔ ا۔ ا۔“ وہ اپنی بات مکمل نہیں کر سکی تھی کیونکہ ہانیہ نے اس کا منہ دبا دیا تھا۔ اور فرح زور سے ہنس پڑی تھی۔

مزمل بھی یہ منظر دیکھ کر مسکرا دیا تھا۔ یہ مسکراہٹ بس چند ہی لمحات کی تھی کیونکہ اس کا دل پھر اداس ہو گیا تھا۔ اس میں ایک عجیب سی بے چینی پیدا ہونے لگی تھی۔ یہ تصور بھی روح فرسا تھا کہ وہ کسی اور کی ہو جائے۔ یہ تو اس کو امید ہرگز نہ تھی کہ اتنی جلدی اسکی شادی کا سلسلہ چل پڑے گا۔ اب اس کو کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا چنانچہ وہ اپنی کرسی سے اٹھا اور بل ادا کر کے باہر جانے لگا تو اچانک ناز کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

”یونیورسٹی میں اتنے لڑکے ہیں۔ کوئی بھی ان میں پسند نہیں ہے؟“ ناز نے مسکرا کر کہا۔

”ابھی تک ایسا تو کوئی لڑکا نہیں جو مجھے پسند آئے یا وہ مجھے پسند کرتا ہو۔“ ہانیہ مسکرائی تھی۔

یہ لفظ سن کر مزمل دل ہی دل میں مسکرا دیا اور دل میں کہنے لگا۔ ”میں جو ہوں۔“ اتنا سوچ کر وہ باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

دوسرے دن صبح کے وقت ہانیہ کی نظر اپنے بال سنوارتے وقت اس چھتری پر پڑی جو ایک کونے میں رکھی ہوئی تھی۔ وہ چونک گئی اس کو یاد آ گیا کہ یہ تو مزمل کی چھتری ہے۔ بہت روز گزر گئے تھے وہ چھتری اس کو بھولی ہوئی تھی اور مزمل نے بھی یہ چھتری اس سے واپس نہیں

مانگی تھی۔

''اوہ۔۔ مجھے تو یاد ہی نہیں تھا۔''

پھر اس نے اپنے وینٹی بیگ کے ساتھ وہ چھتری بھی اٹھالی تھی۔

''ارے۔۔ کیا آج پھر بارش کے آثار ہیں۔'' آرزو بیگم نے اس کو دیکھا اور چونک کر بولیں۔

''ارے نہیں امی۔'' وہ ہنس کر بولی۔ ''یہ جس کی ہے اس کو واپس کرنی ہے مجھے یاد نہیں رہا تھا۔''

''اوہ۔۔ کوئی اچھی فرینڈ ہوگی۔'' وہ معنی خیز لہجے میں بولیں۔

''جی۔''

''ہاں تبھی تو اس نے اتنی بارش میں اپنی چھتری تمہارے حوالے کردی۔''

''جی ہاں۔'' اس نے سر جھکا کر جواب دیا۔

پھر وہ جلدی سے باہر نکل آئی۔ یوں بھی وہ کھڑی رہتی تو امی نہ جانے کیا سمجھ کر سوالات شروع کردیتیں۔ بہت ہی جلد وہ یونیورسٹی پہنچ گئی۔ آج اس کا سر عطا کی کلاس لینے کا کوئی موڈ نہ تھا۔ چنانچہ اس نے سب سے پہلے کیفے ٹیریا کا رخ کیا تھا مگر مزمل اس کو وہاں بھی نہیں ملا تھا۔ وہ کیفے ٹیریا سے نکل رہی تھی کہ اس کو مزمل آتا دکھائی دیا۔ نہ جانے وہ کس سوچ میں گم تھا۔ وہ تذبذب کا شکار ہوگئی۔

''کیا ہوا مزمل، خیریت تو ہے۔'' اس کے قریب آنے پر اس نے پوچھا۔

مزمل نے اسکو ایک نظر دیکھا بس پھر وہ دیکھتا ہی رہ گیا۔ آج نے گلابی رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا اس طرح غور سے دیکھنے پر وہ گڑبڑا گئی۔

”آں۔“وہ چونکا۔”جی ہاں بالکل۔“

مزمل کا رنگ قدرے اڑا اڑا سا لگ رہا تھا۔وہ اس سے نظریں چراتا ہوا ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ہانیہ نے چھتری اسکی طرف بڑھا دی۔مزمل نے فوراً ہی چھتری لے لی تھی۔کچھ ڈسٹرب بھی لگ رہا تھا وہ ہانیہ اس کو غور سے دیکھ رہی تھی۔

”میں اسکو بھول گئی تھی۔“

”واپس کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی میری ایک یادگار ہی رہ جاتی آپ کے پاس۔۔“

”کیا مطلب۔“وہ چونکی۔

”کچھ نہیں۔“

چند لمحات کے توقف کے بعد وہ پھر بولا۔

”میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔“اس نے دل کڑا کر کے کہا۔

”ضرور۔“

”یہاں نہیں آج شام چار بجے کیفے ڈی فرانس میں آپ کا انتظار کروں گا۔“

”ناممکن۔جو بات کرنی ہے ابھی کریں۔“اس نے حتمی لہجے میں جواب دیا۔ویسے ہانیہ نے اس کی نظروں کی وارفتگی کو محسوس کر لیا تھا وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔

”اچھا۔“وہ مردہ لہجے میں بولا۔”پھر ایک کپ کافی ساتھ ہو جائے تو دیکھیں پلیز منع مت کریں۔“وہ لجاجت سے بولا۔

”چلیں۔“وہ مسکرائی۔

وہ دونوں ٹیبل پر بیٹھ گئے۔آرڈر پلیس کرنے کے بعد ہانیہ نے اس کی طرف دیکھ کر سنجیدگی سے کہا۔

"جی۔۔آپ مجھ سے کیا بات کرنا چاہتے تھے۔"

اس کی بات پر مزمل نے کوئی جواب نہ دیا۔بس سر جھکا کر ہی بیٹھا رہا۔چہرے پر تذبذب کے آثار تھے یوں لگ رہا تھا کہ بات کرنے اپنی ہمت جمع کر رہا ہو۔ہانیہ بغور اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھی۔وہ اتنا تو سمجھ گئی تھی کہ وہ کیا بات کرنا چاہتا ہے۔قدرت نے لڑکیوں میں یہ صلاحیت دی ہے کہ مردوں کی آنکھوں سے ان کی اندرونی کیفیت کو جانچ سکیں۔

"میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔۔اور شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"اور اگر میں نہ کر دوں تو۔"

"آپ کو اختیار ہے۔مجھے میری محبت کو رد کرنے کا۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر سنجیدگی سے بولا۔لمحاتی توقف کے بعد مزمل نے پھر کہا۔"جانتی ہیں آپ میں نے جب سے آپ کو دیکھا ہے دل نے کہا کہ یہی ہے وہ مزمل جس کے ساتھ تم پوری زندگی ہنستے ہنستے گزار سکتے ہو۔مگر اگر آپ نے ٹھکرا دیا تو میں یہ نہیں کہوں گا کہ میں مر جاؤں گا۔۔مگر میں یہ شہر چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔زندہ رہوں گا لیکن موت سے بدتر زندگی ہوگی وہ میری۔" بڑی ہی سنجیدگی سے اس نے اپنی بات مکمل کی اور اس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔

ہانیہ کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا جواب دے۔مزمل کے دوٹوک انداز اور صاف صاف بات نے اس کو بے حد متاثر کیا تھا۔اسکے لہجے اور انداز میں کسی طرح کا چھچھور پن نہیں تھا بلکہ اس کی سنجیدگی اس کے سچے ہونے کی گواہی دے رہی تھی۔

"میری شادی ہونے والی ہے۔"

"جانتا ہوں آپ کی شادی نہیں ہوئی۔آپ کے گھر والے شادی کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔"

''ارے آپ کو کیسے معلوم۔'' ہانیہ بری طرح سے چونکی۔اس کی بات سن کر اس کے لبوں مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''میں چھٹی کے وقت آپ کا انتظار کروں گا۔''

''کہاں۔'' اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''بس اسٹاپ پر۔''

یہ سن کر وہ ہچکچائی چند لمحات تک سوچنے کے بعد وہ بولی۔

''نہیں۔۔میں نہیں آؤں گی۔''

''مگر میں پھر بھی انتظار کروں گا۔اور مجھے امید ہے کہ آپ اس انتظار کو زندگی بھر کے انتظاز میں تبدیل نہیں کریں گی۔'' اتنا کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ہانیہ اس کو جاتا ہوا دیکھتی رہی تھی۔

کلاس روم میں ہانیہ کا دن کافی عجیب سا گزرا تھا۔اس کے الفاظ اس کا لب ولہجہ کافی متاثر کن تھا۔۔اس کی محبت کا اظہار بھی کافی مہذبانہ تھا۔

☆......☆......☆

وہ اپنی کار کے ساتھ بس اسٹاپ پر اس کا منتظر تھا۔وقت آہستہ آہستہ گزرتا جارہا تھا اور اس کی بے چینی بڑھتا جارہا تھا۔لڑکے لڑکیاں گیٹ سے باہر نکلتے جارہے تھے مگر ان میں ہانیہ نہ تھی۔انتظار کا ایک ایک پل اس پر گراں گزر رہا تھا۔ایک ایک لمحہ بھاری تھا۔گھنٹہ بھر ہو چکا تھا مایوسی نے دل پر دستک دینا شروع کردی تھی۔لگ رہا تھا کہ وہ اب نہیں آئے مگر موقع کی مناسبت سے فیض احمد فیض کا ایک شعر یاد آنے لگا تھا۔

جانتا ہوں کہ وہ نہ آئیں گے

پھر بھی مصروفِ انتظار ہے دل

ہانیہ اپنی کلاس روم سے باہر ہی نہیں نکلی تھی۔اس کا دل اور چہرا متضاد کیفیات کا شکار تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ وہ جائے مگر دماغ اس کی دل کی بات کو قبول کرنے سے انکاری تھا۔کافی دیر گزر گئی تھی اس کو کلاس روم میں اکیلا بیٹھے ہوئے۔ناز نے بھی بہت کوشش کی کہ وہ اٹھ جائے مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔بالآخر ناز اسکو اسی حال میں چھوڑ کر کلاس سے باہر نکل گئی۔وہ کافی دیر تک کلاس میں بیٹھی رہی تھی پھر اس نے ایک فیصلہ کرلیا تھا۔فیصلہ کرتے ہی ہانیہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

انتظار کی وہ کیفیت اب مایوسی میں بدلنے کو تھی مگر دل میں ایک امید تھی۔محبت کی یہ شمع جو اس کے دل کو روشن کیئے ہوئے تھی،اس کی روشنی اس کے دل تک ضرور پہنچے گی۔اچانک اس نے ہانیہ کو گیٹ سے باہر آتے ہوئے دیکھا۔وہ سیدھی اس کی طرف آرہی تھی۔جلد ہی وہ دونوں کار میں بیٹھے ہوئے تھے۔کار اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھی۔ہانیہ کے چہرے پر شدید بے چینی کے آثار تھے۔

”آپ پریشان نہ ہوں،میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔“وہ اس کے چہرے کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

یہ سن کر اس نے طویل سانس لی اور بولی۔”تو گویا آپ چہرا شناس بھی ہیں۔“

یہ سن کر مزمل ہنسا اور بولا۔

”جو دل کے قریب ہوں ناں ان کی ہر بات کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے۔“

ہانیہ کے چہرے پر ایک سرخی سی دوڑ گئی۔

”میں جانتا ہوں کہ وقت بہت کم ہے۔میری تربیت جس گھرانے میں ہوئی ہے وہ بہت ہی سادہ اور شریف خاندان ہے۔“

"مجھے یقین ہے۔لیکن آپ کو کس نے بتایا کہ گھر میں رشتے کی بات چل رہی ہے۔"

"کیفے ٹیریا میں، میں نے سب سن لیا تھا۔" وہ سڑک پر نظریں جمائے ہوئے بولا۔

"اوہ۔۔" وہ مسکرائی۔

کار بڑی ہی تیز رفتاری سے ہانیہ کے گھر کی طرف رواں دواں تھی۔اب دونوں کے درمیان خاموشی تھی۔ہانیہ اپنے خیالوں میں گم تھی۔اسکا دل ودماغ صرف مزمل کی باتوں میں ہی گم تھا۔وہ جب چونکی تھی جب مزمل نے اس کو مخاطب کیا۔

"آپ کا گھر آگیا۔"

"آں۔" وہ چونکی۔"سوری۔" اتنا کہہ کر وہ کار سے اتر گئی۔

"جواب کا منتظر ہوں۔" مزمل نے اس کو جاتا ہوا دیکھ کر کہا۔

"کس جواب کا۔" وہ انجان بن کر بولی۔

اس کی بات پر وہ مسکرایا اور بولا۔"میری محبت قبول ہے یا نہیں۔"

"سوچنے کا موقع تو دیں۔" وہ مسکرائی۔

"تو میں ہاں سمجھوں؟"

"پتا نہیں۔" اتنا کہہ کر وہ تیزی سے وہاں سے چلی گئی۔مزمل اس کو جاتا ہوا دیکھتا رہا۔پھر اس نے مسکرا کر کار کو اسٹارٹ کر دیا۔اسی وقت اس نے کار ٹیپ چلا دیا ایک مدھر سا نغمہ کار میں گونجنے لگا۔

"ایک بار اجازت دے۔تیری روح میں بس جاؤں۔

میں بن کے تیری سانسیں۔دھڑکن میں ٹھہر جاوں۔"

مدھر سا یہ نغمہ مزمل کے دل میں اتر گیا۔اچانک ہی اس کو چونک کر بریک لگانے پڑے۔

پھراس کی نگاہ سامنے اٹھ گئی۔وہ کالے رنگ کا موٹا سا تازہ بلا تھا جو گلی سے نکل کر سیدھا اسکے سامنے آ گیا تھا۔وہ چند لمحات تک اس کو دیکھتا رہا پھر فوراً ہی سڑک پار کر کے دوسری گلی میں غائب ہو گیا۔یہ دیکھ کر مزمل کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔اس کے ذہن میں وہ تمام دقیانوسی خیالات گھومنے لگے تھے جن کے مطابق اگر بلی راستہ کاٹ جائے تو بہت برا مانا جاتا ہے۔

اس نے ان تمام خیالات کا دماغ سے نکالا اور کار آگے بڑھا دی۔

☆......☆......☆

ہانیہ گھر میں داخل ہوئی تو اس کا چہرا سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔اس کا دل دماغ بس مزمل کی باتوں میں کھویا ہوا تھا۔بہر حال امی کے خوف سے اس نے خود کو نارمل کیا اور دروازہ کھلتے ہی بولی۔

''کیا پکا ہے امی۔''

''اوہ۔کیا بھوک لگی ہے۔''

''جی۔''

''چلو۔تم فریش ہو جاؤ کیونکہ میں نے تمہاری پسند کی ڈش بنائی ہے۔''

''اوہو۔سمجھ گئی مٹر پلاؤ۔''

''بالکل۔''

''تو میں فوراً فریش ہو کر آتی ہوں۔''

اس کے جانے کے بعد اس کی امی مسکراتے ہوئے لنچ کی تیاری کرنے لگی تھیں۔کھانے کے دوران کئی بار اس نے سوچا کہ وہ ان سے مزمل کا ذکر کر دے مگر اس کی ہمت ہی نہ ہوئی۔ کھانے کے دوران بار بار اسکا مسکراتا ہوا چہرا اس کے پرپوز کرنے کا انداز اس کے سامنے آ جاتا۔آرزو بیگم بڑی ہی دیر سے اس کی خاموشی کو نوٹ کر رہی تھیں۔

”کیا بات ہے ہانیہ۔۔اتنی چپ کیوں ہو؟“

”نہیں امی، کوئی ایسی بات نہ ہے۔۔بس ایسے ہی۔“

”نہیں کوئی تو بات ہے۔“

”ارے امی! سیانوں نے کہا کھاتے وقت خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔“ وہ مسکرا کر بولی۔

”ہانیہ۔۔کہیں ایسا تو نہیں تم نے اس سیاہ پوش کو دوبارا دیکھ لیا ہو۔“ آرزو بیگم اس کو کھوجتی ہوئی نگاہوں سے دیکھتی ہوئی بولیں۔سیاہ پوش کے بارے میں سنتے ہی ہانیہ دھک سی رہ گئی۔ اس کے ذہن میں وہی سیاہ پوش گھومنے لگا تھا۔

”نہیں امی، اللہ نہ کرے کہ وہ منحوس دوبارا میری زندگی میں آئے۔“

”اللہ کرے ایسا ہی ہو۔“ وہ زیرلب بڑبڑا کر بولیں۔

رات کو تنہائی نصیب ہوئی پھر مزمل اس کے خیالوں میں آدھمکا تھا۔یہ تصور اتنا قوی تر تھا کہ وہ اس کو دکھائی دینے لگا تھا۔دل میں عجیب قسم کی لہریں دوڑنے لگی تھیں اور پورے وجود میں سنسنی سی۔مزمل اس کو مسکراتی ہوئی نظروں سے بغور دیکھ رہا تھا۔

”کیا سوچ رہی ہو؟“

”تمہارے بارے میں۔“ اس کے منہ سے ازخود نکلا۔

”پھر تم کو میری محبت قبول ہے۔“ وہ مسکرایا۔اس کی بات سن کر اس کے لبوں پر شرمگیں سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

”مجھے سوچنے کا موقع تو دو۔“

”سوچو۔ساری زندگی سوچو۔مگر اپنی موت سے پہلے ایک بار ہاں ضرور کرنا۔اگر ناں کی یہ جان تمہاری ہی بانہوں میں نکلے گی۔“

''اللہ نہ کرے۔''اتنا کہہ کر اس نے اس کو چھونے کی کوشش کی مگر وہ تو تصور تھا غائب ہو گیا۔اس نے چاروں طرف حیرت سے دیکھا وہاں کوئی نہیں تھا۔

''اب تو تم میرے خیالات میں، میرے تصورات میں بھی دستک دینے لگے ہو۔''وہ مسکرا کر بڑبڑائی۔اٹھ کر آئینے کی سامنے جا کھڑی ہوئی اور بے خیالی میں اپنے سراپے کا جائزہ لینے لگی۔

کہتے ہیں آئینہ دل کا عکس ہوتا ہے۔اور جو سامنے ہوتا ہے اس پر ظاہر ہو جاتا ہے۔آج پہلی بار اس کو احساس ہوا کہ وہ بہت خوبصورت ہے۔اس کے دماغ میں نازکی بات گھومنے لگی تھی جس نے کہا تھا کوئی لڑکا اس کو دیکھے گا تو اس کا ضرور دیوانہ ہو جائے گا۔دفعتاً اس کو ایسا محسوس ہوا کہ آئینہ اس سے مخاطب ہوا۔

''بے شک تم بہت حسین ہو مگر مزمل کی چاہت والہانہ ہے۔''

''جانتی ہوں۔میرا دل کہتا ہے کہ مزمل مجھے دھوکا نہیں دے گا۔ہاں شاید مجھے بھی اس محبت ہو گئی ہے۔''الفاظ پورے ہی ہوئے تھے کہ ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا دودھ کا گلاس نیچے آرہا اور چھناکے دار دھماکہ ہوا۔گلاس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور دودھ فرش پر پھیل چکا تھا۔

وہ حیرت زدہ رہ گئی کیونکہ اس نے گلاس کا ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔نہ جانے کیوں اس کا دل خوف سے دھک دھک کرنے لگا تھا کوئی انہونی ہونے والی تھی۔

☆......☆......☆

اسی ہفتے میں یونیورسٹی میں ایک نیو طالب علم کی آمد ہوئی۔اس کی رنگت سانولی ضرور تھی مگر اس کی آنکھیں گہری سیاہ جن میں بے پناہ کشش تھی۔اس کے بائیں کان میں زرد رنگ کی چھوٹی سی بالی بھی لٹکی ہوئی اور دائیں ہاتھ پر ایک لال رنگ کی ڈوری بندھی ہوئی تھی۔اس کے سر بال گھنگریالے تھے۔اس نے سیاہ رنگ کی جین اور بلیو ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔

وہ خالی ہاتھ یونیورسٹی میں داخل ہوا تھا۔وہ چاروں طرف آنکھیں پھاڑے ہونقوں کی طرح دیکھ رہا تھا،شاید یونیورسٹی کا ایسا ماحول اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔چاروں طرف رنگ و نور کا سیلاب تھا۔مثبت اور منفی قوتیں ماڈرن ازم اور روشن خیالی کے نام ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے کسی کی پروا کیے بغیر ادھر ادھر گھوم رہی تھیں۔کبھی کوئی نقرئی قہقہہ اس کے کانوں میں گونج جاتا۔اسی عالم میں وہ پشت کی جانب سے کسی سے ٹکرا گیا۔

''ارے۔''وہ اچھل کر پلٹا۔ساتھ ہی ایک نقرئی چیخ اس کے کانوں سے ٹکرائی۔اس کے سامنے ایک نہایت ہی خوبصورت سی لڑکی زمین پر گری ہوئی تھی اور اب اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

نوجوان نے اس کو دیکھا اور بس دیکھتا ہی رہ گیا۔وہ واقعی بہت کمال تھی۔ایسا لاجواب اور باکمال حسن اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

اس طرح یک ٹک دیکھنے پر وہ لڑکی بری طرح سے نروس ہو گئی۔اس کے ساتھ اور دوسری لڑکیاں بھی تھیں۔لڑکی نے اپنے آپ کو اس طرح گھورنے جانے پر اچھا محسوس نہیں کیا تھا۔

''اے مسٹر،اندھے ہو کیا؟''دوسری لڑکی نے اس کو مخاطب کیا۔

اس کے قبل وہ جواب دیتا کہ اچانک اس کے کندھے پر کسی نے ہاتھ رکھا۔نوجوان چونک کر پلٹا۔اپنے سامنے ایک دوسرے نوجوان کو کھڑا دیکھا۔یہ نوجوان مزمل تھا۔

''ہانیہ!تم اپنی کلاس روم میں جاؤ۔''مزمل نے اس لڑکی کو مخاطب کر کے کہا۔ہانیہ نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور پھر اس کے ہونٹوں پر شرمگیں سی مسکراہٹ دوڑ گئی اور پھر وہ سر ہلا کر اپنی فرینڈز کے ساتھ چلی گئی۔

''اوہ۔معافی چاہتا ہوں غلطی ہو گئی۔''نوجوان بولا۔

''جس سے معافی مانگنی تھی وہ تو چلی گئی۔''مزمل نے کہا۔

''کوئی بات نہیں مگر میں پھر سوری تو کروں گا۔''

''ضرور۔آپ تو یہ آپ کا عمدہ اخلاق ہو گا۔ویسے آپ کی تعریف۔''

''روحان۔''

''یہ کیسا نام ہے۔''

''دراصل یہ میرا خاندانی نام ہے۔اور میں اسی نام کو پسند کرتا ہوں۔''

''خاندانی نام۔''مزمل نے حیرت سے پوچھا۔

''دراصل یہ میرا قبائلی نام ہے۔''

''اوہ۔۔اچھا۔۔ویسے مجھے مزمل کہتے ہیں۔''

''بہت خوبصورت نام ہے۔۔قران پاک کی ایک سورہ کا نام بھی مزمل ہے۔''

''جی بہت شکریہ۔تم اپنے بارے میں بتاؤ۔''

''آج میرا پہلا دن ہے اس یونیورسٹی میں۔''

''سال کے وسط میں آپ کا ایڈمیشن کیسے ہو گیا۔''

''ہاں سال کے وسط میں ویسے بھی میرے لئے کوئی کام ناممکن نہیں۔۔ویسے بھی میں جائزہ لینے آیا ہوں یونیورسٹی تو میں کل سے جوائن کروں گا۔''روحان نے مسکرا کر جواب دیا۔

''تو پھر میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔اور دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔''مزمل نے مسکرا کر کہا۔یہ سن کر نہ جانے کیوں روحان کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری ہو گئی۔دوسرے ہی پل وہ سنجیدگی سے بولا۔

''اوکے۔''

☆......☆......☆

اس نوجوان کا یوں گھورنا ہانیہ کو بالکل ہی پسند نہیں آیا تھا۔لیکن مزمل کا اپنائیت کے ساتھ اس کو چلے جانے کا کہنا اس کے دل کو بھایا تھا۔ ہانیہ اس کی محبت کا جواب محبت سے دینے کا فیصلہ کر چکی تھی مگر اس کے اندر ایک ہچکچاہٹ تھی کہ کھل کر اس کے اندر ہاں کرنے کی ہمت نہ تھی اور نہ ہی اس کا سامنا کرنے کی مگر اس کو اشاروں میں اسے ضرور سمجھا سکتی تھی اسکے لئے بھی کافی ہمت کی ضرورت تھی۔

اکنامکس کے پریڈ میں ہانیہ کی نظریں مزمل پر ہی تھیں۔ جیسے ہی وہ متوجہ ہوتا وہ نظریں چرا لیتی۔ ادھر مزمل کا بھی یہی حال تھا۔وہ چور نظروں سے دیدار کرتا اور ہانیہ کے متوجہ ہونے پر وہ بھی نظریں چرا لیتا،لیکن اسکے چہرے پر دبی ہوئی شرمگیں مسکراہٹ نے اس پر واضح کر دیا تھا۔

پورا دن ایسے ہی گزر گیا تھا۔نہ ہی مزمل نے اس سے کوئی بات کی اور نہ ہی ہانیہ نے۔گھر آ کر بھی ہانیہ اس کے تصورات میں گم رہی تھی۔

دوسرے دن پروفیسر ابدال کا پیریڈ تھا۔وہ تاریخ کے استاد تھے۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی تاریخ کے اوراق کھولنے سے کے ساتھ ساتھ خود اپنی زندگی کے دلچسپ واقعات سے طالبعلموں کو مستفید کر رہے تھے۔ یہ ان کی عادت تھی کیونکہ انہوں نے اپنی زندگی کا بہت سا حصہ سیاحت میں گزارا تھا۔

نہ جانے کیوں آج انہوں نے ماورائی مخلوق کا ذکر چھیڑ دیا تھا اور ان کے متعلق حیرت انگیز واقعات سنا کر طلبا کو سحر زدہ کر دیا تھا۔ان کا انداز بیان دلچسپ تھا۔

''شاید آپ سوچ رہے ہوں گے کہ میں نے آج جن بھوتوں کا ذکر کیوں چھیڑ دیا ہے۔'' وہ مسکرا کر بولے۔

”جی بالکل سر۔“ کئی آوازیں ابھریں۔

جواباً وہ مسکرائے اور بولے۔”ہم جس دنیا میں رہتے ہیں اس دنیا میں انسانوں کے علاوہ اور بھی مخلوقات ہیں۔ چرند پرند، پیڑ پودے۔“

”آپ کہنا کیا چاہ رہے ہیں سر؟“ ایک طالب علم نے بات کاٹ کر کہا۔

”میں یہ کہنا چاہتا ہوں سائنس کی ریسرچ کے مطابق پیڑ پودے اپنی خوراک خود بناتے ہیں حالانکہ وہ حرکت بھی نہیں کر سکتے مگر سائنس نے ان کی زندگی ثابت کی ہے۔ اسی طرح ان دیکھی دنیا کا بھی وجود ہے جن میں آسیب جن بھوت اور روحیں وغیرہ۔“

”میں نہیں مانتا سر۔“ دفعتاً ایک آواز ابھری۔ سب ہی چونک اٹھے خود پروفیسر نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ سب نے مڑ کر دیکھا۔ سب سے زیادہ حیران تو مزمل تھا کیونکہ اس نے اس کو پہچان لیا تھا۔ یہ روحان تھا جس نے چند روز قبل ہی یونیورسٹی جوائن کی تھی۔

”کیوں نہیں مانتے بھئی جنات کا ذکر تو قران پاک سے ثابت ہے۔“ پروفیسر نے مسکرا کر کہا۔

وہ اپنی سیٹ سے کھڑا ہو چکا تھا۔ اس کے چہرے پر معصومیت اور آنکھوں میں بے پناہ چمک صاف دکھائی رہی تھی۔

”میں نے جنات سے انکار نہیں کیا۔ اگر کروں گا تو کفر کروں گا مگر ہم نے آج تک ان کو کبھی دیکھا نہیں۔“ وہ مسکرا کر بولا۔

”دیکھا تو کسی نے بھی نہیں جو یہاں موجود ہیں۔ مگر وہ جنات ہمارے بیچ میں ضرور موجود ہیں۔“ پروفیسر نے سنجیدگی سے کہا۔

”مگر میرا ایک خیال ہے سر۔“ روحان نے کھڑے ہو کر کہا۔

”وہ کیا۔۔“

”سر، جنات کے وجود سے مجھے انکار نہیں اور ہو بھی نہیں سکتا جس کا ذکر قران پاک میں ہو اس کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے مگر میں یہ سمجھ رہا ہوں کہ اس مخلوق نے انسانوں کی آبادی کے بڑھ جانے کے سبب اپنا ٹھکانہ جنگلات اور بیابانوں میں کر لیا ہے۔“

”نہیں بچے تمہاری معلومات کچھ درست ہے اور کچھ غلط۔ ابھی بھی جنات انسانوں کے درمیان موجود ہیں۔“

”میں نہیں مانتا سر۔“ روحان نے مسکرا کر کہا۔ یہ سن کر پروفیسر ابدال معنی خیز انداز میں مسکرائے اور بولے۔

”اچھا اگر تمہاری ملاقات جنات سے ہو جائے تو تم یقین کر لو گے؟“

یہ سن کر روحان کے ساتھ ساتھ دوسرے بھی چونک اٹھے۔ پروفیسر ابدال کے ہونٹوں پر وہی پراسراری مسکان کھیل رہی تھی۔

”میں سمجھا نہیں سر۔“ روحان کے ہونٹ ہلے۔

”اگر تم ملنے کے خواہش مند ہو تو میں ملوا سکتا ہوں۔“

اتنا سننا تھا کہ سب چونک اٹھے لیکن روحان کے چہرے پر نہ یقین کرنے والی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

”مگر تو اس مخلوق سے مل چکی ہوں سر۔“ کونے سے ایک آواز آئی۔ سب ہی کی توجہ اس کی طرف مبذول ہو گئی۔۔ مزمل بھی اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”اوہ۔۔ بیٹا ہم سب سننا چاہتے ہیں۔۔“

ہانیہ نے ادھر ادھر دیکھا اور ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولی۔

”میں جانتی ہوں میری بات پر کسی کو یقین نہیں آئے گا مگر یہ سچ ہے کہ وہ بارشوں میں مجھے دکھائی دیتا تھا۔وہ سیاہ پوش تھا مجھے اس سے بہت ڈر لگتا تھا۔“

”اوہ۔۔“سب کے منہ سے ایک ساتھ ہی آواز نکلی تھی۔سب ہی حیرت زدہ تھے۔ روحان کے لبوں پر وہی طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

”پھر کیا ہوا۔“پروفیسر نے بے ساختہ پوچھا۔

یہ سن کر اس نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری اور بولی۔

”وہ چھلاوا تھا۔وہ مجھے کسی صورت بھی انسان نہیں لگتا تھا۔پل میں حاضر پل میں غائب۔جب وہ جاتا تو گلاب کا ایک پھول اپنی نشانی کے طور پر چھوڑ جاتا۔۔اور اگر اس پھول کو کوئی دوسرا ہاتھ لگاتا تو وہ سلگ اٹھتا۔بالکل اسی طرح جیسے کوئلہ سلگ رہا ہو۔ پھر میں خوفزدہ رہنے لگی پھر والد کے ایک دوست نے اپنے علم سے میری جان چھڑائی۔“

ہانیہ کی کہانی ختم ہونے کے بعد بہت سے طالب علم بے یقینی سے اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔

”اسکا ثبوت ایک تعویذ ہے جو میرے بازو پر بندھا ہوا ہے۔“ہانیہ نے سنجیدگی سے کہا۔

”لو بھئی روحان۔۔ایک ثبوت تو تمہارے سامنے حاضر ہے۔“پروفیسر نے فاتحانہ انداز میں کہا۔

یہ سن کر روحان نے اسی طنزیہ مسکراہٹ سے کہا۔

”میں نہیں مانتا سر۔جب تک خود نہ دیکھ لوں۔۔ویسے بھی کوئی جن بھوت میرے سامنے ٹک نہیں سکتا۔“روحان نے عجیب سے لہجے میں کہا۔یہ سن کر پوری کلاس قہقہوں سے گونج اٹھی۔

”بیٹا، اگر جن سامنے آگیا ناں تو پتلون گیلی ہو جائے گی۔“کسی کونے سے آواز آئی۔یہ

سن کر پوری کلاس قہقہوں سے دوبارا گونج اٹھی۔قہقہے سن کر روحان نے زہر خند نگاہوں سے پوری کی کلاس کی طرف نگاہ دوڑائی تھی۔

"سب خاموش ہو جاؤ۔روحان میاں، میں تم کو ثبوت دوں گا۔" پروفیسر نے مسکرا کر کہا۔

☆......☆......☆

ناز اور ہانیہ اپنی دوسہیلیوں کے ساتھ محو گفتگو تھیں۔گفتگو کیفے ٹیریا میں ہو رہی تھی۔سب ہی کلاس میں ہونے والی گفتگو کو محو بحث بنائے ہوئے تھیں۔

"آج تو دعوت ہانیہ کی طرف سے ہے۔" فرح نے مسکرا کر کہا۔

"کس بات کی دعوت۔" ہانیہ کے بجائے ناز نے کہا۔

"ارے بھئی محترمہ جن بھوتوں سے ملاقات کا شرف حاصل کر چکی ہیں۔"

ہانیہ کا منہ بن گیا۔

"ارے یہ سچ ہے۔میں نے ایک بار اس سیاہ پوش کو دیکھا تھا۔بارش کا دن تھا۔اس کے بعد کے واقعات آج سن رہی ہوں اس نے مجھے بھی نہیں بتایا۔" ناز نے کہا۔

"میں اسی وجہ سے نہیں بتا رہی تھی کہ کوئی یقین نہیں کرے گا۔بس آج نہ جانے کیوں میرے منہ سے نکل گیا۔"

"ارے سوری یار۔میں نے مذاق کیا تھا۔" فرح نے کہا لیکن ہانیہ کا منہ بنا ہی رہا تھا۔

"ارے تم دل مت خراب کرو۔ٹریٹ میری طرف سے۔" صندل نے مسکرا کر کہا۔

"دل خراب ہوگا تو دوسموسے اور کھا لونگی۔" ہانیہ نے مسکرا کر کہا۔

"مگر چھوڑوگی نہیں۔" فرح نے ہنس کر کہا۔

"مفتا کوئی چھوڑتا ہے کیا۔" ناز نے بھی ہنس کر کہا۔

”کیا یہ واقعات بالکل سچ ہیں۔“ صندل نے پوچھا۔

”ہاں یہ سچ ہیں۔ یہ تو نہیں پتا وہ جن تھا یہ یا چھلاوہ مگر تھا بہت خطرناک۔ مجھے خواب میں بھی دکھائی دیا تھا اس تیز بارش میں اس نے میرے بالوں پر پھول بھی لگایا تھا۔“

”اف خدایا۔“ صندل نے آنکھیں پھاڑیں۔

”بس شکر ہے اللہ کا جس کے کرم سے میری جان چھوٹ گئی۔“ ہانیہ نے طویل سانس لے کر کہا۔

”اچھا۔ چھوڑو ان باتوں کو، یہ مزمل صاحب کا کیا چکر ہے۔“ ناز نے شرارت بھرے لہجے میں کہا۔

”کیا مطلب۔“

”وہی جو سمجھ رہی ہو کہ میں کیا کہنا چاہتی ہوں۔“ ناز نے مسکرا کر کہا۔

”ہائے میری نادان دوست۔ اسی موقع پر کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔“ فرح سینے پر ہاتھ مارتے شعر پڑھا۔

چھپتی ہے چھپانے سے کہیں پیار کی خوشبو

اب تو سانسوں سے بھی آنے لگی ہے یار کی خوشبو

شعر سن کر سب ہی ہنس پڑے تھے اور ہانیہ بری جھینپ گئی تھی۔

”وہ تو میں چھتری واپس کر رہی تھی۔“ ہانیہ نے وضاحت دی۔

”کار میں بیٹھ کر۔“ ناز نے ہنس کر کہا۔ یہ سنتے ہی ہانیہ کا چہرا سفید پڑ گیا۔

”اگر کوئی بات ہے تو ہم سے مت چھپاؤ۔ ہم تمہارے دوست ہیں تمہاری مدد کریں گے۔“ صندل نے کہا۔ اس کی بات سن کر ہانیہ سوچ میں پڑ گئی۔

”ناز، کیا کار میں جاتے ہوئے صرف تم ہی لوگوں نے دیکھا تھا۔“

”نہیں۔ یوٹیوب پر ٹیلی کاسٹ ہو رہا تھا گوگل میپ سے لوکیشن پوری دنیا سرچ کر رہی تھی۔“ ناز نے منہ بنا کر کہا۔ اس کی بات سن کر دوسری لڑکیاں ہنس پڑیں۔

”ارے جب تم میرے لاکھ اصرار کرنے کے بعد بھی کلاس سے نہ اٹھیں تو میں سمجھ گئی کہ دال کالی ہے چنانچہ ہم لوگ پیڑ کے پیچھے چھپ گئی تھیں۔ جب تم باہر نکلی تو اس کار میں بیٹھ کر چل دی بس اتنی سی بات ہے۔“ ناز مسکرائی۔

”اف۔۔ اب کیا ہوگا۔“ ہانیہ نے سر تھام لیا۔

”کچھ نہیں بینڈ بجے گا۔ باجا بجے گا۔“ ناز نے ہاتھ سے باجا بجاتے ہوئے کہا۔ اس کی بات سن کر ہانیہ کا شرم سے سرخ ہو گیا۔

”اگر تو اس کو ہمارا جیجا نہیں بناتی۔ تو اپنا جیجا بنا لے سچ قسم سے ایسا لڑکا مجھے کہیں نہیں ملے گا۔“ صندل نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔ اس کی بات پر ساری لڑکیاں ہنس پڑیں۔

”بڑی بے شرم اور بے حیا ہو۔“ ہانیہ نے مصنوعی غصہ کیا۔

”جیون ساتھی کا انتخاب کوئی بری بات نہیں۔ وہ لڑکا بہت اچھا ہے سلجھا ہوا اور تمیز دار۔“ فرح نے سنجیدگی سے کہا۔

”اس نے مجھ سے اظہار محبت کیا ہے۔“ وہ سر جھکا کر بولی۔

”اور تم نے کیا جواب دیا۔“ فرح نے پوچھا۔

”ابھی تک جواب ہی نہیں دیا۔“

”تجھ کو وہ پسند ہے یا نہیں۔“ ناز نے پوچھا۔

چند لمحے تک وہ خاموش رہی اور پھر سر جھکا کر بولی۔

”اقرار کرنے کی مجھ میں ہمت نہیں۔“

”ہرا۔۔یہ تم ہم پر چھوڑ دو۔اور ہاں چائے سموسے کا بل میں دوں گی۔“ ناز نے ہنس کر کہا۔

☆......☆......☆

روحان اپنی شوخ نیچر کی وجہ سے بہت ہی جلد لڑکوں میں مقبول ہو گیا تھا۔خود بھی مذاق کا نشانہ بنتا اور دوسروں کو بھی مذاق کا نشانہ بناتا۔سب ہی گروپ کی صورت میں اس سے چھیڑ خانی کرتے۔وہ خود بھی ان سے لطف اندوز ہوتا۔ان سب میں عادل نام کا ایک لڑکا تھا جو کہ روحان کے بہت قریب ہو گیا تھا حالانکہ وہ خود بہت لیے دیے ہی رکھتا تھا۔پھر اس نے روحان سے گھلنا ملنا شروع کر دیا تھا۔بہت ہی جلد دونوں میں دوستانہ فضا قائم ہو گئی۔

اب وہ اکثر ساتھ ہی گھومتے پھرتے دکھائی دیتے تھے۔اس دن روحان نے اسٹاف روم میں پروفیسر ابدال کو پکڑ لیا۔عادل اس کے ساتھ تھا۔

”سر،میں اس پراسرار مخلوق سے ملنے کے لئے بے چین ہوں۔“

”ہاں مجھے یاد ہے۔“ پروفیسر نے خوش دلی سے مسکرا کر کہا۔

”میں ضرور تم کو اس سے ملواؤں گا۔بس چاند کی تیرہ تاریخ کا انتظار کرو۔“

”ہاں چاند کی تیرہ تاریخ۔“ پروفیسر کے لہجے میں پراسراریت عود کر آئی۔

”مگر چاند کی ہی تیرہ تاریخ کیوں سر۔۔“ روحان مسکرایا۔

”تم نہیں سمجھو گے۔تیرہ تاریخ کو ہی وہ پراسرار واقعہ ظہور پذیر ہوتا ہے۔“ پروفیسر ڈرامائی لہجے میں بولا۔

”کونسا واقعہ۔“ عادل کے منہ سے از خود نکلا۔

”ہاں۔۔اس علاقے میں ایک قدیم عمارت ہے اسی سے وہ کہانی منسوب ہے۔۔جس

کی وجہ سے کوئی اس عمارت کو آباد نہیں کرتا لوگ ڈرتے ہیں۔"

"کیسا واقعہ سر۔" روحان نے مسکرا کر پوچھا۔وہ کسی بھی طرح سے خائف معلوم نہیں ہوتا تھا مگر عادل کے چہرے سے خوف نظر آنے لگا تھا۔

"ہر ماہ چاند کی تیرہ تاریخ کو کچھ پراسرار سائے رقص کرتے دکھائی دیتے ہیں۔" پروفیسر نے پراسرار سے لہجے میں کہا۔

"تو آپ نے یہ کہانی سنی ہے۔" روحان کچھ سوچ کر بولا۔

"سنی ہی نہیں اپنی آنکھوں سے دیکھا بھی ہے۔اگلے ہفتے وہی دن ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم وہ سب دیکھ لو۔"

"ٹھیک ہے سر ضرور میں آؤں گا۔"

"ڈرو گے تو نہیں۔"

"ڈرنا کیسا۔۔"

"وہاں جن ہیں۔۔" پروفیسر عجیب سے لہجے میں بولا۔اسی لمحے عادل کو پروفیسر ابدال خود ایک جن لگا تھا۔نہ جانے کیوں اس کو ایسا محسوس ہونے لگا تھا پروفیسر جو دکھائی دیتا ہے وہ ہے نہیں پھر تینوں ہی اسٹاف روم سے باہر نکل آئے۔جیسے ہی تینوں باہر نکلے ان کی ملاقات پروفیسر عطا سے ہوگئی۔

پروفیسر عطا پورے ڈیپارٹمنٹ کے سب سے سینئر ترین پروفیسرز میں ایک تھے۔اپنی جوانی سے ہی انہوں نے یونیورسٹی میں پڑھانا شروع کر دیا تھا اب بڑھاپا آتے آتے کافی حد تک سنکی بھی ہو گئے تھے۔

"کیوں پروفیسر، تم نے پھر ان بچوں کو جن بھوتوں کا راگ دینا شروع کر دیا۔"

پروفیسر کے جملے سے ایسا لگتا تھا کہ جیسے کہ ان درمیان اکثر و بیشتر اس موضوع پر بات ہوتی رہتی ہے۔

”ارے پروفیسر اتنی عمر ہو گئی تمہاری اب تو مان لو ان باتوں کو۔“ پروفیسر ابدال نے مسکرا کر کہا۔

”کیوں مانوں پروفیسر ابدال جب دنیا نے اتنی ترقی کر لی کہ مصنوعی سردی گرمی بارش برسائی جا رہی ہے پھر میں ان دقیانوسی باتوں کو تسلیم کر لوں۔“

”ارے یار، تمہارے آگے بولنا بھینس کے آگے بین کے برابر ہے۔“ پروفیسر ابدال ہنس کر بولے۔ ”اچھا اگر میں پروف دے دوں پھر مانو گے۔“

”تب بھی نہیں مانوں گا۔ ارے اگر کوئی جن میرے سامنے آ گیا تو اس کو کان سے پکڑ کر مرغی کی بولی بولنے پر مجبور کر دوں گا۔“

اسکی بات سن کر روحان اور عادل نے ان کو چونک کر دیکھا دوسرے ہی پل پروفیسر نے مسکرا کر کہا۔

”ایسا مت کہو مسٹر عطا۔ اگر کسی جن سے سن لیا ناں غضب ہو جائے گا۔“

”میں نہیں ڈرتا کسی جن ون سے۔ آ نے دو جنوں کو۔“ پروفیسر عطا بڑبڑاتے ہوئے دوسری طرف نکل گئے تھے۔ ان کی بات پر وہ دونوں ہی ہنس پڑے تھے جبکہ پروفیسر ابدال کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری ہو گئی۔ اچانک ان کے ہونٹوں پر پراسراری مسکراہٹ عود کر آئی دوسرے ہی لمحے وہ زیر لب بڑبڑائے۔

”پروفیسر عطا، یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ کون کس کو مرغی کی بولی بولنے پر مجبور کرتا ہے۔“

روحان نے ان کی بات نہیں سنی تھی۔ اس کا دھیان دوسری طرف تھا مگر عادل چونک کر ان

کی طرف دیکھنے لگا۔نہ جانے کیوں عادل کو ایک بار پھر ایسا لگا کہ پروفیسر کا باطنی روپ کچھ اور ہے۔

☆......☆......☆

مزمل اپنے گھر میں موجود تھا۔شام کے چار بج چکے تھے بس وہ اپنی ٹیوشنز کے لئے نکل رہا تھا۔اس نے اپنی نوٹ بک اٹھائی اس میں سے اس سفید رنگ کا پیپر نکل کر فرش پر گر پڑا۔ اس نے جھک کر وہ کاغذ اٹھایا اور اس کی تہہ کھول دی اس خط میں کچھ لکھا تھا۔

''میں آپ کو اپنا نام نہیں بتاؤں گی آپ مجھے اپنی بہن سمجھ سکتے ہیں۔میں یونیورسٹی میں آپ کی کلاس فیلو ہوں اور میں ہانیہ کی فرینڈ بھی ہوں۔ہانیہ جو آپ کو اب تک نہیں دے سکی۔وہ میں آپ سے کہہ دیتی ہوں محبت وہ بھی آپ سے کرتی ہے اور شادی کے لئے رضامند ہے بس حجاب آڑے ہے۔''

فقط ہانیہ کی دوست

خط پڑھ کر اس کے چہرے پر سوچ کے آثار پیدا ہو گئے اور پھر دوسرے ہی پل اس کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''محبت کا اظہار تو میں اسی کے منہ سے سنوں گا۔'' وہ زیر لب بڑبڑایا۔عین اسی وقت اس کی امی کی آواز نے اسکو چونکا دیا۔

''بیٹا گئے نہیں۔''

''جا رہا ہوں امی۔''

''وہ بل بھرتے آنا بجلی کا اس دفعہ بہت زیادہ آ گیا ہے۔غضب خدا کا اتنی مہنگائی بندہ کھائے یا بل بھرے۔''

یہ سنتے ہی اس کے چہرے پر خوف کے آثار نمودار ہوئے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی امی پھر اس کو مہنگائی پر بور کرنا شروع کر دے پھر ختم ہوتے ہوتے اس کی جاب پر جا رکے۔ والد کی موت کے بعد گھر ان کی پنشن اور مزمل کی شام کی ٹیوشن پر ہی چلتا تھا۔

''ہاں امی بھر دوں گا۔'' اتنا کہہ کر وہ تیز تیز قدموں سے گھر سے باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

دو پہر کا وقت تھا۔ موسم ابر آلود تھا مگر بارش کے آثار نہیں تھے۔ آرزو بیگم کچن میں تھیں۔ ان کے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔ موبائل چونکہ پاس میں ہی تھا اس لئے انہوں نے فوراً ہی کال ریسیو کی تھی۔

دوسری طرف فہد صاحب تھے۔

''ہاں بیگم کیا ہو رہا ہے۔''

''کچھ نہیں وہی جو روزانہ ہوتا ہے۔''

''مطلب۔۔''

''ارے حضور، لنچ کی تیاری اور کیا۔''

''شاید نہاری۔''

''نہیں بھئی، شاید نہاری کل کھائی تھی۔۔ اتنا بڑا ہوٹل ہے نہاری بھی اچھی نہیں ہوتی۔'' فہد صاحب بڑبڑائے۔

''اف۔ آپ تو سمجھتے ہی نہیں۔۔ میں نے ہو سکتا ہے والی بات کہی تھی۔۔ یا نہاری بناؤں گی یا پھر کوفتے۔''

''ہاں کوفتے ہی ٹھیک ہیں۔ دل بھی کر رہا ہے۔''

''اوکے۔۔مگر اس وقت آپ نے کیسے یاد کیا؟''

''بات یہ ہے آج رات میں نے کچھ لوگوں کو رات کے کھانے پر مدعو کیا ہے۔دراصل وہ اپنی ہانیہ کو دیکھنا چاہتے ہیں اپنے آفس میں بابر صاحب ہیں ان کا لڑکا۔''

''ارے آپ نے اتنی جلدی بات بھی چلادی۔''

''وہ انہوں نے تذکرہ چھیڑ دیا کہ بیٹے کے لئے کوئی اچھی لڑکی ڈھونڈ رہے ہیں میں نے موقع جان کر اپنی ہانیہ کا ذکر چھیڑ دیا اور موبائل میں تصویر بھی دکھادی ہے ان کو پسند آئی ہے۔''

''اور لڑکا کیسا ہے۔''

''میں نے اس کی تصویر تم کو واٹس اپ کی ہے۔''

''اوہ۔۔اچھا۔''

چند لمحے تک سوچنے کے بعد وہ بولیں۔

''ان کو آج مت بولیں آنے کو جب ہانیہ راضی ہو جائے تو پھر بلالیں۔''

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔۔''

''جی بہتر۔۔''آرزو بیگم نے مسکراتے ہوئے لائن کاٹ دی۔جو تصویر واٹس اپ پر بھیجی گئی تھی وہ بہت ہی اچھی تھی ان کو لڑکا بہت پسند آیا تھا۔

ہانیہ گھر میں داخل ہوئی تو اس کو یوں لگا کہ جیسے کہ امی اس سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔

''کیا ہوا امی جان کوئی بات ہے۔''

''ایک تصویر دکھانی ہے۔''

''تصویر۔میں سمجھی نہیں۔''وہ حیرت سے بولی۔

''تمہارے ابو نے ایک جگہ رشتے کی بات چلائی ہے اس کی تصویر بھی بھیجی ہے اور ہم

چاہتے ہیں کہ تم اس کو دیکھ لو۔"

یہ سن کر وہ دھک سے رہ گئی۔اس نے خاموشی سے کھانا کھایا تھا پھر اپنے کمرے کا رخ کیا تھا۔اس کی طبیعت عجیب سی ہو رہی تھی۔اس کی امی نے جو اس کو خبر سنائی تھی وہ ایک جھٹکا سا ثابت ہوئی تھی جس نے اس کے دل دماغ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

یہ حقیقت تھی کہ وہ مزمل کو دل میں بسا چکی تھی۔پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ اس کو احساس ہو رہا تھا کہ پیار کیا ہوتا ہے۔ابھی تو اس کے محبت کا تاج محل ٹھیک طرح کھڑا ابھی نہیں ہوا تھا کہ اس کی والدہ اس کو چلتا چور کر دینے کی تیاری میں لگ گئی تھیں۔اس کا دل طرح طرح کے وسوسات کا شکار ہو چکا تھا۔اگر لڑکے نے مجھے پسند کر لیا، اگر والدین نے اس رشتے کو منظور کر لیا تو کیا وہ کہہ سکے گی کہ نہیں۔۔مجھے مزمل سے شادی کرنی ہے میں اس سے محبت ہو گئی ہے۔کیا اسکے والد اس کی خواہش کا احترام کریں گے۔۔دفعتاً اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے تھے۔اسی وقت دروازہ کھلا۔اس نے فوراً کمال پھرتی اپنے آنسو پونچھے۔آنے والی اس کی والدہ تھیں۔ان کے ہونٹوں پر نہایت ہی معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

"بھئی تمہارے ابو آ گئے شام کی چائے ساتھ ہی پیتے ہیں۔بلا رہے ہیں تم کو۔"

وہ بڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆......☆......☆

شام کے پانچ بج چکے تھے۔موسم خوشگوار تھا۔عادل کا دل نہ جانے کیوں چاہا کہ وہ روحان سے ملاقات کرے چنانچہ اپنے اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اس نے اپنی موٹر سائیکل نکالی اور روانہ ہو گیا۔روحان نے اس کو اپنا گھر بتایا ہوا تھا چنانچہ وہ اس علاقے میں پہنچ گیا۔یہ ایک درمیانے درجے کا علاقہ تھا۔زیادہ تر غریب اور متوسط طبقے کے لوگ ہی

یہاں رہائش پذیر تھے۔ بہت ہی کم گھر ایسے تھے کہ جو کہ بڑے ہی کشادہ تھے۔ ورنہ زیادہ تر آبادی چھوٹے چھوٹے گھروں مشتمل تھی۔ روحان کی بتائی گلی میں داخل ہونے سے پہلے اس کو ایسے گراؤنڈ گزرنا پڑا جو کہ بے حد خستہ حال تھا۔ وہ گراؤنڈ گندگی اور کچرے کے ڈھیر سے اٹا پڑا تھا جس سے بڑی ہی ناگوار بو اٹھ رہی تھی۔ صاف حصے پر بچے کرکٹ وغیرہ کھیلنے میں مصروف تھے۔ گراؤنڈ کے بالکل سامنے ہی وہ گلی تھی جس میں روحان کا مکان تھا۔ گلی کے کونے پر ایک پان والے کا کھوکھا تھا۔ کچھ سوچ کر عادل نے اس سے سلام دعا کی۔

"چاچا! میں اپنے ایک دوست سے ملنے آیا ہوں اس نے اسی گلی کا بتایا تھا۔"

پان والے نے اس کو بغور دیکھا اور پھر بولا۔ "پتہ وتا دیا تھا تمہارے دوست نے۔"

اس کی آواز سن کر عادل چونک گیا۔ اتنے لحیم شحیم وجود ایسی باریک آواز سننے کو ملے تو چونکنا لازمی تھا۔

"دباری ولا نمبر 106۔"

یہ سن کر پان والا اچھلا۔ اتنے موٹے کا اچھل پڑنا اچھا خاصا حادثہ ہی تھا۔

"کیا دباری ولا۔"

"کیوں کیا ہوا۔"

"ارے بھئی تم ٹھیک پتہ بتاؤ۔" موٹا برا سا منہ بنا کر بولا۔

"چاچا! میں آپ سے جھوٹ کیوں بولوں گا۔"

اسکی بات سن کر موٹے بھرپور انداز سے آنکھیں پھاڑیں۔ ان میں خوف بھی جھلک رہا تھا۔ پان والے کے خوف کی وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ وہ اتنا خوفزدہ کیوں ہے۔

"کیا بات ہے چاچا۔۔ کچھ تو بتاؤ۔"

"تمہارے دوست نے تم کو بے وقوف بنایا ہے۔" پان والا بولا۔

"دباری ولا۔۔یہاں نہیں ہے۔"

"ہے بالکل۔۔"

"پھر کیا۔۔آپ پہیلیاں کیوں بجھوا رہے ہیں۔" عادل زچ ہو کر بولا۔

پان والے ایک ایسا انکشاف کیا جس کو سن کر عادل حیرت زدہ رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

ہانیہ کا دل نہ جانے کیوں دھک دھک کر رہا تھا کہ اس کے ابو نے اس کو بلایا ہے وہ چائے بنانے کے لئے کچن میں آ گئی تھی۔

"اب کیا ہوگا۔ابو لازمی طور پر اس سے یہی بات کریں گے۔" وہ زیر لب بڑبڑائی۔

اس کو حالات کا سامنا تو کرنا ہی تھا چنانچہ وہ چائے اور ناشتہ کے سامان کے ساتھ ڈرائنگ روم میں پہنچ گئی۔اس نے چائے دونوں کے کپوں میں سرو کی اور اپنا کپ لے کر صوفے پر بیٹھ گئی۔چائے کے دوران خاموشی ہی رہی تھی۔اس نے دیکھا کہ اس والدین ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔

"بیٹا۔" اس کے ابو اس سے مخاطب ہوئے۔

"جی ابو۔" وہ ہمہ تن گوش ہو گئی۔

"ہم نے سوچا ہے کہ اب ہم جلد از جلد اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائیں۔"

"میں سمجھی نہیں ابو۔" حالانکہ وہ اپنے باپ کا مطلب سمجھ چکی تھی۔

"بیٹی کی محبت میں یہ بھول گئے تھے کہ بیٹی پرایا دھن ہوتی ہے۔بیٹیاں تو سانجھی ہوتی ہیں۔"

"میں جانتی ہوں ابو" اس نے سر جھکا کر جواب دیا۔

"ہم نے تمہارا ایک جگہ رشتہ دیکھا ہے مجھے اور آرزو کو رشتہ پسند ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ تم اس تصویر کو دیکھ لو اور پسند کر لو" اتنا کہہ کر اس کے ابو نے جیب سے ایک لفافہ نکالا اور اس کی امی کی جانب بڑھا دیا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"آپ کہاں جا رہے ہیں۔" آرزو بیگم نے ان سے پوچھا۔

"ارے بھئی میں ذرا کفالت مرزا کے یہاں جا رہا ہوں بہت دن ہو گئے اس سے ملے ہوئے۔"

"ملے ہوئے یا اڑے ہوئے۔" آرزو بیگم جھٹ سے بولیں۔

"کیا مطلب۔" وہ مسکرائے۔

"ارے وہ کبوتر باز مجھے سخت ناپسند ہے۔ جب دیکھو چھت پر چڑھا ہوا کبوتر اڑاتا رہے گا۔" وہ منہ بنا کر بولیں۔

"ارے ایک ہی تو دوست ہے میرا۔ اگر بیچارے کو کبوتروں کا شوق ہے تو اس میں میرا کیا قصور۔اب سرکاری ملازمت تو ساری زندگی تو چلتی ہے نہیں، ریٹائر آدمی کی زندگی ایسی ہی ہوتی ہے۔" وہ مسکرا کر بولے۔اس کی بات سن کر آرزو بیگم کے چہرے پر دھیمی مسکراہٹ آ گئی۔

"جائیں مگر رات زیادہ دیر تک نہ بیٹھیے گا اس کبوتر باز کے ساتھ۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے نکل گئے۔

ان کے جانے کے بعد آرزو بیگم نے جھٹ سے لفافہ ہانیہ کے آگے رکھ دی اور مسکرا کر بولیں۔

”تمہارے ابو نے تصویر واٹس اپ تو کی تھی لیکن میں نے ہارڈ میں منگوالی ہے تم دیکھ لو۔“
ہانیہ نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ لفافے کی جانب ہاتھ بڑھایا تھا۔اس نے محسوس کیا کہ لفافہ لیتے وقت اس کے ہاتھ کانپ رہے ہیں۔تصویر میں موجود نوجوان واقعی بہت خوبصورت اور اسمارٹ تھا۔اگر مزمل اس کی زندگی میں نہ آتا ہانیہ اسکو لازمی پسند کرلیتی۔وہ یک ٹک اس نوجوان کی جانب دیکھ رہی تھی جو کہ تصویر میں موجود تھا۔آرزو بیگم بغور اس کی جانب دیکھ رہی تھیں۔

”دیکھ لو لڑکا بہت اچھا ہے، مجھے تو بہت پسند ہے۔“

یہ سن کر ہانیہ نے چونک کر اپنی ماں کی جانب دیکھا۔اچانک اس کو ایسا لگا جیسے مزمل اس کے سامنے آکھڑا ہوا ہے اور اس کی جانب مسکراتی ہوئی نگاہوں سے دیکھ رہا ہے۔اس نے نگاہ اٹھا کر اس کی جانب دیکھا تو وہ مسکرا کر بولا۔

”جب دل اور دماغ میں جنگ جاری ہو تو فیصلہ ہمیشہ دل کے مشورے پر کرنا چاہیے۔“

”بولو۔ہانیہ لڑکا کیسا ہے۔“

”جی۔“اس کو یوں لگ رہا تھا کہ جیسے کہ اس نے امی کی آواز ہی نہ سنی ہو۔

”اچھا ہے۔“اس کے منہ سے از خود نکلا۔پھر وہ جھٹ سے اٹھی اور تیز تیز قدموں سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆......☆......☆

پان والے کا انکشاف عادل کے لیے کافی حیران کن تھا۔جس کو سن کر عادل کو ڈر سا لگنے لگا تھا۔

”ارے میاں وہ عمارت آسیب زدہ ہے۔اور کافی عرصے سے خالی پڑی ہے۔“موٹے

پان والے نے اس کو ٹٹولنے والی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اوہ۔۔مگر اس نے تو مجھے اسی جگہ کا پتہ دیا تھا۔''

''پھر تو اس نے دھوکا دیا ہے یا پھر مذاق کیا ہے۔''

''میں خود جا کر جائزہ لینا چاہتا ہوں۔''

''ضرور۔لیکن دور دور سے میاں لیکن دور سے اگر کوئی بھوت چمٹ گیا تو جان نہیں چھوڑے گا۔'' پان والا خوفزدہ کرتا ہوا بولا۔

''اوہ۔تو ایسا ہے۔''

''ہاں بھائی کئی لوگوں نے کرائے پر رہنے کی کوشش کی لیکن پھر دوسرے ہی دن سر پر پاؤں رکھ کر ایسے بھاگے کہ دوبارا نظر نہیں آئے۔ہم نے اپنی آنکھوں سے بھاگتے ہوئے دیکھا ہے ان کو۔''

عادل نے کوئی جواب نہ دیا۔موٹر سائیکل پان والے کی دکان کے سامنے ہی کھڑی کی اور پیدل ہی گلی میں داخل ہو گیا۔گلی میں سناٹا تھا بس اکا دکا لوگ ہی تھے جو آتے جاتے دکھائی دیے جلد ہی وہ مطلوبہ عمارت کے سامنے موجود تھا۔

عمارت کی جیسی شہرت تھی ویسا ہی اس کا ظاہری روپ تھا۔کافی سالخوردہ اور ویران دکھائی دے رہی تھی۔اس کو دیکھ کر عادل کو واقعی خوف محسوس ہو رہا تھا۔اسکی کھڑکیوں اور دروازوں پر مٹی کی تہیں جمی ہوئی تھیں۔ایک طرف گھنے درختوں کی شاخیں جھول کر دیواروں سے جھانکتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں۔بہر حال عادل کو یقین آچکا تھا کہ یہ جگہ ضرور آسیب زدہ ہو گی۔ اسکو روحان کی غلط بیانی پر کافی الجھن اور غصہ محسوس ہو رہا تھا۔اگر اس کو نہیں بتانا تھا تو صاف ہی منع کر دیتا۔پھر وہ ایک طویل سانس لے کر مڑا تھا کہ یکا یک ایک سرگوشی اس کے کانوں

سے ٹکرائی۔

”شش۔۔۔شش۔“

عادل چونک کر مڑا ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ مگر اس کو کوئی نہ دکھائی دیا۔

”شش۔۔۔عادل۔ادھر۔“ پھر کسی نے آواز لگائی دی۔

آواز جانی پہچانی تھی پھر اس نے اس عمارت کی کھڑکی پر نظر ڈالی۔ یہ دیکھ کر چونک گیا۔ کھڑکی پر روحان کھڑا ہاتھ ہلا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر عادل حیران رہ گیا۔

”خاموشی سے اندر آجاؤ دروازہ کھلا ہے۔“

عادل حیرت اور الجھن میں تھا۔ اس کے دماغ میں پان والے کی باتیں گونج رہی تھیں تو کیا پان والے نے اس کو بے وقوف بنایا تھا کہ عمارت آسیب زدہ ہے؟ اگر یہ عمارت آسیب زدہ ہے تو طراش یہاں کیا کر رہا تھا؟ یہ سوالات اس کے دماغ پر دستک دینے لگے تھے۔

عادل کو شش و پنج کی حالت میں کھڑا دیکھ کر روحان بولا۔

”ابے۔۔۔یار جلدی اندر آجاؤ۔ کوئی دیکھ لے گا۔“

عادل کے اندر آتے ہی اس نے دروازہ بند کر دیا۔

”آؤ۔۔۔اندر چل کر بات کریں گے۔“ روحان نے سرگوشی کی۔

پھر وہ عادل کو لے کر ایک صاف ستھرے کمرے میں آیا۔ کمرے کی صفائی دیکھ کر عادل حیران تھا۔ عمارت تو باہر سے سالخوردہ دکھائی دے رہی تھی لیکن کمرا اندر سے بہت ہی صاف اور جدید دکھائی دے رہا تھا۔ یہاں بستر اور چند آرام کرسیاں بھی موجود تھیں۔

”اب یہاں آرام سے بیٹھو۔“

پھر وہ خود بھی ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور مسکراتے ہوئے عادل کی شکل دیکھ رہا تھا۔ گویا وہ

عادل کی حالت سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔

"اس طرح احمقوں کی طرح کیوں گھور رہے ہو مجھے۔" روحان نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے کہا۔

"یہ کیا چکر ہے۔"

"یار سیدھی سی بات ہے، بھوت پریت کچھ نہیں ہوتے۔ بس میں اپنا کرایہ بچانے کے لئے محلے والوں کی نظروں سے چھپ کر یہاں رہ رہا ہوں۔"

"تو کیا یہ جگہ آسیب زدہ نہیں ہے۔"

"پتہ نہیں۔ وہ شانے اچکا کر بولا۔ "مجھے اتنا پتہ ہے مفتے میں یہ جگہ بہترین ہے۔"

"اوہ۔"

"یہاں یار۔ لوگوں کے ڈر وخوف کی وجہ سے میں دو ماہ سے یہاں بغیر کرائے کرایہ کے مکان میں رہ رہا ہوں۔"

"تم کو ڈر نہیں لگتا۔"

"ڈر کس چڑیا کا نام ہے اپنے کو نہیں پتہ۔ کہتے ہیں ناں جو ڈر گیا وہ مر گیا۔ اسی بات پر میں پروفیسر سے الجھ گیا تھا۔ اس لئے میں ان چیزوں کو نہیں مانتا۔"

"بیٹا ڈر کی عزت کر کبھی وہ تجھ کو اپنے حصار میں لے سکتا ہے۔"

اس کی بات پر روحان زور سے ہنسا اور پھر بولا۔

"ڈر روحان کی موت ہے جس دن اس دل میں ڈر پیدا ہو گیا ناں وہ دن روحان کا آخری دن ہوگا۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔

"لیکن تم اس طرح کیوں رہ رہے ہو کیا تمہارے گھر والے نہیں ہیں۔"

اتناسن کراس نے ٹھنڈی سانس لی اور پھر بولا۔

”سب کچھ ہے۔۔مگر یہ ایک لمبی داستان ہے۔پھر کسی وقت فرصت میں۔“

”نہیں ابھی۔“

”اچھا۔“ روحان سوچ میں پڑ گیا۔پھر بولا۔”چل کسی ہوٹل میں چل کر کھانا کھاتے ہیں پھر میں تم کو اپنی داستان سناؤں گا۔دراصل یہاں سے مجھے موقع محل دیکھ کر نکلنا پڑتا ہے۔“

وہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔

☆......☆......☆

یہ ایک صاف ستھرا اور درمیانے درجے کا ہوٹل تھا۔اس ہوٹل میں ہر طبقے کے لوگ کھا پی سکتے تھے کیونکہ یہ ہوٹل نہ تو مہنگا تھا،نہ ہی سستا۔بس ہر چیز کے دام نہایت مناسب اور چیز کے حساب سے ہوتے تھے۔

روحان نے ایک کونے والی میز منتخب کی اور اس پر بیٹھ گیا۔

”یار ابھی تو شام کے سات ہی بجے ہیں اتنی جلدی کھانا۔“ عادل حیرت سے بولا۔

”مجھے بھوک ذرا جلدی لگتی ہے۔“

بیرے کے آجانے کے بعد گفتگو کا سلسلہ رک گیا تھا۔کھانے کا آرڈر کرنے کے بعد روحان بولا۔

”ہاں تم میرے گھر والوں کے بارے میں کچھ پوچھ رہے تھے۔“

”بالکل۔۔“

”اچھا سنو۔۔میں اس شہر کا نہیں ہوں میں دور دراز قبیلے کا باشندہ ہوں اور روحان میرا قبائلی نام ہے۔“

"ہاں دوست۔ میرا یہاں آنے کا ایک مقصد ہے جو کہ بہت خاص ہے۔"
اتنی دیر بیرا کھانا لے کر آ گیا تھا جو کہ بہت زیادہ تھا۔
"چار لوگوں کا کھانا کس نے لانے کو کہا تھا۔" عادل حیرت سے بولا۔
"اب لمڈھینگ (لمبی ٹانگوں والا بگلا، کنایاً لمبا آدمی مراد ہے) یہ سب میرے لئے ہے۔"
اس کی بات سن کر عادل چونک گیا۔ روحان کا حلیہ ایسا نہ تھا جس کو دیکھ کر اس کو خوش خوراک کہا جا سکے۔ اس کے چہرے پر ناچتی ہوئی حیرت دیکھ کر روحان زیر لب مسکرا اٹھا۔
"ارے میں قبائلی ہوں ناں اس لئے میری خوراک کچھ زیادہ ہے۔ چلو اب شروع ہو جاؤ۔"
کھانے کے دوران ہی روحان کا دعویٰ درست ثابت ہو گیا تھا۔ روحان کی خوراک دیکھ کر عادل کے ذہن میں مرحوم ابن صفی صاحب کا وہ کردار زندہ ہو گیا جو کہ بہت ہی زیادہ خوش خوراک تھا۔ کھانے کے دوران روحان تو کو دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے کہ وہ ہر چیز سے بے گانہ ہو گیا ہو۔
"نظر بد نہ لگے۔" عادل ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔
کھانے سے فارغ ہونے کے بعد روحان نے ویٹر کو چائے کا آرڈر دیا۔
"چائے کی جگہ باقی ہے۔" عادل نے حیرت سے پوچھا۔
"یار ابھی تو میں اور بھی کھا سکتا ہوں۔"
"کمال ہے۔" عادل نے شانے اچکائے۔
"مقصد کا ذکر کیا تھا تم نے۔" عادل نے کہا۔
"ہاں۔ دراصل مجھے اس شہر کی ایک لڑکی سے محبت ہو گئی ہے۔"

''اوہ۔۔لیکن تم اس کو کس طرح جانتے ہو؟'' عادل کے لہجے میں حیرت تھی۔

چند لمحات تک کی خاموشی کے بعد روحان مسکرا کر بولا۔

''بات یہ ہے کہ اس شہر میں آنا جانا رہتا ہی ہے۔تب ہی میری ملاقات اس سے ہوئی جب ہی میں اس پر اپنا دل ہار بیٹھا تھا۔''

''کون ہے وہ کیا وہ جانتی ہے کہ تم اس سے محبت کرتے ہو؟''

''نہیں۔۔وہ کچھ نہیں جانتی پر وہ کون ہے یہ ابھی نہیں بتا سکتا تم کو میں۔'' روحان عجیب سے انداز میں مسکرایا تھا۔

''کیوں نہیں بتا سکتے میں تمہارا دوست نہیں ہو۔''

''یہ بات نہیں مجبوری ہے دوست۔''

''کس طرح کی مجبوری۔''

''بات یہ ہے کہ میرے قبیلے کا دستور ہے کہ جب تم وہ لڑکی ہاں نہ کردے تب تک اسے منظر عام پر نہیں لاتے۔ہاں اتنا ضرور بتا سکتا ہوں کہ وہ اپنی یونیورسٹی کی ہے۔''

''اوہ۔تو اس کا مطلب اس یونیورسٹی میں تم نے اسی کی خاطر داخلہ لیا ہے۔'' عادل مسکرایا۔

''ہاں میرے دوست میں اس کے قریب رہنا چاہتا ہوں اس طرح کہ اس کو خبر نہ ہو۔''

''اگر تم اس کو نہیں بتاؤ گے تم وہ تمہاری طرف مائل کیسے ہوگی۔ایسا نہ ہو کہ کوئی اور لڑکا اس کو پسند کرتا ہو۔''

''ایسا نہیں ہوگا میری محبت کی خوشبو اس کی سانسوں میں ضرور اترے گی۔ہاں ایک دن ایسا ضرور ہوگا۔'' روحان نے عجیب انداز میں کہا۔

☆......☆......☆

دوسرا دن یونیورسٹی میں مزمل کا عجیب سا ہی گزرا تھا۔ کس پروفیسر نے کیا لیکچر دیا اس کو تو علم ہی نہیں تھا بس وہ ہانیہ کے خیالات میں گم تھا۔ ہانیہ تھی جو کہ یونیورسٹی سے غیر حاضر تھی۔ اسی وجہ سے اس کو اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں پوری کلاس میں اس لڑکی کو ڈھونڈ رہی تھیں جس نے نہ جانے کب رقعہ اس کی نوٹ بک میں چھپا دیا تھا۔

بہر حال جیسے تیسے وقت گزار کر وہ کلاس سے باہر نکل آیا۔ بقایا کلاسز لینے کا اس کا بالکل موڈ نہیں تھا۔ ایک ہانیہ کی غیر حاضری دوسرا جر خط لکھا تھا وہ بھی نہیں مل پا رہا تھا۔ چنانچہ وہ کسی تھکے ہوئے مسافر کی طرح ڈولتا ہوا اپنی کار تک پہنچا تھا۔ آسمان پر کالے بادل تھے۔ بارش کبھی بھی ہو سکتی تھی۔

قدموں کی ست رفتاری سے اس کو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے کہ وہ میلوں دور تک پیدل مارچ کرتا ہوا آیا ہو۔ موسم ابر آلود تھا۔ یوں لگتا تھا کہ کسی وقت بھی بارش ہو جائے گی۔ اس نے کار اسٹارٹ کرنے کے لیے چابی سنبھالی ہی تھی کہ ایک آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

''بھائی۔۔''

اس نے چونک کر سر اٹھایا اور پھر حیرت زدہ ہو گیا۔ اس کے سامنے چند جانے پہچانے چہرے دکھائی دے رہے تھے۔ ان میں سے ناز کو وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ ہانیہ کی خاص فرینڈ تھی۔ مزمل ہونقوں کی طرح سوالیہ انداز میں ان لوگوں کی طرف باری باری دیکھ رہا تھا۔

''بھائی آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔'' ناز نے مسکرا کر کہا۔

''مجھ سے۔''

اس کے ساتھ صندل اور فرح بھی تھیں جو کہ بے حد شوخ نگاہوں سے مزمل کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ناز دوبارا بولی۔

''کیا ہم کار میں بیٹھ جائیں۔'' ناز کے انداز میں شوخی تھی۔

''آں۔۔۔'' وہ بوکھلا سا گیا۔ ''بالکل۔۔۔بالکل۔''

پھر وہ جلدی سے تینوں کی تینوں کار میں ہی بیٹھ گئی تھیں۔

''کہاں چلوں۔'' اب مزمل خود پر قابو پا چکا تھا۔

''کسی بھی ریسٹورنٹ میں۔''

''ریسٹورنٹ بھی ایسا جس کی بریانی بہت اچھی ہو۔'' اب کی بار صندل نے جواب دیا۔

اس کی بات سن کر ناز نے اس کو گھورا۔

''بہت ہی بے حیا ہو تم۔۔۔''

''ارے کوئی بات نہیں ایک بہن نے اپنے بھائی سے فرمائش کی ہے۔اس میں برا ماننے والی کوئی بات نہیں۔''

''تو پھر کولڈ ڈرنک بھی پلانی پڑے گی۔'' فرح نے مسکرا کر جواب دیا۔

''جی ضرور۔۔۔''

مزمل سمجھ گیا تھا کہ یہ لڑکیاں ضرور اس سے ہانیہ کی بابت ہی بات کریں گی۔وہ یہ بھی سمجھ چکا تھا کہ خط انہی تینوں میں سے کسی نے لکھا تھا۔

مزمل نے کار اسٹارٹ کردی۔جلدی ہی وہ کیفے جمال کے سامنے موجود تھے۔کیفے جمال اپنی بریانی کی وجہ سے کافی مشہور تھا۔اس کے جیسی بریانی شاید پورے شہر میں کوئی ہوٹل یا ریسٹورنٹ والے بناتے ہوں اس لئے اس کے ریٹ بھی دوسروں کے مقابلے میں تھوڑے زیادہ تھے۔کچھ ہی لمحوں کے بعد وہ چاروں ایک فیملی روم میں موجود تھے۔چار بریانی اور کولڈ ڈرنک کا آرڈر دینے کے بعد مزمل ہمہ تن گوش ہو گیا اسکی نگاہیں ناز پر تھیں۔

”بھائی، بات یہ ہے کہ وہ تحریر ہم نے لکھی تھی اور اس بات کا ہانیہ کو علم نہیں ہے۔“

”اندازہ ہو گیا تھا مجھے۔“ مزمل مسکرایا۔

”اوہ۔۔تو کافی سمجھدار ہیں آپ۔“ فرح نے مسکرا کر جواب دیا۔

”بھائی کس کا ہوں۔“ مزمل نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

”بات یہ ہے کہ آپ ہم تینوں کو جیجا کے لئے بے حد موزوں لگے۔آپ ہماری ہانیہ سے محبت کرتے ہیں اور ہم اس رشتے کو منظور کرتے ہیں۔“ ناز نے دھیمی سی مسکراہٹ سے کہا۔

”کیا وہ مجھ سے محبت کرتی ہے؟“

اس کی بات سن کر ناز خاموش رہی اور لیکن جواب صندل نے دیا۔

”بھائی محبت تو وہ آپ سے کرتی ہے مگر اقرار کرنے کی ہمت نہیں رکھتی۔“

اس کی بات پر مزمل سوچ میں پڑ گیا۔چند لمحات کے بعد سر ہلا کر بولا۔

”ٹھیک ہے مگر وہ آج آئی کیوں نہیں۔“

صندل کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ اس لمحے ویٹر مطلوبہ آرڈر لے آیا تھا۔ویٹر کے آرڈر سرو کرنے کے بعد صندل پھر بولی۔

”معلوم نہیں شاید اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہو گی۔“

”بھائی پھر کب آپ رشتہ بھیج رہے ہیں۔۔“ فرح نے شوخ لہجے میں کہا۔

”مسئلہ یہ ہے کہ وہ لوگ مجھے جانتے ہی نہیں پھر کس طرح مجھے ایک داماد کے روپ میں قبول کریں گے۔“

”ہاں یہ بات تو ہے۔“ ناز نے جواب دیا۔

”ایک صورت ہے۔“ مزمل مسکرایا۔

''وہ کیا۔''

''ہانیہ اپنے والدین سے میری بات خود کرے۔''

اسکی بات سن کر وہ سوچ میں پڑ گئی۔وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ ناز میں اس بات کی ہمت نہ تھی۔وہ مرجائے گی کبھی ماں باپ سے بول نہ پائے گی۔اس نے پھر مزمل کی طرف دیکھا اور پھیکی سی مسکراہٹ سے بولی۔

''اس میں اتنی ہمت نہیں۔'' ناز نے جواب دیا۔

''وہ تو مجھے بھی اندازہ ہے۔'' مزمل نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''بھائی پہلے بریانی سے انصاف کریں اس کے بعد میں آپ کو حل بتاتی ہوں۔دیکھیں ناں یہ چاول بھی کیا سوچتے ہوں گے کہ اتنی دیر ہوگئی کہ مجھے کوئی کھا ہی نہیں رہا۔'' ناز نے شوخی سے جواب دیا۔اس کی بات سن کر وہ چاروں ہنس پڑے۔

بریانی کے بعد کولڈ ڈرنک کا سپ لیتے ہوئے ناز بولی۔

''بھائی۔ہم تینوں ہی ہانیہ کے گھر والوں تک آپ کی رسائی کرواتے ہیں۔''

''مطلب۔'' مزمل کے لہجے میں حیرت تھی۔

جواباً ناز مسکرائی اور بولی۔

''میں خالہ جان سے بات کروں گی اور ان کو اپنے طریقے سے ہر بات سمجھادوں گی پھر مجھے یقین ہے کہ وہ آپ کے لئے راضی ہوجائیں گی۔''

اس کی بات سن کر مزمل کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

''ارے واہ اگر ایسا ہو جائے تو۔۔''

''تو کیا ہوگا۔۔''

''مزا ہی آجائے گا۔'' فرح نے مزمل کا جملہ مکمل کیا۔ تینوں ہی ہنس پڑی تھیں۔

''بس پھر ڈن ہو گیا۔۔'' ناز نے مسکرا کر کہا۔

''بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا ہو گا۔''

''بھائی آپ فکر ہی نہ کریں۔''

''سچ تو یہ ہے کہ جس تم جیسی بہنیں ہوں اس بھائی کو واقعی فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

اس بات پر وہ تینوں مسکرا اٹھی تھیں۔

''ہانیہ سے مجھے اب کوئی جدا نہیں کر سکتا۔'' مزمل نے خود کلامی کی۔

اسی پل مزمل کے کانوں نے ایک تیز قسم کی غراہٹ کی آواز سنی جو کہ لازمی طور پر کسی بلے کی ہی تھی۔ اس آواز میں غصہ کا عنصر صاف محسوس ہو رہا تھا۔ غراہٹ سن کر مزمل چونک پڑا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا مگر اس کو کوئی بلا نظر نہ آیا۔ ناز، صندل اور فرح آپس میں ہنسی مذاق میں مصروف تھیں۔ ایسا نہیں لگ رہا تھا کہ انہوں نے غراہٹ سنی ہو۔ وہ غراہٹ کی آواز بڑی ہی تیز اور واضح تھی۔ یہ دیکھ کر مزمل کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

☆......☆......☆

یہ لمحوں میں ہوا تھا۔ پورے دن سے آسمان پر چھائے رہنے والے بادل شام میں گرج چمک کے ساتھ برسے تھے۔ پروفیسر عطا اپنی پارٹ ٹائم کوچنگ کلاسز سے فارغ ہو کر راستے میں ہی تھے کہ بادلوں نے اپنا رنگ دکھا دیا تھا۔ چونکہ وہ گھر سے زیادہ دور نہ تھے اس لئے جلدی گھر پہنچ گئے تھے۔ لیکن اس جلدی کے چکر میں وہ بری طرح سے بھیگ چکے تھے۔ گھر میں داخل ہو کر انہوں نے اپنے گیلے کپڑے فوراً ہی بدلے اور تازہ میگزین لے کر ڈرائنگ روم

میں آ کر بیٹھ گئے۔ ان کو اچھی طرح علم تھا کہ اس وقت ان کی بیگم کچن میں بارش کے موسم کی مناسبت سے پکوڑے وغیرہ تلنے میں مصروف ہو گی۔

یہ ان کی ہمیشہ کی عادت تھی کہ کام سے واپس آنے کے بعد وہ اسی طرح میگزین لے کر بیٹھ جایا کرتے تھے۔ چند لمحے گزرے تھے کہ ان کی بیگم ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔

''کافی لاؤں آپ کے لئے۔'' راشدہ بیگم نے حسب معمول مسکرا کر کہا۔

''جی۔'' پروفیسر عطا نے سر ہلا کر میگزین سے نظریں اٹھائے بغیر جواب دیا۔

وہ جانے ہی لگی تھیں کہ پروفیسر نے عطا نے آواز دے کر پوچھا۔

''کاشف آ گیا آفس سے۔''

''نہیں۔ ابھی تک آیا نہیں لیکن اس نے موبائل پر انفارم کر دیا ہے کہ وہ راستے میں ہے۔'' انہوں نے کچن میں جاتے جاتے جواب دیا تھا۔ پروفیسر نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔ کاشف ان کے بیٹے کا نام تھا جو کہ ایک پرائیویٹ فرم میں جاب کرتا تھا۔ پروفیسر کو میگزین پڑھتے ہوئے چند لمحے گزرے ہوں گے کہ اچانک ڈور بیل کی آواز سن کر وہ چونک اٹھے۔

''کاشف آیا ہو گا۔ نالائق کے پاس اپنی چابی ہے پھر بھی بیل بجانا نہیں چھوڑے گا۔'' غصے میں انہوں نے خود کلامی کی۔

''ارے۔ آ رہا ہوں۔ کیا چڑیا کا گلا ہی دبا دو گے۔'' وہ چلائے۔

ڈور بیل تھی کہ جو بجے ہی جا رہی تھی۔ وہ تقریباً بھاگتے ہوئے دروازے پر پہنچے تھے۔ بیل کی آواز اب بھی ان کی سماعتوں پر ہتھوڑے کی طرح برس رہی تھی۔ بارش اب ہلکی ہو چلی تھی۔ غصہ میں پروفیسر کا پارہ ہائی ہو چلا تھا۔

دوازے کے پاس پہنچ کر انہوں نے دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی بیل کی آواز

خاموش ہو گئی۔ گیٹ پر کوئی نہ تھا۔ راہ داری سنسان تھی۔ دروازے پر کوئی نہ تھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ چونک پڑے تھے۔ نہایت ہی شدید قسم کی حیرت اور خوف ان کے بشرے سے ظاہر ہونے لگا تھا۔ وہ ایک سیاہ پوش تھا جو کہ پل بھر میں ہی وارد ہوا تھا۔

پروفیسر صاحب اس سیاہ پوش کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔

"کون ہو تم۔" پروفیسر نے حیرت سے کہا۔

"اندر نہیں آنے دو گے پروفیسر۔" سیاہ پوش نے بھاری آواز میں کہا۔

"ہر گز نہیں۔۔"

اس کی بات سن کر سیاہ پوش ہنس پڑا۔ کافی دیر تک ہنسنے کے بعد پھر بولا۔

"تمہاری اوقات نہیں پروفیسر۔۔ کہ تم مجھے روکو میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے مرغی کی بولی پر مجبور کرو۔"

اس کی بات سن کر پروفیسر چونک پڑے اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ بولے۔

"کون ہو تم۔۔ یہ بات میں نے پروفیسر ابدال کو کہی تھی۔"

سیاہ پوش نے جواب دینے کے بجائے اپنا نقاب اتار دیا۔ نقاب کے اترتے ہی اس کا چہرا سامنے تھا۔ سیاہ پوش کا چہرا دیکھتے ہی پروفیسر چونک گئے۔ اگلے لمحے اس کے چہرے پر شناسائی ابھری اور پھر وہ غصے میں بولے۔

"تم مجھے ڈرا نہیں سکتے میں تمہاری شکایت کروں گا۔"

اس کی بات وہ پھر ہنس پڑا۔

"کر لینا شکایت پروفیسر مگر فی الحال تم پر یہ ثابت کرنا ہے کہ ہمارا وجود ہے یا نہیں۔"

"کیا مطلب۔"

''ابھی سمجھ جاؤ گے۔'' اتنا کہہ کر اس نے پروفیسر کو دھکا دیا۔ دھکا لگتے ہی پروفیسر لڑکھڑاتے ہوئے اپنے گھر میں جا گرے اور سیاہ پوش وہاں سے غائب تھا۔ پروفیسر نے حیرت سے ادھر ادھر دیکھا اور دوسرے ہی لمحے بڑبڑاتے ہوئے ڈرائنگ روم کی طرف جانے لگے تھے۔ ڈرائنگ روم میں پہنچ کر اچانک ان کی نظر صوفے پر پڑی۔ صوفے پر جو کچھ تھا اس کو دیکھ کر ان کی آنکھوں میں حیرت کے ساتھ ساتھ خوف بھی دکھائی دینے لگا تھا۔ وہ ایک سیاہ رنگ کا بلا تھا جس کا قد عام بلوں سے تھوڑا بڑا تھا۔ وہ بلا اپنی سرخ آنکھوں سے پروفیسر کی جانب غصے سے دیکھ رہا تھا۔ اچانک وہ پروفیسر کی جانب دیکھ کر غرایا۔ دوسرے ہی پل اس نے پروفیسر پر جست لگا دی۔ پروفیسر جیسے افتاد کے لئے تیار ہی نہ تھے۔ غیر اختیاری طور پر دونوں ہاتھ انہوں نے چہرے کے سامنے کر لئے تھے۔ بلا پروفیسر پر گرا۔ وہ ہذیانی انداز میں چلاتے ہوئے فرش پر جا گرے۔ دوسرے ہی لمحے بلا وہاں سے غائب تھا۔ پروفیسر لڑکھڑاتے ہوئے اٹھے۔ خوف کے عالم میں چاروں طرف دیکھنے لگے تھے۔ پروفیسر کا چہرا بلے کے ناخنوں سے زخمی ہو چکا تھا۔ اچانک ان کی نظر چھت پر پڑی۔ چھت پر نظر پڑتے ہی ایک بار پھر پورا کمرا ان کی چھت شگاف چیخوں سے گونجنے لگا تھا۔

☆......☆......☆

آرزو بیگم نے اس کو جو تصویر دکھائی واقعی وہ لڑکا بہت اسمارٹ تھا۔ اگر مزمل اس کی زندگی میں نہ آتا وہی لڑکا اس کا جیون ساتھی بنتا۔ یہ خبر سن کر اس کو جھٹکا سا لگا تھا۔ ہاں اس نے ابھی تو اپنے دل کے تاج محل کے ایک کونے میں کسی کی تصویر بسائی ہی تھی کہ اس تاج محل کو چکنا چور کرنے کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔

یہ حقیقت ہی تھی کہ ہانیہ مزمل کو اپنے دل میں بسا چکی تھی۔ وہ اس کو دل سے چاہنے لگی تھی

مگر وہ لڑکی تھی اور لڑکیاں اپنے دل کو سات پردوں میں چھپا کر رکھتی ہیں۔اس کے والدین اس لڑکے کو پسند کر چکے تھے۔اگر اس لڑکے نے اس کو پسند کر لیا تو کیا وہ منع کر پائے گی۔وہ کہہ سکے گی کہ اس کو کوئی اور لڑکا پسند ہے جس سے وہ محبت کرتی ہے۔۔لیکن وہ ایک مشرقی لڑکی تھی۔سالوں یہی ہوتا آیا تھا کہ لڑکیاں اپنے ماں باپ کی خاطر اپنی پسند کو بھی قربان کر دیا کرتی تھیں لیکن وہ بھی یہی کرے گی کیونکہ مزمل سے محبت تو چند دنوں کی تھی۔اس کے والدین نے اس کو جو محبت دی تھی وہ سب پر بھاری تھی۔سوچتے سوچتے وہ کب نیند کی وادیوں میں گم ہوئی اس کو پتہ ہی نہ چلا۔

فہد صاحب کی واپسی رات دیر سے ہوئی تھی۔وہ اپنے دوست کے ساتھ کھانا بھی کھا کر آئے تھے۔نکل تو وہ شام کو ہی جاتے مگر اچانک ہونے والی بارش نے ان کو رات تک وہاں رکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''آ گئے اپنے اس کبوتر باز دوست سے مل کر۔''

''ہاں۔تم اتنا جلتی کیوں ہو اس سے۔۔''فہد صاحب نے مسکرا کر کہا۔

''یہ کوئی عمر ہوتی ہے کبوتر اڑانے کی۔''آرزو بیگم نے منہ بنا کر کہا۔

''بات یہ نہیں ہے بیگم۔اس بیچارے کی بیوی مر گئی اور ایک ہی بیٹا تھا وہ بھی یو ایس میں ہے وقت گزاری کے لئے کچھ تو ہو۔''انہوں نے پھیکی سی مسکراہٹ سے جواب دیا۔

''اچھا۔۔چھوڑیں چائے یا کافی۔''

''نہیں صرف ایک گلاس دودھ،وہ بھی گرم اور بغیر شکر کے۔''

''اچھا۔لاتی ہوں۔''

آرزو بیگم کے جانے کے بعد فہد صاحب غسل خانے میں گھس گئے۔جب نہا کر باہر نکلے

تو آرزو بیگم دودھ کا گلاس لا چکی تھیں۔

''ہانیہ کہاں ہے۔'' انہوں نے گرم دودھ کی ہلکی سی چسکی لیتے ہوئے کہا۔

''اپنے کمرے میں۔''

''تصویر دیکھی اس نے۔ کیا رہا۔''

''پتا نہیں۔ جب سے ہی خاموش ہے کھانا بھی تھوڑا بہت کھایا ہے۔ اور پھر اپنے کمرے میں چلی گئی۔۔''

''ایسا کیوں۔''

''معلوم نہیں۔''

ان کی بات سن کر وہ چند لمحات تک سوچنے کے بعد بولے۔

''ممکن ہے وہ شرما رہی ہو۔ تم ایسا کرو اس سے ایک آدھ روز میں بات کرو۔ پھر میں ان کو جواب دے دوں گا۔ اگر تم نے کل ہی پوچھ لیا تو تو پرسوں اتوار ہے۔ رات کے کھانے پر بلا لیں گے۔''

''ہاں ایسا کر لیں گے۔'' وہ مسکرا کر بولیں۔

☆......☆......☆

مزمل اپنی ٹیوشن مکمل کر کے نکلا ہی تھا کہ بارش برسنا شروع ہو گئی تھی۔ بارش اس قدر تیز تھی کہ مزمل کو روڈ پر بنے ایک چھوٹے کوئٹہ ہوٹل میں پناہ لینی پڑی تھی۔ بارش کے سبب ہوٹل کی تمام کرسیاں فل تھیں۔ مزمل کی قسمت اچھی تھی کہ ایک کرسی اس کو خالی مل گئی تھی۔ اس نے غنیمت جان کر اس پر ہی قبضہ جما لیا تھا۔ چائے کے آرڈر دینے کے بعد وہ روڈ کی جانب دیکھنے لگا تھا۔ بارش اپنی بھرپور تیزی کے ساتھ برس رہی تھی۔ اچانک اس کی نظر روڈ کے کھمبے

کے نیچے بیٹھے ایک بوڑھے انسان پر پڑی۔ اس کے دونوں پیر نہیں تھے اور معذوروں والی گاڑی میں بیٹھا تھا۔ بارش کے سبب وہ اپنی گاڑی کو ہاتھ سے نہیں چلا پا رہا تھا اس لئے بارش کے انتظار میں اسی کونے پر رک گیا تھا۔ یہ دیکھ کر مزمل کو نہایت ترس آیا۔ وہ فوراً اٹھا اور تیز تیز قدم اٹھاتا اس بوڑھے کے پاس پہنچ گیا۔ بوڑھے کی حالت نہایت خستہ تھی۔ صاف معلوم ہو رہا تھا بوڑھا بھیک بھی مانگتا ہے۔ بوڑھے کے سر اور داڑھی بے تحاشہ بڑھی ہوئی تھی۔ لیکن اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سا جلال تھا۔

مزمل بوڑھے کی گاڑی کو ہاتھ سے گھسیٹ کر ہوٹل کے چھجے کے نیچے لے آیا تھا۔

"بابا! چائے پیو گے۔"

بوڑھے نے اس کی طرف تشکر بھری نظروں سے دیکھا اور پھر بولا۔

"ہاں بیٹا، چائے بھی پیوں گا اور پراٹھا بھی کھاؤں گا۔"

اس کی بات سن کر مزمل مسکرا اٹھا اور ہوٹل والے کو چائے پراٹھے کا آرڈر دے کر جانے ہی لگا تھا کہ بوڑھے نے اس کو پھر آواز دی۔

"بیٹا! اس رب کائنات کو کھانا کھلانا پسند ہے تم نے اس غریب کی مدد کی ہے وہ تم پر آنے والی تمام پریشانیوں کو دور کرے گا۔"

اس کی بات سن کر مزمل نے سر ہلا کر بوڑھے کا شکریہ ادا کیا اور واپس ہوٹل کے اندر اپنی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ بیٹھتے ہی اس کی نظر کھڑکی سے ہوٹل کے چھجے کے نیچے پڑی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ معذور بوڑھا وہاں سے غائب تھا مگر اس کی گاڑی اسی جگہ موجود تھا۔ یہ دیکھ کر مزمل اچھل پڑا۔ وہ بوڑھا اس قدر معذور تھا کہ بارش کے سبب اپنی گاڑی کو دھکا نہیں لگا پا رہا تھا۔ ہوٹل کا بیرا ابھی اسی جگہ چائے پراٹھا لئے کھڑا حیران نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

مزمل یہی سوچ رہا تھا کہ اگر وہ بوڑھا معذور نہیں تھا پھر کیا تھا؟ کیا وہ اللہ کا برگزیدہ بندہ تھا؟ نہ معلوم وہ انسان تھا یا چھلاوا۔ بارش اب کم ہو چلی تھی۔ مزمل سر کھجاتا ہوا ہوٹل سے باہر نکل آیا۔ کیا وہ بوڑھا صرف اس کو دعا دینے آیا تھا؟

☆......☆......☆

چھت کا منظر نہایت ہی خوفناک تھا۔ سفید رنگ سے پینٹ ہوئی چھت سیاہ ہو چکی تھی لیکن یہ سیاہی کوئی رنگ نہ تھا بلکہ وہ چھوٹی چھوٹی مکڑیاں تھیں جو چھت سے چپکی ہوئی تھیں۔ چھت گیر پنکھے کو چھوڑ کر پوری چھت سیاہ ہو چکی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر پروفیسر عطا اپنی چھت شگاف چیخوں پر قابو نہیں رکھ پائے تھے۔

''اب تم مانتے ہو نہیں۔'' ایک گونجیلی آواز پروفیسر عطا کے کانوں سے ٹکرائی۔

''نن۔۔نہیں یہ سب جھوٹ ہے دھوکا ہے۔'' پروفیسر نے ہذیانی انداز میں چلا کر کہا۔

''اچھا۔تم یوں نہیں مانو گے۔''

دوسرے پل ہی وہ مکڑیاں بارش کی طرح پروفیسر پر برسنے لگی تھیں۔ پروفیسر تیورا کر صوفے پر گرا اور صوفہ پیچھے کی جانب پلٹ گیا۔ ان مکڑیوں نے پروفیسر کو پوری طرح جکڑ لیا تھا۔ اچانک پنکھا چل پڑا اور چھت سے خون کی بارش ہونے لگی تھی۔ یہ سب منظر دیکھ کر پروفیسر نے بری طرح سے چلانا شروع کر دیا۔ اچانک ڈرائنگ روم کی کھڑکی کھل گئی۔ کھڑکی سے سیاہ رنگ کا ناگ نکل کر ڈرائنگ روم میں داخل ہونے لگا۔ یہ منظر اتنا خوفناک اور وحشت بھرا تھا کہ پروفیسر کے حواس ساتھ چھوڑنے لگے تھے۔ بے ہوش ہونے سے قبل پروفیسر کے منہ سے اتنا ہی نکلا تھا۔

''مانتا ہوں۔ مانتا ہوں۔''

پروفیسر کے بیٹے نے پروفیسر کو ڈرائنگ میں بے ہوش پایا تھا۔ جب پروفیسر کی ہسپتال میں آنکھ کھلی تو وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چلا رہے تھے۔

''مانتا ہوں۔ مانتا ہوں۔''

ان کی آنکھوں میں دیوانگی کی تمام تر کیفیات مترشح تھیں۔ ڈاکٹر کی پہلی آبزرویشن دماغی توازن کے بگڑ جانے کی تھی۔

☆......☆......☆

ہانیہ دوسرے دن بھی یونیورسٹی نہیں آئی تھی۔ پروفیسر عطا کے دماغی توازن بگڑ جانے کی خبر آگ کی طرح پھیل چکی تھی۔ چنانچہ جلد ہی چھٹی کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ مزمل کو جب پتہ چلا کہ ہانیہ نہیں آئی تو اس نے چھٹی کے وقت ناز کو کیفے ٹیریا میں پکڑ لیا تھا۔ وہ صندل اور مہوش کے ساتھ تھی۔

''آج بھی ہانیہ نہیں آئی۔''

''بھائی! ہم لوگ بھی یہی سوچ رہے ہیں۔''

''تو کیا اس نے کچھ بتایا نہیں۔''

''نہیں۔ وہ پڑھائی سے بھاگنے والوں میں سے نہیں۔'' ناز نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

اس کی بات سن کر وہ کچھ سوچنے لگا تھا۔

''تم لوگ اگر گھر جا رہی ہو تو تم کو چھوڑ دوں۔''

''نہیں ہم لوگ پروفیسر ابدال کے ساتھ ہسپتال جا رہے ہیں پروفیسر عطا کو دیکھنے۔''

''پھر ایسا کرتے ہیں کہ آپ لوگ میرے ساتھ کار پر پروفیسر اور دوسرے طالبعلموں کو الگ جانے دیں۔''

''یہ ٹھیک ہے بھائی۔''

پھر وہ سارے ہی پروفیسر کو دیکھنے ہسپتال کی جانب نکل پڑے تھے۔

کار چلاتے ہوئے مزمل نے کہا۔

''میں ہانیہ کے لئے پریشان ہوں۔''

''پریشان تو ہم بھی ہیں۔مگر ہم ہسپتال سے فارغ ہو کر اس کے گھر کا رخ کریں گے۔''

مزمل نے بے خیالی کے عالم میں سر ہلایا اور پھر بولا۔

''مجھے کیسے خبر دو گی۔''

''آسان سا حل ہے۔آپ اپنا موبائل نمبر دے دیں۔ہم آپ کو انفارم کر دیں گے۔''

صندل مسکرائی۔

''ایک کام کرو ناں ہانیہ کا موبائل نمبر مجھے دے دو۔''

''آپ کو نہیں معلوم۔''ناز صندل مسکرائی۔

''نہیں اس سے کبھی اس طرح کھل کر بات نہیں ہوئی۔''

''بات یہ ہے کہ اس کے پاپا موبائل کے خلاف ہیں۔اس لئے اس کے پاس موبائل نہیں ہے۔''ناز نے جواب دیا۔

''اوہ۔''مزمل نے روڈ پر دیکھتے ہوئے کہا۔اسی طرح باتیں کرتے کرتے ہسپتال آ گیا تھا اسی دوران دوسرے لوگ بھی پہنچ گئے تھے۔

ان میں پروفیسر ابدال بھی موجود تھے اور پروفیسر کی کلاس کے سارے طالب علم بھی نہ تھے تو صرف ہانیہ، طالب علم ایک ساتھ روم میں داخل ہوئے تھے پروفیسر کی حالت بہت ہی خراب تھی۔وہ بستر پر لیٹے ہوئے تھے۔ان کا ایک بازو رسیوں سے جکڑا ہوا تھا۔جیسے ہی سب

لوگ اندر داخل ہوئے۔ وہ سب کو باری باری دیکھنے لگے تھے۔ ان کی آنکھوں میں اس طرح کی بیگانگی تھی جیسے کسی چوپائے کی آنکھوں میں ہوتی ہے، شناسائی کا کوئی تاثر ان آنکھوں میں نہ تھا۔ اسی لمحے پروفیسر ابدال عادل اور روحان اندر داخل ہوئے جیسے ہی پروفیسر عطا کی نظر ان پر پڑی۔ ان کی آنکھوں میں خوف، دیوانگی کی تمام تر کیفیات ایک ساتھ ہی نمودار ہوئی تھیں۔ اسی پل وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چلانے لگے تھے۔

''مانتا ہوں۔۔ مانتا ہوں''

وہ اپنے بیڈ پر بری طرح سے مچلنے لگے تھے۔ انہوں نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکے۔ مزمل اس بات پر حیران تھا کہ پروفیسر ابدال کے آجانے پر ان کی حالت کیوں خراب ہوگئی۔ تمام طالب علم ہمدردی بھری نظروں سے ان کو دیکھ رہے تھے۔ لڑکیاں تو رونے لگ گئی تھیں۔ اچانک مزمل کی نظر پروفیسر ابدال پر پڑی جن کے ہونٹوں پر بڑی ہی پراسرار مسکان موجود تھی۔ یہ چیز مزمل کو سمجھ نہ آئی۔ ڈاکٹروں نے پروفیسر کو عطا کو بے ہوشی کا انجکشن دیا تھا۔

''چلو۔'' پروفیسر ابدال نے روحان اور دوسرے طالب علموں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''میرے خیال سے انہوں نے جنات کو دیکھ لیا ہے۔'' پروفیسر نے باہر نکلتے ہی روحان سے سرگوشی کی۔ آواز اتنی دھیمی تھی مگر اس کے باوجود بھی مزمل نے سن لیا تھا۔ اس نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ نہ جانے کیوں مزمل کو پروفیسر کی شخصیت بڑی ہی پراسرار لگی تھی۔

☆......☆......☆

ہانیہ اپنے فرینڈز کو دیکھ کر کھل اٹھی تھی لیکن تصویر والی بات کا خیال آتے ہی اس کا چہرا پھر تاریک ہوگیا تھا۔ آرزو بیگم ان تینوں سے بڑے ہی اخلاق سے ملیں اور پھر انہوں نے فوراً ہی

کچن کا رخ کیا تھا۔

''ارے پاگل، تم نے کیا حلیہ بنا رکھا ہے۔''

ناز اس کے حلیہ کو دیکھ کر چونک کر بولی تھی۔

''یونہی۔''

''یونہی کیا۔''

''ایسے بس میرا دل نہیں چاہ رہا۔'' اس نے بجھے سے دل کے ساتھ جواب دیا۔

''کالج کیوں نہیں آئی۔'' اس بار صندل نے سوال کیا تھا۔

''سر میں درد تھا۔ اور فیور بھی۔''

''جھوٹ، تمہارے چہرے سے ظاہر ہے۔ سچ بتاؤ کیا بات ہے۔'' مہوش نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

اس کی بات سن کر ہانیہ نے ٹھنڈی سانس لی اور بولی۔

''بات دراصل یہ ہے کہ ابو نے ایک رشتہ پسند کیا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ میں اس کے لئے رضامندی ظاہر کروں۔''

''تو تو نے کیا فیصلہ کیا۔''

''مجھے یہ رشتہ پسند نہیں ہے، مگر میری اتنی ہمت نہیں ہے کہ میں ان کو منع کر دوں۔''

''کیوں پسند نہیں ہے۔'' ناز نے پوچھا۔

عین اسی لمحے آرزو بیگم چائے کی ٹرے لئے ادھر ہی آ رہی تھیں کہ باتوں کی آوازیں ان کے کانوں میں پڑیں تو وہ اسی جگہ ٹھٹھک کر رک گئیں۔ ناز جو کہہ رہی تھی وہ سن کر وہ چونک گئیں۔ پھر اپنی بیٹی کا جواب سن کر ان کی آنکھیں بھرا گئیں۔

''بس مجھے یہ رشتہ پسند نہیں۔'' ہانیہ نے پھیکی سی مسکراہٹ سے کہا۔

''میں بتائی ہوں کہ تو مزمل سے محبت کرتی ہے مگر تجھ میں ہمت نہیں ہے۔'' ناز نے تھوڑا سخت لہجے میں جواب دیا۔

''ہاں میں مزمل سے محبت کرتی ہوں، مگر اس سے کہیں زیادہ میں اپنے امی ابو سے محبت کرتی ہوں۔ میں ان کو ناراض نہیں کر سکتی۔ مزمل کو میں اپنے اللہ سے مانگ لیا ہے۔۔اب اس کی مرضی ہوگی تو وہ میری خواہش پوری کر دے گا۔'' ہانیہ نے صاف لفظوں میں جواب دیا۔

اس کی بات پر چند لمحات تک وہ اس کو دیکھتی رہی پھر مسکرا کر بولی۔

''اچھا بیٹا تو باہر تو چلے گی۔۔گھومنے۔''

ابھی ہانیہ کوئی جواب ہی دینا چاہتی تھی کہ اس کی امی چائے کی ٹرے لے کر کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔ان کو کمرے میں داخل ہوتا دیکھ کر سب ہی خاموش ہوگئی تھیں۔

چائے کے ساتھ سموسے، پکوڑے اور کباب دیکھ کر ناز بولی۔

''ارے آنٹی، آپ نے تکلف کیا۔''

''ارے بیٹا اس میں تکلف کیسا۔تمہارا اپنا ہی گھر تو ہے۔۔جو دل چاہے کھاؤ۔''

''آنٹی جو دل چاہے نہیں اس کا بس چلے تو یہ سب کھا جائے۔'' مہوش نے ہنس کر کہا۔

اس کی بات پر سب ہی ہنس پڑے تھے جبکہ ناز نے مصنوعی غصہ سے ان کی طرف دیکھا تھا۔

چائے اور ناشتہ کے بعد ناز ہچکچاتے ہوئے بولی۔

''آنٹی، ہم ہانیہ کو گھمانے لے جائیں۔'' صندل نے کہا۔

''ہاں ضرور کیوں نہیں۔''

اتنا کہہ اس کی امی نے برتن سمیٹے اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔

"میرا دل نہیں چاہ رہا۔"

"کیوں بی بی۔ چلنا تو پڑے گا اور ذرا ڈھنگ کا لباس زیب تن کر لو۔۔ پنک ٹھیک رہے گا۔"

"مگر میرا دل نہیں چاہ رہا۔" ہانیہ نے تنگ کر کہا۔

"جانا تو پڑے گا میڈم ورنہ ہم آنٹی کو مزمل کے بارے میں بتا دیتے ہیں۔" ناز نے گویا دھمکی لگائی۔ ناز کا انداز دھمکی دیکھ کر ہانیہ کی ہنسی نکل گئی۔

"چل رہی ہوں بابا۔۔ مگر جانا کہاں ہے۔"

"زمان پارک۔" صندل نے مسکرا کر جواب دیا۔

☆......☆......☆

زمان پارک شہر کے سب سے صاف ستھرے اور اچھے پارکوں میں سے ایک تھا جو کہ اپنی صفائی اور نظم وضبط کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔ اس لئے یہاں فیملیز آنا بہت زیادہ پسند کرتی تھیں۔ کھانے پینے کی دستیاب تمام چیزوں کے باوجود یہاں کچرے اور گندگی کا نام ونشان نہ تھا۔ جگہ جگہ سبزہ اور درختوں نے یہاں کا ماحول بہت زیادہ انسان دوست تھا۔

ہانیہ، مہوش، صندل اور ناز چاروں زمان پارک پہنچ چکی تھیں اور بینچ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ شام کے پانچ بج چکے تھے۔ پارک میں لوگوں کی آمدورفت شروع ہو چکی تھی موسم نہایت ہی خوشگوار تھا۔

"پارک میں صرف کیا ہم بیٹھنے آئے ہیں۔" ہانیہ نے مسکرا کر پوچھا۔

"ابھی پتہ چل جاتا ہے۔" ناز نے مسکرا کر کہا۔

"کیا مطلب۔"

نازکوئی جواب ہی دینا چاہتی تھی کہ ہانیہ کی نظر پارک کے گیٹ پر پڑی جس میں کوئی اندر داخل ہورہا تھا۔اندر داخل ہونے والے کو دیکھ کر ہانیہ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا کیونکہ وہ کوئی اور نہیں مزمل تھا۔مزمل بھی ہانیہ کو دیکھ چکا تھا۔وہ بڑی تیزی سے چلتا ہوا ان کی طرف آرہا تھا۔ہانیہ نے گھبرائی ہوئی نظروں سے اپنی فرینڈز کی جانب دیکھا تو وہ مسکرا رہی تھیں۔ دوسرے ہی پل وہ سارا ماجرا سمجھ گئی تھی۔

"تم لوگوں نے اچھا نہیں کیا۔۔میں جارہی ہوں۔"

اتنا کہہ کر وہ اٹھنے لگی مگر ناز نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"بیٹھو۔۔وہ صرف تمہارے لئے آیا ہے۔تم دو دن سے نہیں آئی تھیں اس لئے تم کو دیکھے بغیر اس کو چین نہیں ملتا۔" صندل نے سنجیدگی سے کہا۔

اس کی بات سن کر ہانیہ کے چہرے پر ایک لمحہ کے لئے شرمگیں مسکراہٹ پیدا ہوئی اور پھر معدوم ہوگئی۔اسی دوران وہ ان کے قریب آچکا تھا۔مزمل نے جب اس کو دیکھا تو بس دیکھتا ہی رہ گیا۔ہانیہ نے گلابی کلر کا کرتا اور اور چوڑی دار پاجامہ پہن رکھا تھا اور کرتے پر سفید دھاگے سے پھول دار کڑھائی ہوئی تھی۔چہرے پر ہلکا میک اپ بہت ہی بھلا لگ رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ وہ مزمل کے دل پر بجلیاں گرانے ہی آئی ہے۔اس کو آس پاس کا ماحول بہت ہی خوبصورت لگ رہا تھا۔اس کو بے اختیار ایک شعر یاد آگیا جو کہ لدھیانوی صاحب نے شاید اسی موقع کے لئے کہا تھا۔

تم حسن کی خود ایک دنیا ہو شاید تمہیں معلوم نہیں
محفل میں تمہارے آنے سے ہر چیز پر نور آ جاتا ہے

اس طرح یک ٹک دیکھنا سب ہی نے محسوس کیا تھا۔وہ تینوں تو زیر لب مسکرانے لگی تھیں۔

"بھائی! آپ بیٹھیں ناں کھڑے کیوں ہیں۔" ناز نے کہا۔

"ہم کولڈ ڈرنک لے کر آتے ہیں۔" مہوش نے ان تینوں کو اشارہ کیا۔

غالباً وہ تینوں کباب میں ہڈی بننے کے موڈ میں نہیں تھیں۔ ان کے جانے کے بعد مزمل بینچ پر بیٹھ گیا اور ہانیہ کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"تھنکس۔ میں کھڑی ہی ٹھیک ہوں۔" ہانیہ نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔

"ٹھیک ہے، آپ میرے ہوتے ہوئے ایزی فیل نہیں کرتیں تو میں چلا جاتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ مزمل جانے ہی لگا تھا ہانیہ نے اس کو روک دیا۔

"مت جائیں ایسی بات نہیں ہے۔" اس نے دھیرے سے کہا اور بینچ پر بیٹھ گئی۔

اب مزمل بھی اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔ چند لمحات تک دونوں میں خاموشی رہی۔ نہ ہانیہ کچھ بول رہی تھی اور نہ ہی مزمل۔ دراصل ہانیہ شرم محسوس کر رہی تھی۔ بات کرنے میں مزمل نے ہی پہل کی تھی۔

"آپ نے جواب نہیں دیا مجھے۔"

"کون سی بات کا۔" ہانیہ چونک گئی۔ اس کے جواب پر مزمل کو ایسا لگا کہ شاید وہ بھول گئی ہے لیکن ایسا نہ تھا ہانیہ اچھی طرح سے سمجھ گئی تھی کہ مزمل کیا کہنا چاہتا ہے۔

"وہی بات جو میں پوری زندگی آپ سے کہتا رہوں گا۔ کہ آپ میرے لئے دنیا کی سب سے حسین لڑکی ہو۔ آپ ہی ہو جس کے ساتھ میں پوری زندگی گزار سکتا ہوں۔"

مزمل کی بات سن کر ہانیہ شرما گئی۔ مزمل نے دیکھا کہ اس کی غزالی آنکھوں میں شرم و حیا کے جگنو چمکنے لگے ہیں۔ لبوں پر پھیلنے والی مسکراہٹ اس بات کی غماز تھی کہ اس کو مزمل کا پرپوزل قبول ہے۔

''ہانیہ۔تمہاری خاموشی ظاہر کر رہی ہے کہ تم نے میری دھڑکنوں کی آواز سن لی ہے۔اور میرا پیام محبت قبول ہے۔'' مزمل اس کے قریب ہو کر بولا۔

ہانیہ اس کے قریب آنے پر اور شرما گئی۔

''مزمل! میں آپ سے ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔آپ امی کو میرے گھر بھیج دیں کیونکہ انہوں نے لڑکا پسند کر لیا ہے اور میں اپنے ابو کو ناں نہیں کر سکتی ہوں۔''

''تم بے فکر رہو ہانیہ، محبت کرنے والے جب سچے دل سے ایک دوسرے کو چاہتے ہیں تو پوری دنیا ان کو ملانے میں لگ جاتی ہے۔'' اتنا کہہ کر اس نے ہانیہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔

مزمل کا ہاتھ پکڑنا ہی تھا کہ اس کے کانوں نے ایک زوردار مگر غصیلی قسم کی غراہٹ کی آواز سنی جو کہ لازمی طور پر کسی بلی کی تھی۔پھر اچانک کسی نے اس کے ہاتھ پر جست لگائی تھی۔ہانیہ کے حلق سے ایک چیخ نکلی اور ڈر کر پیچھے ہٹ گئی۔مزمل اپنا ہاتھ سہلا رہا تھا جس سے اب خون نکلنے لگا تھا۔جست لگانے والا ایک سیاہ بلا تھا جس نے اپنے پنجے مزمل کے ہاتھ پر مارے تھے۔مزمل کے ہاتھ سے خون نکلنے لگا تھا۔وہ بلا دور کھڑا مزمل کو اپنی سرخ نگاہوں سے گھور رہا تھا۔مزمل کو ایسا لگا کہ جیسے وہ اپنی سرخ آنکھوں سے اس کا مذاق اڑا رہا ہو۔

مزمل کے حلق سے گالیوں کا فوارہ پھوٹ پڑا تھا۔اس نے پاس پڑا ایک پتھر اٹھایا اور بلے پر دے مارا پتھر لگتے ہی بلے کے کربناک چیخ نکلی اور دوسری طرف بھاگ کھڑا ہوا۔

ہانیہ بڑی حیرت اور خوف سے اس بلے کو دیکھ رہی تھی۔ ہو نہ ہو یہ وہی بلا ہے جو کہ بچپن میں ایک بار بلا اس کو نظر آیا تھا جو کہ اس کا پیچھا کر رہا تھا۔کیا یہ وہی بلا تھا۔ہانیہ کے پاس اس سوال کا جواب نہیں تھا۔بہر حال ان دونوں کی ملاقات ستیاناس ہو گئی پھر وہ سارے گھر ہی چلے آئے تھے۔ہانیہ سارے راستے یہی سوچتی رہی تھی کہ کیا یہ وہی بلا تھا جبکہ مزمل یہ سوچ

رہا تھا کہ اس بلے نے اسی پر حملہ کیوں تھا کچھ دن پہلے کیفے میں مزمل اسی طرح کی غراہٹ کی آواز سن چکا تھا۔

☆......☆......☆

اسی رات عادل، روحان، مزمل اور دوسرے طالب علم پروفیسر ابدال کے گھر پہنچ گئے تھے۔ان کو روحان نے بلوایا تھا کیونکہ آج چاند کی تیرہ تاریخ تھی۔ پروفیسر ابدال کے کہنے کے مطابق اس نے ان کی ملاقات جنات سے کروانے کا وعدہ کیا تھا۔مزمل تو آنا ہی نہیں چاہتا تھا مگر دوسرے طالب علموں کے کہنے پر وہ بھی آگیا تھا۔اس کے ہاتھ کے اس حصے پر پٹی بندھی تھی جہاں شام کو بلے نے پنجہ مارا تھا۔اس وجہ سے اس کی طبیعت تھوڑی ناساز تھی۔

وہ سارے ایک بڑی سی کار میں تھے روحان اور عادل پیچھے بیٹھے ہوئے تھے جبکہ مزمل ڈرائیور کے ساتھ آگے یہ لوگ پروفیسر ابدال کے گھر کی طرف رواں دواں تھے۔رات کے گیارہ بج چکے تھے۔

"کیا تم کو اب بھی مجھ پر بھروسہ نہیں ہے۔" عادل نے روحان سے پوچھا۔

"کیا مطلب۔"

"تم نے اس خوش نصیب لڑکی کا نام نہیں بتایا جس سے تم محبت کرتے ہو۔" عادل نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

یہ سن کر روحان مسکرایا اور بولا۔

"نہیں۔میرے دوست یہ تو اس کو بھی نہیں پتہ جس کا یہ راز ہے۔جانتے ہو تم اگر مجھے اس کو حاصل کرنے کے لئے اپنی جان بھی دینی پڑے تو۔"

"اوہو۔نئی صدی کے مجنوں اپنے دوست کو بھی نہیں بتاؤ گے۔" عادل نے مسکرا کر کہا۔

اس کی بات سن کر روحان خاموش ہو گیا اور پھر چند لمحے کے توقف کے بعد وہ بولا۔

"اچھا تو سنو یونیورسٹی کی سب سے خوبصورت لڑکی سے میں محبت کرتا ہوں۔۔اب وہ کون ہے تم غور کرتے رہو۔"

عادل خاموش ہو کر سوچ میں ڈوب گیا۔پروفیسر ابدال نے خاصی دلکش مسکراہٹ کے ساتھ ان کو ویلکم کیا تھا۔

"ارے بھئی تم لوگ بہت لیٹ آئے ہو ورنہ کچھ کھا پی لیتے۔"

"نو سر اس کی ضرورت نہیں ہم تو بس جنات سے ملنا چاہتے ہیں۔" ایک طالب علم نے کہا۔

پروفیسر ابدال مسکرا کر گاڑی میں بیٹھ گئے۔تھوڑی ہی دیر کار ایک عمارت کے سامنے پہنچ کر رک گئی۔سب سے پہلے پروفیسر اترے تھے اور یوں قدم بڑھانے لگے جیسے کہ ان کی کمر میں درد ہو۔مزمل نے سب پہلے اس چیز کو نوٹ کیا۔

"کچھ نہیں۔۔۔بچے کرکٹ کھیل رہے تھے کمر میں بال لگ گئی۔"

یہ سن کر مزمل کو وہ بلا یاد آ گیا جس کی کمر پر اس نے پتھر مارا تھا۔نہ جانے کیوں مزمل کو بلے اور پروفیسر ایک ہی سکے کے دو پہلو محسوس ہونے لگے تھے پھر دوسرے ہی پل اس نے اپنے اس خیال کی خود ہی تردید کر دی بھلا کوئی انسان بلے کا روپ کیسے دھار سکتا ہے۔

عادل نے دیکھا یہ عمارت بھی بالکل اسی کی طرح تھی جس میں اس کی روحان سے ملاقات ہوئی تھی۔تاریکی اور سناٹے میں ڈوبی۔مزمل کو نہ جانے کیوں ایسا لگا کہ اس عمارت پر صدیوں پرانی نحوست برس رہی ہو۔اس عمارت کے ارد گرد اور کوئی عمارت نہ تھی دونوں جانب سے یہ خالی عمارت بس الگ تھلگ ہی دکھائی دے رہی تھی۔

پھر وہ سارے عمارت کے بڑے سے داخلی گیٹ کے سامنے پہنچ کر رک گئے۔ذیلی

عمارت کے سامنے ایک بڑا سا صحن تھا جس کے گرد گھنے درخت تھے چاروں طرف ہو اور سناٹے کا عالم تھا۔
روحان بڑی ہی گہری نگاہوں سے چاروں اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔ عادل اور دوسرے طلبا کو ہلکا ہلکا سا خوف محسوس ہو رہا تھا۔ خوف کے اس احساس کو مزمل بھی اپنے اندر محسوس کر رہا تھا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔
''اوہ۔ دروازہ تو اندر سے بند ہے۔ شاید کنڈی ہے اندر سے۔'' پروفیسر ابدال نے مایوسی سے کہا۔
''اب کیا ہوگا۔۔ کیا جنوں نے دروازہ بند کر دیا'' ایک طالب علم نے کہا۔ جس کو سن روحان کی ہنسی نکل گئی۔
''جنوں نے نہیں انسانوں نے۔'' روحان نے مسکرا کر کہا۔
''کیا مطلب۔۔'' عادل بولا۔
''ابھی سمجھ جاؤ گے۔'' روحان نے بدستور مسکرا کر کہا۔
''ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔۔ جب میں آیا تو دروازہ کھلا تھا۔'' پروفیسر ابدال بولے۔
کسی نے جواب نہیں دیا۔ دوسرے ہی لمحے سب نے ایک حیرت انگیز منظر دیکھا۔ روحان نے ایک لمبی سی جست لگائی تھی اور پھر وہ گیٹ کے دوسری طرف تھا۔
مزمل کی آنکھیں کھل گئیں۔ اتنی لمبی جست تو اس نے صرف فلموں میں ہی دیکھی تھی۔ بس یوں لگا تھا کہ روحان ہوا میں اڑا ہو اور آناً فاناً دوسری طرف۔ پروفیسر ابدال نے حیرت بھری نظروں سے یہ منظر دیکھا تھا۔ شاید اتنا پھرتیلا بندا انہوں نے کبھی پہلے نہیں دیکھا تھا۔ روحان کے انداز سے کہیں سے بھی خوف ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔ اندر داخل ہو کر اس نے دروازہ کھول

دیا۔ دروازہ کھلتے ہی سب اندر داخل ہو گئے تھے۔

''ان درختوں کی آڑ میں چلو۔'' پروفیسر ابدال نے کہا۔

پھر سب نے یہی کیا تھا جلد ہی سب ان درختوں میں تھے۔ گھپ اندھیرے میں ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دے رہا تھا۔ ٹارچ کی روشنی میں وہ سب صحن کی جانب دیکھ رہے تھے۔ ان کو کچھ نہیں دکھائی دے رہا تھا سوائے اندھیرے کے۔

''بارہ بجنے میں صرف پانچ منٹ ہیں۔'' پروفیسر نے سرگوشی کی۔ اندھیرے میں طاری سناٹا بھی پرہول سناٹا محسوس ہو رہا تھا۔

''ماحول تو بہت پراسرار ہے۔'' مزمل زیرلب بڑبڑایا۔

''ہاں ابھی اس پراسرار ماحول میں رنگ چڑھنے والا ہے۔'' پروفیسر کے ہونٹوں پر مسکان تھی۔

''آپ کو ڈر نہیں لگتا۔'' عادل کے منہ سے نکلا۔ اس کی بات پر پروفیسر کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ دوڑ گئی جو فوراً ہی غائب ہو گئی۔

''مجھے ان چیزوں کا بچپن سے ہی شوق ہے۔ پراسرار واقعات اور جنات میری کمزوری رہے ہیں۔''

''آپ جنات کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟'' عادل نے پھر پوچھا۔

''زیادہ نہیں بس اتنا جانتا ہوں۔ جنات زیادہ تر جانوروں کے روپ میں رہنا پسند کرتے ہیں خاص کر بلے کے روپ میں۔۔ اور یہ جس کے دشمن ہو جائیں اس کو پھر چھوڑتے بھی نہیں۔''

بلے والی بات سن کر مزمل نے چونک کر پروفیسر کی جانب دیکھا اور پھر اس کے ذہن میں شام والا بلا گھوم گیا جس نے اس پر حملہ کیا تھا۔

روحان بدستور ان کی باتوں سے بے نیاز صحن کی جانب دیکھ رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے کہ روحان کو پرواہی نہ ہو۔

''روحان میاں! بہت جلد تم جنات کو دیکھ لو گے۔'' پروفیسر نے مسکرا کر کہا۔

جواباً روحان مسکرایا اور بولا۔

''سر ابھی تک تو نہیں دیکھا۔''

''ابھی بارہ میں دو منٹ کم ہیں۔''

اچانک عادل کی نظر صحن کی طرف اٹھیں اور دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے بھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

☆.......☆.......☆

اسی رات ایک بار پھر فہد صاحب نے آرزو بیگم سے تصویر کی بابت پوچھا تھا۔

''ہاں بھئی لڑکا تو پسند ہے ناں اس کو۔''

اس بات پر انہوں نے ایک طویل سانس لی اور بولیں۔

''بھئی ابھی تک اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔''

''کیوں۔ لڑکے کے ابا مجھ سے پوچھ رہے تھے۔''

''ایک بات کہوں۔''

''ہاں ضرور۔''

''آپ ان کو منع کر دیں۔ تو بہتر ہیں۔''

اس بات پر قدرے غصہ میں آ گئے۔

''کمال کرتی ہو تم میں تقریباً ہامی بھر چکا ہوں اور لڑکا اچھا ہے اتنا خاندانی اور پڑھا لکھا

شریف لڑکا کہیں نہیں ملے گا۔"

"بات آپ کی ٹھیک ہے مگر کیا کرسکتی ہوں۔ میں نے ابھی تک پوچھا نہیں ہے۔" آرزو بیگم نے بات گھماتے ہوئے کہا حالانکہ وہ اپنی بیٹی کی باتیں سن چکی تھیں۔

اس کی بات سن کر وہ خاموش رہے قدرے توقف کے بعد بولے۔

"ٹھیک ہے بیگم تم معلوم کرو۔ ہم ایک آدھ دن میں ان کو جواب دے دیں گے۔ ایسے خاندانی لڑکے روز نہیں ملتے۔"

آرزو بیگم نے طویل سانس لی اور پھر کسی سوچ میں ڈوب گئیں۔

ہانیہ کا دل بھر آیا تھا کیونکہ اس نے ماں باپ کی ساری باتیں سن لی تھیں۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رودے کیونکہ وہ ماں باپ کے خلاف بھی نہیں جاسکتی تھی اور مزمل کے بغیر رہنے کا تصور اس کے خواب وخیال میں نہیں تھا۔ وہ تکیے میں منہ چھپا کر رونے لگی تھی۔ آنسوؤں سے تکیہ گیلا ہو چلا تھا۔ کافی دیر تک دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے بعد وہ منہ دھونے کے ارادے سے اٹھی۔ اس نے اپنا ہاتھ اپنے بازو پر لگایا ہی تھا کہ دوسرے ہی لمحے وہ اچھل پڑی کیونکہ وہ تعویذ غائب تھا۔ تعویذ کی غیر موجودگی پاشا کے کہنے کے مطابق اس کو کسی پریشانی میں مبتلا کرسکتی تھی۔ اس نے سوچا کہ اس بات کا ذکر وہ اپنی والدہ سے کرے پھر سوچا کہ وہ پریشان ہوجائیں گی۔ یہ سوچ کر اس نے خاموش رہنا مناسب سمجھا تھا۔ نہ جانے وہ تعویذ کہاں چلا گیا تھا۔ اس کو تو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔ اس نے تو کہیں اتارا بھی نہیں تھا تو پھر وہ کہاں گیا۔

انہی خیالات میں مگن وہ بستر پر لیٹ گئی اور آنکھیں بند کرلیں۔ تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ وہ گہری نیند میں چلی گئی۔ وہ خواب ہی تھا جس میں اس نے اپنے آپ کو ایک نہایت ہی

خوبصورت باغ میں پایا تھا۔باغ چاروں طرف سے ہرا بھرا، دیدہ زیب خوبصورت پھولوں سے بھرا تھا۔ پھولوں کو دیکھ کر وہ خوش ہی ہوگئی۔ایک نہایت ہی فرحت بخش احساس وہ اپنے اندر محسوس کر رہی تھی۔اس نے دیکھا کہ اس کا لباس بھی بدل چکا ہے۔اپنے لباس کو دیکھ کر ہالی وڈ کی مووی سنڈریلا یاد آگئی جس میں اس نے بالکل ہی ایسا سفید رنگ کا فراک پہن رکھا تھا۔ اچانک اس کی نظر آسمان کی جانب اٹھی۔آسمان تو اس کو بالکل ہی نظر نہ آیا بس ایک دھند تھی جو اس کو دکھائی دے رہی تھی۔وہ دھند عنابی رنگ کی تھی۔اچانک اس نے دور سے کسی کو آتے ہوئے دیکھا۔نوارد جیسے ہی قریب آیا۔اس کو دیکھ کر وہ چونک گئی کیونکہ وہ کوئی اور نہیں مزمل تھا۔اس نے دیکھا کہ مزمل نے سفید رنگ کا کرتا زیب تن کر رکھا ہے۔

''مجھے دیکھ کر چونک گئی۔'' وہ اس کے قریب آ کر بولا۔

''ہاں۔''

''کیونکہ۔۔کیا تم کو توقع نہ تھی۔''

''نہیں۔۔لیکن ہم ہیں کہاں۔'' ہانیہ نے پریشان کن لہجے میں پوچھا۔

''محبت کی جنت میں۔۔جہاں صرف ہم اور تم ہوں گے بس۔'' وہ اس کے بالکل قریب آ کر مخمور لہجے میں بولا۔مزمل کو اتنے قریب دیکھ کر ہانیہ ڈر سی گئی۔وہ پیچھے ہٹنے لگی اس کی غزالی آنکھوں سے خوف ظاہر ہونے لگا تھا۔

''مجھ سے ڈرو مت جہاں محبت ہوتی ہے وہاں خوف کا کوئی وجود نہیں۔'' مزمل اس کو گلے سے لگانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔

''شادی سے پہلے سب گناہ ہے مزمل۔'' اس نے کمزور سے ٹوٹے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔شاید اس کو بھی یہ سب اچھا لگ رہا تھا۔

”محبت کوئی جرم نہیں۔“ اس نے اس کو سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔ ہانیہ کچھ جواب ہی دینا چاہتی تھی کہ دوسرے ہی لمحے ایک تیز قسم غراہٹ کی آواز اس نے سنی تھی۔ یہ آواز وہ جانتی تھی آواز کسی بلے کی تھی۔

غراہٹ سنتے ہی وہ دونوں اچھل کر پیچھے ہٹ گئے۔ پھر ہانیہ نے اپنے سامنے اسی سیاہ پوش کو دیکھا جس نے آج بھی حسب معمول اپنا چہرا نقاب میں چھپایا ہوا تھا۔

”کون ہو تم۔“ مزمل نے کانپتے ہوئے پوچھا۔

”تمہاری موت۔ زندہ رہنا چاہتے ہو تو ہانیہ سے دور رہو۔“ آواز قدرے بیٹھی ہوئی تھی۔

ہانیہ یہ سارا منظر بڑی ہی خوفزدہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

”کیوں دور رہوں ہانیہ سے۔“ مزمل نے قدرے غصہ سے کہا۔

”تم ابھی مجھے جانتے نہیں ہو اسلئے ایسا کہہ رہے ہو۔“ انداز مذاق اڑانے والا تھا۔

اس کی بات سن کر مزمل سوچ میں پڑ گیا۔ ہانیہ اپنی جگہ کھڑی خوف سے کانپ رہی تھی۔ اچانک مزمل نے کچھ سوچ کر ہانیہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ہاتھ کا پکڑنا ہی تھا کہ مزمل کو ایک زوردار جھٹکا سا لگا۔ دوسرے ہی پل وہ اڑتا ہوا گرا۔ اس کا سر ایک پیڑ سے ٹکرایا۔ ہانیہ کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ وہ مزمل بے ہوش ہو چکا تھا۔ وہ سیاہ پوش فاتحانہ انداز میں ہانیہ کی طرف بڑھا اور لپک کر اس کی کلائی پکڑ لی۔ گرفت بہت زیادہ سخت تھی۔ ایکبار پھر ہانیہ کے حلق سے چیخ نکلی اور ساتھ ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔ تو گویا یہ سب خواب تھا۔ ایک بھیانک خواب جو کہ بالکل سچ کے قریب تر لگ رہا تھا۔ اس نے طویل سانس لی اور بیڈ پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کا چہرا پسینے میں شرابور تھا۔ سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ وہ چند لمحات تک سر پکڑے بیٹھی رہی تھی۔ تعویذ کے غائب ہو جانے کے بعد یہ پہلی بار تھا کہ اس نے خواب میں آ کر اپنی جھلک دکھائی تھی جو

کہ اس کو ہمیشہ بارشوں میں دکھا کرتا تھا۔ وہی سیاہ پوش جو کہ اس کے خوف کا سبب تھا۔ حواس تھوڑے بحال ہوئے تو اس نے بوتل سے منہ لگا کر پانی پیا۔ اس کا دماغ مسلسل اسی سیاہ پوش کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ آخر وہ سیاہ پوش کون تھا۔ انسان تھا یا کوئی اور مخلوق اس نے سوچا کہ اپنے والدین کو بتا دے۔ اچانک اس کی نظر اپنی کلائی پر پڑی۔ دوسرے ہی پل وہ چونک گئی۔ کلائی بالکل اسی جگہ سے سرخ ہو رہی تھی جہاں سے اس سیاہ پوش نے پکڑی تھی۔ اچانک اس کے کانوں نے ہلکی سی غراہٹ کی آواز سنی۔ یہ آواز اس کے لئے انجانی نہیں تھی۔ اس کا پورا وجود لرزہ براندام ہو گیا۔ کیا اس کے ساتھ وہی سب پھر شروع ہونے والا ہے۔

☆......☆......☆

عادل ان چمکتے ہوئے سایوں کو دیکھ کر خوفزدہ ہو گیا۔ یوں لگ رہا تھا کہ رات کے اندھیرے میں ریڈیم چمک رہا ہو۔ واقعی یوں لگ رہا تھا کہ وہ چمکدار انسانی سائے رقص کر رہے ہوں۔ وہ سائے تعداد میں چار تھے۔ عادل سمیت سب کے رونگٹے کھڑے ہو گئے جبکہ روحان کے ہونٹوں حقارت بھری مسکراہٹ تھی۔

وہ چمکدار سائے ایک جگہ ایک دائرے کی شکل میں گھومتے ہوئے دکھائی رہے تھے۔

''اب بول روحان کیا کہتے ہو۔'' پروفیسر ابدال کی سرسراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''دیکھ رہا ہوں سر۔''

یہ کہہ کر وہ جھٹ سے اٹھا اور صحن کی طرف بڑھ گیا۔

''ارے۔۔۔ بے وقوف لڑکے کہاں جا رہے ہو۔''

''ان چمکدار سایوں سے ملنے۔''

روحان پروفیسر کی طرف دیکھ کر حقارت آمیز انداز میں مسکرایا اور سایوں کی طرف بڑھ

گیا۔سب طالب علموں کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔نہ جانے کیوں روحان کی ذات مزمل کو پراسرار معلوم ہو رہی تھی

”یا تو یہ پاگل ہے۔۔یا پھر بہت دلیر۔“ مزمل بڑبڑایا۔

پروفیسر نے کوئی جواب نہ دیا۔روحان اسی جگہ کھڑا تھا جہاں وہ سایہ لہرا رہے تھے۔پھر جیسے ہی روحان نے ان سایوں پر جست لگائی ان میں کھلبلی مچ گئی۔وہ سائے یوں بھاگنے لگے جیسے ان کے پیچھے کوئی لگا ہو۔پھر وہ سائے ایک ایک کر کے غائب ہونے لگے۔چند لمحات کے بعد وہاں کچھ نہ تھا روحان کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

”کھیل تو شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو گیا۔“ روحان ان کے قریب آ کر بولا۔سب اس کو عجیب سی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔خاص طور پر پروفیسر ابدال۔

”یار تجھ کو ڈر نہیں لگا۔“ عادل نے کہا۔اس کی بات پر روحان ہنس پڑا اور پھر نہایت سنجیدگی سے بولا۔

”جس دن میں ڈر گیا سمجھ لو مر گیا۔ڈر میری موت ہے۔“

اس کی بات پر پروفیسر ابدال اس کو عجیب سی نظروں سے دیکھتا رہ گیا۔

☆......☆......☆

رات والا خواب ہانیہ کے دل و دماغ پر نقش ہو چکا تھا۔ہانیہ اس کو خواب سمجھنے کو تیار نہ تھی۔نہ جانے کیوں اس کو ایسا لگ رہا تھا کہ وہ خواب نہیں تھا کیونکہ اس کی کلائی بھی سرخ ہو چکی تھی۔چنانچہ سوچتے سوچتے اس کو کافی دیر نیند آئی اور صبح آنکھ بھی اس کی دیر سے کھلی۔آنکھ کھلتے ہی اس نے سر پر اپنی امی کو سوار پایا تھا۔

”کیا بات ہے تم ایسے گھوڑے بیچ کر سوئی کہ اٹھانے پر نہ اٹھی۔یونیورسٹی کا وقت بھی نکل

گیا۔“

”وہ امی رات۔۔“ وہ گڑبڑا گئی۔آرزو بیگم بغور اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ان نظروں میں تجسس تھا۔اس طرح پر تجسس نگاہوں سے دیکھنے پر وہ کنفیوز ہو گئی پھر قدرے جھینپ کر بولی۔”وہ امی رات دیر سے آنکھ لگی نیند نہیں آ رہی تھی۔“

”تم کتنا بھی دیر سے سو جاؤ مگر یونیورسٹی کبھی مس نہیں کرتی۔آج پورے دو دن ہو گئے ہیں۔۔“ انہوں نے تجسس بھرے لہجے میں کہا۔ان کی بات پر ہانیہ گڑبڑا گئی۔اس کی سمجھ نہیں آ رہا کیا جواب دے۔

”ہانیہ،تمہارے دل میں جو بھی ہے تم صاف بتا سکتی ہو۔میں تمہارے ساتھ ہوں۔“

ان کی بات پر ہانیہ سوچ میں پڑ گئی کہ وہ مزمل کے بارے میں ان کو بتائے یا نہیں۔۔مگر وہ اس کی ہمت نہیں کر پا رہی تھی۔

”ٹھیک ہے تمہاری مرضی بیٹا۔ناشتہ کر لو اور سامنے والے گھر میں چلی جاؤ۔وہاں ظہر میں قران خوانی ہے۔“ اتنا کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔ان کے انداز میں خفگی نمایاں تھی۔ ہانیہ کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔خیر وہ تیار ہو کر قران خوانی میں چلی گئی تھی۔اس کے جانے کے بعد دروازے کی بیل بجی۔آرزو بیگم نے دروازہ کھولا تو ناز دکھائی دی۔

انہوں نے مسکرا کر اس کو راستہ دیا۔

”آنٹی!ایک کام سے آئے ہیں۔“ ناز نے کہا۔

”ہاں ضرور۔تم روم میں بیٹھو میں دو منٹ میں آئی۔“

وہ ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گئیں۔ناز بار بار اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔تھوڑی دیر کے بعد آرزو بیگم کولڈ ڈرنک کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تھیں۔

”آنٹی، اس کی کیا ضرورت تھی۔“

”تم گرمی سے آئی ہو ناں اس لئے۔“

”آنٹی، ہانیہ کہاں ہے آج بھی وہ نہیں آئی۔“

”قران خوانی میں گئی ہے۔“

”آنٹی! آپ سے بات کرنی تھی۔“ ناز نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

”ہاں بولو بیٹا۔“ ان کا لہجہ کافی نرم تھا۔ ناز چند لمحات تک سوچتی رہی۔ اس کی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ بات کہاں سے شروع کرے۔ آرزو بیگم خاموشی سے اس کے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات کو دیکھ رہی تھیں۔

”آنٹی! میں ہانیہ کے سلسلے میں بات کرنا چاہتی ہوں۔“

”وہ تو میں سمجھ گئی ہوں۔“

”بات دراصل یہ ہے کہ اس کو ایک لڑکا پسند ہے۔ جس کا نام مزمل ہے۔“

اس کی بات سن کر ان کے چہرے کے تاثرات عجیب سے ہو گئے۔

”تو میرا اندازہ ٹھیک تھا۔“ وہ سر ہلا کر بولیں۔

”آپ کو کیسے پتہ چلا آنٹی۔“

اس کی بات سن کر وہ جواباً مسکرائی اور بولیں۔

”میں ایک ماں ہوں۔۔ اور ماں ہر بات کو بھانپ لیتی ہے۔ ویسے بھی اس کے لئے ایک رشتہ آیا تھا اور اس نے ابھی تک ہاں یا ناں میں جواب نہیں دیا۔ اور اس کے ابو چاہتے ہیں کہ یہ رشتہ ہو۔“

”آنٹی، مزمل بہت اچھا لڑکا ہے۔ اپنی ہانیہ کو بہت خوش رکھے گا۔ خاندانی لوگ ہیں گھر

میں ایک ماں ہے اور بس۔"

آرزو بیگم نے کوئی جواب نہ دیا۔ غالباً وہ یہ سوچ رہی ہوں گی کہ اس کو کیا جواب دے۔ ان کو خاموش دیکھ کر ناز نے کہا۔

"آنٹی، میں اس کی تصویر بھی لائی ہوں۔" اتنا کہہ کر اس نے اپنا موبائل آرزو بیگم کے سامنے کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کے والد کی دکھائی ہوئی تصویر سے موازنہ کیا جاتا تو وہ تصویر اس سے کہیں زیادہ اچھی تھی۔

"لڑکا تو اچھا ہے۔"

"آنٹی، آپ سے ملیں گی تو آپ بھی اس کی گرویدہ ہو جائیں گی۔ بہت بااخلاق اور اچھا ہے گارنٹی ہے میری۔"

"مجھے اس رشتہ سے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ مسئلہ تمہارے انکل کا ہے اور انہوں نے غیر رسمی طور پر ہاں کر دی ہے۔ اب اگر میں کچھ کروں گی تو وہ برا مان جائیں گے۔"

"آنٹی، پلیز والدین کے لئے اولاد کی خوشی سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا آپ ایک دفعہ انکل سے بات کریں۔"

"اچھا میں کوشش کرتی ہوں ان سے بات کرنے کی۔" آرزو بیگم نے مسکرا کر کہا۔

"شکریہ آنٹی۔"

ناز کی محنت اور بھاگ دوڑ کا کچھ تو فائدہ ہی ہوا تھا پھر ناز تھوڑی دیر بیٹھ کر وہاں سے چلی آئی تھی۔ آرزو بیگم نے سوچ لیا تھا کہ اپنی بچی کی خوشیوں کی خاطر فہد صاحب سے ضرور بات کریں گی۔

رات ہوئی جب وہ اپنے کمرے میں داخل ہوئے تو انہوں نے خود ہی ذکر چھیڑ دیا۔

''ہاں بھئی کیا ہوا۔''

''منع کر دیا آپ کی بیٹی نے۔''

''منع کر دیا، مگر کیوں۔'' وہ چونک کر بولے۔

''اسکو لڑکا پسند نہیں ہے۔'' انہوں نے دھیرے سے کہا۔

''کیا تم کو بھی پسند نہیں آیا۔''

''نہیں لڑکا اچھا ہے اور مجھے پسند ہے۔''

''پھر وجہ کیا ہے اس کے منع کرنے کی۔ کیا کوئی اور پسند ہے اس کو۔''

اس کی بات پر انہوں نے طویل سانس لی اور پھر بولیں۔

''بالکل ایسی ہی بات ہے۔ وہ لڑکا یونیورسٹی میں پڑھتا ہے۔ شاید دونوں ایک دوسرے کو پسند بھی کرتے ہیں۔۔ اور شادی بھی کرنا چاہتے ہیں۔۔''

یہ سن کر فہد صاحب سناٹے میں آ گئے تھے۔ ان کا چہرا ان کی اندرونی کیفیت کی عکاسی کر رہا تھا۔ ان کے چہرے کو دیکھ کر صاف ظاہر تھا کہ ان کو اپنی بیوی کی بات پر کافی صدمہ ہوا ہے۔

''میں ان کو ہاں کر چکا ہوں اور بڑا مان تھا مجھے اپنی بچی پر کہ وہ اپنے باپ کی پسند کو سر تسلیم کرے گی۔ اس نے کوئی اچھا کام نہیں کیا۔'' وہ دکھی لہجے میں بولے۔

ان کا چہرا اور ان کا دکھ آرزو بیگم خاموش رہی تھیں اور پھر چند لمحات کے توقف کے بعد بولیں۔ ''میں اس سے بات کرتی ہوں۔''

''ہاں اس کو مناؤ اور بتاؤ کہ ماں باپ اپنے بچوں کے دشمن نہیں ہوتے۔''

دوسری صبح ناشتے کی میز پر ہانیہ اور آرزو بیگم تھے۔ فہد صاحب بغیر ناشتہ کیئے ہی دفتر چلے گئے تھے۔

جب ہانیہ نے یہ اپنے ابو کے الفاظ سنے تو اس کا چہرا پھیکا پڑ گیا۔
''ابو کو برا لگا۔''
''ہاں۔ یہ اچھی بات نہیں ہے ہانیہ تم کم از کم مجھے بتا دیتی کہ کوئی لڑکا پسند ہے۔''
''بتانا چاہتی تھی امی مگر ہمت نہیں ہوئی۔''
''اگر مجھے پہلے سے معلوم ہو جاتا۔ تو میں تمہارے ابو سے رشتے کی بات نہ کرتی۔''
یہ سن کر ہانیہ نے ٹھنڈی سانس لی اور پھر بولی۔
''امی! ابو کو ناراض کرنے کا تصور بھی میں نہیں کر سکتی۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ ابو کی مرضی سے ہی میں شادی کروں گی۔ آپ ان کو دفتر میں فون کر کے بتا دیں۔'' اتنا کہہ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔
آرزو بیگم اسکی شکل دیکھتی رہ گئی تھی۔ اپنی بیٹی کے لہجے میں نمی انہوں نے بخوبی محسوس کر لی تھی۔
ہانیہ ڈرائنگ روم سے اٹھ کر اپنے کمرے کی جانب چل دی تھی کیونکہ اس کی تنہائیوں کا واحد رازدار اس کا کمرا تھا جہاں وہ کھل کر رو سکتی تھی۔ جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوئی ایک نہایت ہی فرحت بخش خوشبو نے اس کا استقبال کیا تھا۔ خوشبو اس قدر دلفریب تھی کہ اس پر سحر انگیز کیفیت طاری ہو گئی۔۔ بیڈ کے پاس پہنچ کر اچانک اس کی آنکھیں حیرت و خوف سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ منظر تھا ہی اتنا خوفناک۔
وہ ایک سیاہ رنگ کا خوفناک بلا تھا جو کہ بڑے ہی مزے سے بیڈ پر بیٹھا اپنے دونوں اگلے پاؤں اطمینان سے چاٹ رہا تھا۔ اس کی روشن اور سرخ آنکھیں ہانیہ پر تھیں جیسے وہ کہہ رہی ہو مجھ سے بچ کر کہاں جاؤ گی۔ ہانیہ چلانا چاہتی تھی لیکن چلا نہ پائی۔ نہ جانے کیوں اس کو ایسا لگ رہا تھا کہ اس کا پورا جسم جیسے پتھر کا ہو گیا ہو۔ اس کے وجود میں صرف اس کی آنکھیں ہی تھیں جو

کہ حرکت کرسکتی تھیں۔ وہ بلا بڑے ہی سکون سے بیڈ سے اترا اور ہانیہ کی طرف بڑھنے لگا۔اس کی چال میں کہیں سے بھی جلدی کا کوئی عنصر نہ تھا۔ چند لمحات کے بعد وہ ہانیہ کے پیروں کے پاس پہنچ کر رک گیا۔

ہانیہ نے بہت کوشش کی کہ وہ اپنے جسم کو حرکت دے سکے مگر کامیاب نہ ہوسکی۔ بلا اس کے پیروں کے گرد چکر کاٹ رہا تھا۔ ہانیہ کا خوف سے برا حال تھا۔اچانک اس نے ایک ایسی حرکت کی جس سے ہانیہ کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے ہی رہ گیا۔

بلا بڑی ہی عقیدت اور محبت سے اس کے دونوں پیروں کو چاٹ رہا تھا۔یوں لگ رہا تھا اس کے پیر ہی بلے کی مرغوب ترین غذا ہو۔ ہانیہ نے چلانا چاہا پھر اس کے حلق دلخراش چیخ نکل گئی اور پھر جیسے اس کا وجود ان دیکھی بندشوں سے آزاد ہو گیا۔اس کے حلق سے بے ساختہ چیخ نکلی اور پھر وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ ہوش آنے پر اس نے اپنے آپ کو بیڈ پر پایا تھا۔اس نے اپنے اردگرد اپنے امی ابو کو پایا تھا۔دونوں بڑی ہی تشویش بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔اس کو ہوش میں آتا دیکھ کر ان کی جان میں جان آئی۔

''کیا ہوا تم بے ہوش کیسے ہو گئی۔'' آرزو بیگم نے اس کی طرف دیکھ کر تشویش بھرے لہجے میں کہا۔

اپنی امی کی بات سن کر اس کی آنکھوں میں سامنے وہ منظر گھوم گیا جب وہ بلا اس کے پیر چاٹ رہا تھا۔اس نے اس کے بابت بتانا ہی چاہا تھا کہ اچانک اس کے کانوں میں ہلکی سی غراہٹ کی آواز گونجی جو کہ بلے کی ہی تھی۔ آواز سن کر وہ چونک گئی۔اس نے ادھر ادھر دیکھا مگر اس کو کوئی بلا یا بلی نظر نہیں آئی۔ یوں لگا جیسے اس غراہٹ میں تنبیہ پوشیدہ ہو۔اس کے ابو اس کو بغور دیکھ رہے تھے۔

”کیا ہوا بیٹا۔“ اس کے والد نے محبت پاش لہجے میں کہا۔

”کچھ نہیں۔۔۔ابو بس چکرآ گیا تھا۔“ اس نے بات بناتے ہوئے کہا۔

”سچ بتاؤ۔۔کیا بات ہے۔۔“ آرزو بیگم نے کھوجنے والے انداز میں پوچھا۔

”کچھ نہیں امی۔بس چکرآ گیا تھا۔“

”دیکھو میری بچی۔۔ہم نے تمہارے لئے جولڑکا پسند کیا ہے وہ اچھا ہے اور ماں باپ اپنے بچوں کے دشمن نہیں ہوتے۔“ اس کے ابو نے سمجھاتے ہوئے کہا۔شاید فہد صاحب یہ سمجھ رہے تھے کہ انہوں نے اس کی پسند کے برخلاف رشتہ طے کیا ہے اس لئے وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔

ابو کی بات سن کر اس نے سر جھکا لیا قدرے توقف کے بعد بولی۔

”ابو! مجھے احساس ہے اور مجھے انکار نہیں ہے۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔

اس کی بات سن کر اس کے ابو خوش ہو گئے۔وہ فوراً ہی آرزو بیگم کی طرف متوجہ ہو گئے۔

”دیکھا بیگم میں نے کہا تھا ناں۔۔میری بچی مجھے انکار نہیں کرے گی۔“

آرزو بیگم نے کوئی جواب دیا بس وہ یک ٹک ہانیہ کا چہرا ہی دیکھ رہی تھیں شاید اس چہرے میں ہانیہ کی کیفیت تلاش کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

”ہانیہ،تمہارا تعویذ کہاں ہے۔“ آرزو بیگم نے فوراً ہی پوچھا۔

”وہ۔وہ امی کہیں گر گیا۔“ ہانیہ نے بازو پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

”سچ بولو۔۔ہانیہ تمہاری بے ہوشی کی وجہ کہیں وہ سیاہ پوش تو نہیں۔۔“ اس کی امی نے اس کو تیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

ہانیہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔اس نے سر جھکا لیا۔اب وہ کیا بتاتی کہ سیاہ پوش نہیں وہ بلا تھا

جو کہ میرے پیر چاٹ رہا تھا۔ اگر وہ بتاتی تو لازمی ان کا ہارٹ فیل ہو جانا تھا۔

''تمہاری خاموشی کا مطلب یہی ہے کہ وہ سیاہ پوش دوبارا نظر آیا تھا۔''

اب کی بار ہانیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا یہ دیکھ کر ہانیہ کی والدہ چونک گئی اور فوراً ہی فہد صاحب کو مخاطب کیا۔

''آپ جائیں اپنے دوست کو فوراً ہی بلا لیں۔''

''ٹھیک ہے میں بلا لیتا ہوں۔۔ لیکن کل اتوار ہے اور لڑکے والے آرہے ہیں۔'' فہد صاحب نے کہا۔

''کوئی بات نہیں اللہ مالک ہے کچھ نہیں ہوگا۔ آپ اس کو کال تو کریں۔''

''ٹھیک ہے۔۔''

اتنا کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گئے۔ ان کے جانے کے بعد آرزو بیگم نے ٹھنڈی سانس لی اور ہانیہ کے بالوں میں پیار سے ہاتھ پھیرنے لگی تھی۔ لیکن ہانیہ کا دل و دماغ تو اس بلے پر ہی اٹکا ہوا تھا جو کہ اس کے پیر چاٹ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں ہانیہ کو ایسا محسوس ہوا کہ اگر وہ اس سے خوفزدہ نہ ہوتی تو اس کے پیر چاٹنے سے ضرور سرور بھری کیفیت محسوس کرتی۔ یہ احساس تھوڑی دیر کا تھا پھر معدوم ہو گیا۔

☆......☆......☆

دو دن گزر جانے کے بعد بھی ہانیہ یونیورسٹی میں نہ دکھائی دی تو سب سے زیادہ تشویش مزمل کو ہوئی تھی۔ چنانچہ وہ کیفے ٹیریا میں پہنچ گیا تھا جہاں ناز اپنی دوستوں کے ساتھ موجود تھی۔ وہ کرسی کھسکا کر خود ہی ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ جیسے ہی وہ بیٹھا ویٹر آ کر کھڑا ہو گیا۔

''سب کے لئے آئس کریم اور میرے لئے کولڈ ڈرنک۔'' مزمل نے آرڈر دیا۔

”ارے بھائی، اتنا تکلف۔“ مہوش نے مسکرا کر کہا۔ جواباً وہ بھی مسکرا کر خاموش ہو گیا۔ لمحاتی توقف کے بعد وہ بولا۔

”ہانیہ کیوں نہیں آ رہی۔“

اس کی بات سن کر ناز کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

”یہ تو مجھے معلوم نہیں۔۔ میں اس کے گھر گئی تھی مگر اس سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ وہ کسی کی قرآن خوانی میں گئی ہوئی تھی۔“

”اچھا۔ تو پھر۔“

”بات یہ ہے کہ اس کے ابو نے رشتہ پسند کیا ہے۔۔ اور ہانیہ، بھائی آپ سے پیار کرتی ہے مگر وہ اپنے ماں باپ کی عزت کا پاس رکھے گی اور ان کی پسند کو ترجیح دے گی۔“

اس کی بات سن کر مزمل کا چہرہ اتر سا گیا۔ دوسرے ہی پل اس نے مدھم آواز میں کہا۔

”اور میرا کیا۔۔“

”بھائی آپ پریشان نہ ہوں۔ میں نے آنٹی سے بات کی تھی کوئی نہ کوئی حل نکلے گا ضرور انشااللہ۔“

مزمل جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ اسی وقت ویٹر مطلوبہ آرڈر لے کر آ گیا تھا۔

”ہانیہ اس رشتے سے خوش ہے۔“ مزمل نے پوچھا۔

”نہیں۔۔ وہ میری اچھی دوست ہے اور میں اس کی عادتوں سے واقف ہوں۔ وہ کبھی بھی اپنے والدین سے انحراف نہیں کرے گی۔“ ناز نے جواب دیا۔

”وہ کوئی گائے بیل نہیں کہ کسی بھی کھونٹے سے باندھ دی جائے۔“ مزمل نے قدرے غصے سے کہا۔

''اسی کا نام مشرقی لڑکی ہے۔'' مزمل کی بات کا جواب صندل نے دیا تھا۔

''مشرقی لڑکی مر تو جائے گی لیکن والدین سے آگے نہیں بھاگے گی۔ چاہے زمانہ کتنا بھی ترقی کر لے۔'' مہوش نے سر جھکا کر دھیرے سے جواب دیا۔

اس کی بات سن کر مزمل تڑپ اٹھا اور پھر قدرے چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔

''ناز! جب تم اس کے گھر جاؤ ناں اس کو صرف اتنا کہنا۔ اگر تمہاری بارات اور میرا جنازہ دونوں ساتھ ہی اٹھیں گے لیکن دھوم سے۔''

مزمل کا یہ جملہ روحان کے کانوں سے ٹکرایا تو وہ چونک پڑا اور پھر دوسرے ہی پل اس کے لبوں پر زہریلی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ ان لوگوں کو یہ معلوم ہی نہ تھا کہ روحان اور عادل ان کے بالکل برابر والی میز پر ہی بیٹھے ہیں۔ یہ لوگ تو اپنی ہی دھن میں مگن تھے مگر یہ نہیں جانتے تھے کہ ان کی ساری باتیں روحان سن رہا ہے۔ عادل کے چہرے پر تشویش کے آثار پھیل گئے۔

''یہ کیا چکر ہے بھئی۔'' عادل نے تشویش سے پوچھا۔

''محبت کا اور کیا۔ تم نے ان کی باتوں سے اندازہ نہیں لگایا۔'' روحان نے مسکرا کر کہا۔

اچانک ان کے کان پھر ان کی باتوں پر لگ گئے۔ ناز کہہ رہی تھی۔

''بھائی، ایسا مت کہیں آپ ناامیدی کی باتیں کیوں کرتے ہیں۔''

''مجھے ایک بار اس سے ملا دو پلیز۔ بس ایک بار۔'' مزمل کی آواز ابھری مزمل کا لہجہ نم آلود تھا۔

''اچھا بھائی میں کچھ کرتی ہوں۔''

عین اسی وقت روحان اٹھ کھڑا ہوا اس کے چہرے کے تاثرات عجیب سے تھے۔

''چلو۔ عادل اپن چلتے ہیں۔''

''کہاں۔''

"سیر پر اور کہاں۔" وہ مسکرا کر بولا۔
عادل نے اس کی طرف دیکھا نہ پھر وہ دوسرے پل کانپ گیا کیونکہ روحان کے چہرے پر حد درجہ سنجیدگی جھلک رہی تھی۔

☆......☆......☆

فہد صاحب نے لڑکے اور اس کے گھر والوں کو بلا لیا تھا۔ لڑکے کا نام وقار تھا۔ انہوں نے لڑکے کے والد کو وقار کو خاص طور پر لانے کو کہا تھا تاکہ لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کو دیکھ سکیں تاکہ بعد میں کوئی شکوہ اور شکایت نہ رہے۔ فہد صاحب نے آرزو بیگم کو بتایا کہ پاشا شہر سے باہر گیا ہوا ہے۔ دو سے تین دن میں آجائے گا اور پھر وہ آکر دیکھ لے گا۔
گھر میں صبح سے ایمرجنسی نافذ تھی۔ صفائی ستھرائی کے علاوہ کھانے کا معاملہ بھی دیکھنا تھا۔ اسی دن فہد صاحب کو معلوم ہوا تھا کہ وہ دو دن سے یونیورسٹی نہیں جا رہی تھی۔ دعوت رات کی تھی انہوں نے ہانیہ کو اس کے کمرے میں پکڑ لیا۔
"یونیورسٹی کیوں نہیں جا رہی ہو۔" انہوں نے تیز نگاہوں اس کو گھورتے ہوئے کہا۔
"بس یونہی دل نہیں چاہ رہا، بس کچھ دن گھر پر رہنا چاہ رہی ہوں۔"
فہد صاحب کچھ کہنے ہی والے تھے کہ اسی پل ناز اپنی دوستوں کے ساتھ اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔ ان کو دیکھ کر وہ فوراً ہی کمرے سے باہر نکل گئے۔ ان کے جانے کے بعد ناز اس کی طرف دیکھ کر طنزیہ لہجے میں بولیں۔
"مہارانی صاحبہ نے آج کل یونیورسٹی کا بائیکاٹ کیا ہوا ہے۔ کیوں؟"
"میں نے یونیورسٹی چھوڑ دی ہے۔" اس نے پرسکون لہجے میں کہا۔
"پاگل مت بنو۔" ناز کو غصہ آگیا۔ "مجھے تم سے یہ امید ہرگز نہیں تھی کہ تم اتنے چھوٹے

دل کی ہوگی۔"

"آج مجھے لڑکے والے دیکھنے آرہے ہیں۔" وہ بولی۔

"تو۔" صندل بول پڑی۔" اوہ۔۔نیو زمانے کی لیلیٰ کوئی شادی یا رخصتی نہیں ہوگی جو اس طرح فلمی ہیروئنوں کی طرح آنسو بہا رہی ہے۔"

"میرا دل نہیں چاہتا میں مزمل کا سامنا نہیں کرنا چاہتی۔"

"کیوں؟" ناز نے پوچھا۔

"کیونکہ میں اس سے محبت کرتی ہو۔۔اور میں اس کو اتنا بڑا دکھ نہیں دینا چاہتی۔"

ہانیہ کے منہ سے محبت والا جملہ ادا ہی ہوا تھا کہ اس نے اپنے کانوں میں ہلکی سی غراہٹ کی آواز سنی، جس میں غصہ کا عنصر اس نے صاف محسوس کیا تھا۔ ہانیہ نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا مگر اس کو بلی دکھائی نہ دی۔ اس کے دل میں پھر سے خوف کا احساس جاگزیں ہونے لگا۔ اس نے یہی سوچا کہ وہ میرے آس پاس ہے اس لئے مجھے احتیاط کرنا ہوگی۔

"واہ۔۔یہ کیسی محبت ہے تمہاری۔ جس میں ملن کا کوئی شوق ہی نہیں۔" صدف کا لہجہ طنزیہ تھا۔

یہ سن کر ہانیہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ پھر وہ ہلکے سے بولی۔

"اصل محبت تو وہی ہے جو ناکام ہوجائے۔"

"یہ فلمی مکالمے بند کر۔ اپنے اوپر ظلم نہ کر۔" ناز نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر سنجیدگی سے کہا۔

"مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا میں کروں۔۔بس اس رب سے امید ہے وہی کوئی راستہ دکھائے گا۔"

"ہانیہ، اس بات کی پرواہ نہ کرو کہ تم کوئی دیکھنے آرہا ہے بس انتظار کھو کل سے تم دوبارہ جوائن ہو رہی

ہو یونیورسٹی میں۔ایک بات اور، مزمل نے کہا ہے اگر تم یونیورسٹی نہ آئیں تو وہ مر جائے گا۔"

یہ سننا تھا کہ ہانیہ تڑپ اٹھی اور پھر دوسرے ہی پل اس کی آنکھوں سے پھر آنسو ٹپک پڑے تھے۔اس کو روتا دیکھ کر ناز نے اس کے قریب جا کر بڑے سے پیار سے کہا۔"تم پریشان نہ ہو رب پاک نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

پھر ناز اور تمام لڑکیاں کمرے سے نکل آئیں۔آرزو بیگم صحن میں صفائی میں مصروف تھیں۔

"آنٹی، ہم لوگ مدد کریں۔"

"ارے نہیں بیٹی۔" آرزو بیگم مسکرا کر بولیں۔

"ہم نے ہانیہ کو سمجھا دیا ہے بس آپ اس کو کل یونیورسٹی بھیج دیں۔"

"بہت اچھا کام کیا تم نے بیٹا۔" آرزو بیگم نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

شام ڈھلنے سے تھوڑی دیر پہلے وقار اور اس کی والدہ اور خاندان کی تین عورتیں ہانیہ کو دیکھنے آ گئیں۔

ہانیہ کے والدین نے پرتپاک انداز میں ان کا استقبال کیا۔وقار کی والدہ تو کافی سیدھی معلوم ہو رہی تھی مگر ایک لڑکی جو کہ صورت سے کافی تیز طرار معلوم ہو رہی تھی بڑی ہی تیزی سے چاروں طرف کا جائزہ لینے میں مصروف تھی۔

"ارے میاں۔اپنے ابو کو بھی لے آتے۔"فہد صاحب نے وقار کو مسکرا کر وقار سے پوچھا۔

"انکل وہ بھی ضرور آتے بس طبیعت ناساز ہو گئی تھی اس لئے نہیں آئے۔"

"اوہ۔"

پھر ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد آرزو بیگم نے دستر خوان لگا دیا۔ ہانیہ نے کھانے پینے کی چیزیں دستر خوان پر لگا دیا۔ ہلکے گلابی رنگ کے کرتے پاجامہ میں ہانیہ سچ مچ اس دنیا کی معلوم ہی نہیں ہو رہی تھی۔ وقار نے اس کو دیکھا اور بس دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس کو محسوس ہوا کہ آسمان سے کوئی اپسرا اتر کر دھرتی پر آ گئی ہو۔ ہانیہ نے وقار کی طرف نظریں اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ اس کے چہرے پر چھائی سوگواری اس کی دلکشی میں اضافہ کر رہی تھی۔ خاندان کی دوسری خواتین ہانیہ کی خوبصورتی سے متاثر نظر آ رہی تھیں۔ دستر خوان لگا کر ہانیہ واپس کچن میں چلی گئی۔

ان لوگوں نے کھانے کا آغاز کیا اس میں ہانیہ شامل نہیں تھی۔

''بہن۔۔ آپ کی بیٹی تو ماشا اللہ بہت پیاری ہے ہمارے دل میں اتر گئی ہے۔'' ہانیہ نے یہ جملہ کچن سے سنا تھا جو ساتھ آئی ہوئی ایک خاتون کہہ رہی تھی جو کہ وقار کی بہن تھی۔

''اب ہماری کہاں۔۔ اب تو وہ آپ کی بیٹی ہے۔'' فہد صاحب نے جواب دیا۔ یہ سن کہ ہانیہ دھک رہ گئی۔

''پھر تو جلد ہی ہم اپنی بہو کو لے جائیں گے۔'' یہ جملہ وقار کی امی نے کہا تھا۔

''ہاں بھائی صاحب، پھر اگلے ہفتے ہی تاریخ لینے آ رہے ہیں۔'' وقار کی بہن نے گویا اعلان کیا۔

''ارے اتنی جلدی کیا ہے ابھی تو وہ پڑھ رہی ہے۔'' آرزو بیگم فوراً ہی بول اٹھیں۔

''آپ کی بیٹی جب پڑھائی کر سکتی ہے تو ہماری بہو بن کر بھی کر سکتی ہے۔'' اس کی اماں کا جواب تھا۔ ''اور ابھی ہم تو صرف نکاح کرنا چاہتے ہیں اور رخصتی سال بھر بعد اور نکاح کے بعد گویا ہانیہ ہماری ذمہ داری ہو جائے گی۔''

اتنا سن کر ہانیہ کا چہرا سفید پڑ گیا اور وہ اپنے خشک لبوں پر زبان پھیر کر رہ گئی۔ وہ رات کروٹیں بدلتے ہی گزری تھی ہانیہ کی ۔ تمام رات بس صرف خیالوں ہی خیالوں میں وقار اوراس کی فیملی کے اندیشوں کی نذر ہوگئی۔ وہ لوگ دیوانوں کی طرح ہانیہ کو لے جانے کے لئے بے تاب تھے۔

ہانیہ کو موہوم سی امید تھی کہ شاید وہ لوگ منع کر دیں یا پھر کوئی ایسی بات ہو جائے کہ جس کی بنا پر اس راستے کا دروازہ بند ہو جائے۔ لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔ وقار کو گویا منزل ہی دکھائی دے رہی تھی۔

وہ خوب صورت اور خوب سیرت تھی۔ گویا وقار کی گویا چاندی ہی ہوگئی۔ اس نے چھت کی سمت نظر اٹھائی اور دعا کی تھی اس کا مستقبل مزمل کے ساتھ کر دے۔ وہ اپنے ماں باپ کی بغاوت بھی نہیں کرنا نہیں چاہتی تھی۔ دعا کرتے کرتے کب اس کی آنکھ سے آنسو ٹپکا اس کو پتہ ہی نہیں چلا۔

☆......☆......☆

اور پھر یونیورسٹی میں گویا چاند ہی طلوع ہو گیا تھا۔ وہ چاند ہلکے گلابی رنگ کے شلوار سوٹ میں نکلا تھا۔ مزمل نے اس کو دیکھا تو مبہوت سا رہ گیا۔ وہ آج بہت حسین نظر آرہی تھی۔ ممکن ہے کہ اس نے اس کو دو دن کے بعد دیکھا تھا اس لئے وہ زیادہ حسین نظر آرہی تھی لیکن مزمل کے اس خیال کو ناز نے تقویت دی۔

''ارے واہ ہانیہ، آج تو تم نے محفل ہی لوٹ لی۔'' ناز نے اس کو دیکھ کر مسکرا کر کہا۔ جواباً ہانیہ نے شرما کر مزمل کی طرف دیکھا اور سر جھکا لیا۔ مزمل نے ایک طویل سانس لی اور مسکرا کر رہ گیا۔ ہانیہ کے چہرے پر قدرے مایوسی اور ہونٹوں پر خاموشی تھی۔ اس نے کلاس میں بہت کم

ہی بات کی تھی۔ دوران پیریڈ جب بھی وہ مزمل کی طرف دیکھتی تو اسکو اپنی طرف ہی متوجہ پاتی۔

اسی کلاس میں ایک اور بھی تھا جو کہ ہانیہ کو اتنی کو محبت اور لگاوٹ سے دیکھ رہا تھا۔ جیسے گویا شیشے میں اتار لینا چاہتا ہو یا جیسے وہ اس کو اپنی نظروں میں قید کر لینا چاہتا ہو۔ بعض اوقات وہ گرد و پیش سے اس قدر بے گانہ ہو جاتا کہ جیسے وہ کلاس میں اکیلا ہو۔ اسکے برابر میں عادل بھی موجود تھا جو کہ یہ سب دیکھ رہا تھا۔

''کیوں روحان، سچ بولنا۔ آج وہ بہت حسین معلوم ہو رہی ہے ناں۔'' عادل نے ٹھوکا دیا۔

''ہاں۔'' روحان مسکرایا۔

یہ روحان ہی تھا جو کہ اس کو بار بار دیکھ رہا تھا۔

''آج تم ہانیہ کو دیکھے جا رہے ہو۔''

''ہاں وہ کافی اچھی لگ رہی ہے۔''

''اور اس لڑکی کا کیا جس کے لئے تم نے قبیلہ چھوڑا تھا۔'' عادل نے ہنس کر پوچھا تھا۔

روحان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

''کیا مطلب۔''

''ارے بھئی تم خود کسی سے محبت کا دعویٰ کرتے تھے اور ہانیہ کو دیکھے جا رہے ہو۔''

''کیا تم اس لڑکی کو جانتے ہو۔'' روحان نے سوال کیا۔

''نہیں۔'' عادل چونکا۔

روحان نے ایک لمبی سانس لی اور پھر عجیب سے انداز میں بولا۔

”میں نے اس کی ایک نشانی بتائی تھی۔“

”اوہ۔ہاں تم نے کہا تھا کہ یونیورسٹی کی سب سے حسین ترین لڑکی ہے۔“ عادل کو یاد آ گیا۔

روحان نے اس کی طرف دیکھا اور پھر مسکرا کر بولا۔”اب تم آسانی سے اندازہ لگا لو کہ وہ کون ہے۔“

اس سے پہلے عادل کچھ کہتا روحان اٹھ کھڑا ہوا پیریڈ ختم ہو چکا تھا۔عادل حیران سا اٹھ گیا۔کبھی وہ روحان کو جاتے دیکھتا۔۔اور کبھی ہانیہ کو۔۔

☆......☆......☆

مزمل کے اشارے پر ناز اور دوسری لڑکیوں نے ہانیہ کو گھیرے میں لے لیا تھا۔سب ہی لوگ اب کیفے ٹیریا میں ایک میز کے گرد بیٹھے تھے۔مزمل کی نظریں ہانیہ کے اوپر جمی تھیں اور ہانیہ کو بڑی ہی شرم محسوس ہو رہی تھی۔

”ہاں اب بتاؤ کیا معاملہ ہوا۔“ ناز نے بات شروع کرتے ہوئے پوچھا۔

”لڑکے والے کل گھر آئے تھے۔“

”پھر۔“

”ہونا کیا ہے میں ان کو پسند آ گئی ہوں اب وہ ڈائریکٹ نکاح کریں گے اور ایک سال بعد رخصتی۔“ ہانیہ نے لاپروائی سے شانے اچکاتے ہوئے جواب دیا۔یہ سن کر مزمل تڑپ کر رہ گیا۔

”اور تم بھی راضی ہو۔۔“ مزمل کا لہجہ کافی تلخ تھا۔ہانیہ اور دوسری لڑکیوں نے اس کے لہجے کی تلخی کو محسوس کیا۔ہانیہ نے تو نظریں ہی جھکا لیں۔

”جواب دو۔۔بولتی کیوں نہیں۔“

ہانیہ نے کوئی جواب نہ دیا بس اپنی آنکھیں نم آلود کر لی تھیں۔

”میں جانتا ہوں ہانیہ۔ تمہاری مرضی کے بغیر کوئی بات آگے نہیں بڑھی۔ ہے ناں۔ خوب۔“ آواز میں طنز نمایاں تھا۔

”دیکھو ہانیہ۔“ صدف بولی۔ ”یہ تمہاری زندگی ہے اس کا فیصلہ بھی تم نے ہی کرنا ہے۔ تم چالیس سال پرانی لڑکی نہیں جو اپنے ماں باپ کے ہر ظلم کو خاموشی سے سہہ لوگی۔“

اتنا سننا تھا کہ ہانیہ کو غصہ آ گیا اور تیز اور قدرے تلخ لہجے میں بولی۔

”ہاں مجھے مزمل سے پیار ہے بہت ہے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ مجھے اپنے ماں باپ سے محبت ہے۔ میں یہ بات کس طرح بھول جاؤں۔ انہوں نے مجھے بڑا کرنے کے لئے کتنی تکلیف برداشت کی۔ جب میں بیمار ہوتی تو ابو رات بھر جاگتے تھے۔ میں نے ان سے دل کا کہہ دیا۔ اب وہ نہیں مانتے تو میں ان کی خوشی کے لئے اپنی خوشی کو قربان کردوں گی۔“

اتنا کہتے ہی وہ پھوٹ کر رو پڑی۔ پھر یکدم ہی اٹھی اور کیفے ٹیریا سے باہر نکل گئی۔ ناز اور دوسری لڑکیاں بھی اس کے پیچھے لپکی تھیں۔ مزمل میز پر اکیلا بیٹھا رہ گیا۔

ایک اور بھی تھا جو کہ ہانیہ کو جاتے دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی تلخ مسکراہٹ کھلی ہوئی تھی۔ جیسے جو کچھ اس کی منشا کے عین مطابق ہو رہا ہے۔ اچانک وہ اپنی میز سے اٹھا اور آگے بڑھ کر مزمل کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ مزمل چونک کر مڑا اور پھر حیران رہ گیا۔

”سنو ہانیہ، میری بات تو سنو۔“ ناز ہانیہ کے پیچھے پیچھے چلاتی ہوئی آرہی تھی۔ اس کے لہجے میں شکوہ تھا۔

”ہماری تو بات سنو۔ ہم نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔“

اس کی بات سن کر وہ ایک ہی دم ہی رکی اور پھر پلٹ گئی۔

”تم لوگوں نے میرا کچھ نہیں بگاڑا بلکہ میں نے اپنا خود بگاڑ لیا ہے۔ اور مجھے کسی سے کوئی

شکایت نہیں۔"

"تو پھر ایسی باتیں کیوں کر رہی ہو۔" صندل نے محبت پاش لہجے میں پوچھا۔

وہ کچھ دیر تک خاموش رہی پھر ان تینوں کو دیکھ کر بولی۔ "مجھے شکوہ اس بات سے ہے کہ کوئی میری بات نہیں سمجھ رہا۔ ابو نے میری بات سمجھنے سے انکار کر دیا حالانکہ انہوں نے میری ہر بات مانی، ہر ناز اٹھایا مگر مزمل کو مسترد کر دیا۔ اب تو یہ دنیا ہی بیکار لگ رہی ہے۔"

"مایوسی کفر ہے میری جان۔ اور میرا دل کہہ رہا ہے کہ کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکلے گا۔"

ہانیہ طنزیہ انداز میں ہنسی اور پھر بولی۔ "جھوٹی تسلیاں مت دو۔ آہ میں سوچ بھی نہیں سکتی کہ میں مزمل کے بغیر رہ سکوں گی۔ میرا جسم بے شک کسی اور کی دسترس میں ہوگا اور میری روح میرا دل صرف مزمل کا ہے۔" اس نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"اچھا سنو۔ میں بات کرتی ہوں تمہارے ابو سے۔" ناز نے کہا۔

"کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔۔ وہ نہیں مانیں گے وہ زبان کے بہت پکے ہیں۔"

"کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکلے گا۔ اللہ بڑا ہی کارساز ہے۔" صدف نے کہا۔

"اس رب پر ہی تو بھروسہ ہے۔" ہانیہ سر ہلا کر سنجیدگی سے بولی۔

☆......☆......☆

مزمل نے بڑی ہی حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ یہ روحان تھا جس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ روحان سے پہلے دن اس وقت ملاقات ہوئی تھی۔ جب اس نے اس کو یونیورسٹی میں قدم رکھا تھا۔ دوسری ملاقات پروفیسر ابدال کے گھر پر ہوئی تھی جہاں رات کے اندھیرے میں بڑی بے خوفی سے اس عمارت میں گھس گیا تھا۔ مزمل کو اس وقت بھی وہ بے حد پراسرار معلوم ہوا تھا۔ وہ خود کو اتنا لیے دیے رکھتا تھا کہ عادل کے سوا کسی سے بھی بات نہیں

کرتا تھا۔ آج وہ اس کے سامنے تھا اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

"کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں۔" اس نے نرم لہجے میں کہا۔

"ضرور۔۔" مزمل نے الجھن کے عالم میں سر ہلایا۔

روحان کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"چائے یا کافی۔" اس نے مسکرا کر پوچھا۔

"کچھ نہیں دل نہیں چاہ رہا۔"

"میرا تو دل چاہ رہا ہے۔ پھر آرام سے بات بھی ہو جائے گی۔"

"بات، کونسی بات؟"

"یہ تو چائے کے دوران ہی معلوم ہوگا۔" روحان ہنسا۔

"ٹھیک ہے پھر منگوا لو مگر اپنے لئے۔"

روحان نے ہنس کر سر ہلایا چائے اور پراٹھے کا آرڈر دے دیا۔ مزمل مسلسل الجھن میں تھا کہ وہ آخر بات کیا کرنا چاہتا ہے۔ آرڈر آنے تک دونوں خاموش ہی رہے تھے۔

"تم سوچ سکتے ہو میں تم سے کیا بات کرونگا۔" اس نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ مجھے کیا پتہ۔" مزمل نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں تم سے محبت کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"محبت کے بارے میں۔"

"ہاں۔ محبت کے بارے میں۔ میں جانتا ہوں تم ہانیہ سے محبت کرتے ہو۔"

"تم کو کیسے پتہ۔"

اتنا سن کر وہ زور سے ہنسا اور پھر بولا۔ "دوست میں سب کچھ جانتا ہوں۔ تمہاری ساری

باتیں میں اسی کیفے میں بیٹھ کرسنی ہیں۔"

"اچھا۔" مزمل نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"اب یہ بتاؤ تم ہانیہ سے واقعی محبت کرتے ہو؟"

"ہاں۔۔اپنی جان سے بھی زیادہ۔" اس کے لہجے میں آہنی چٹانوں کی سختی تھی۔

یہ سن کر روحان ہنس پڑا اور بولا "دوست محبت کے بارے میں صرف اتنا موقف ہے اپنا جس سے تم پیار کرتے ہو۔۔وہ صرف تمہاری ہے بس۔۔اور اگر میں کسی سے محبت کرتا ہوں تو اس کو ہر قیمت پر حاصل کروں گا۔۔چاہے مجھے کسی کی جان ہی کیوں نہ لینی پڑے۔" روحان کے لہجے میں مضبوطی تھی۔

"اچھا۔" مزمل نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"بالکل شاید تم اس سے اتنا پیار نہیں کرتے۔" روحان نے ہنس کر کہا۔

"یہ بات نہیں ہے روحان۔بات یہ ہے کہ یہ ہانیہ کے گھر والوں کا معاملہ ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو میں اس کو ضرور حاصل کرتا۔"

"اوہ۔اچھا۔۔" روحان نے اسٹائل سے سر ہلایا۔

مزمل اس کے اوہ سے اندازہ نہ کر سکا کہ وہ طنز کا اظہار تھا یا حیرت۔

"میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں مزمل۔"

"وہ اس لئے پہلی ملاقات میں تم مجھ سے اچھے سے پیش آئے تھے۔اس بات کا بدلہ چکانا ہے۔"

"اوہ۔ہاں مجھے تمہاری پہلی ملاقات یاد ہے۔اور تم نے کہا ہانیہ سے سوری کروں گا۔"

"ہانیہ سے سوری تو نہیں کی۔۔لیکن میں تمہارے کام ضرور آسکتا ہوں۔"

’’لیکن تم کیا کرو گے۔‘‘

’’وہ چھوڑو۔۔یاد ہے ناں میں نے تم سے پہلی ملاقات میں کہا تھا کہ کوئی کام بھی میرے لئے ناممکن نہیں۔‘‘

’’ہاں کہا تھا مجھے یاد ہے۔‘‘

’’بس پھر تم اس لڑکے کا موبائل نمبر لے دو۔پھر دیکھو میرا چمتکار۔‘‘روحان مسکرا کر بولا۔

اس کی بات سن کر مزمل یہ سوچنے لگا کہ یا تو وہ بے وقوف ہے یا پھر ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی کا شکار۔

’’لیکن تم کرو گے کیا؟‘‘مزمل جھلا گیا۔

’’یار وہ میرا کام ہے۔۔تم گڑ کھاؤ،جاؤ دبا کے اور اچار میرے لئے چھوڑ دو۔‘‘اتنا کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کیفے ٹیریا سے باہر نکل گیا۔

ہانیہ نے بڑی مشکلوں سے وقار کا موبائل نمبر دیا تھا۔اس کو ڈر تھا کہ کہیں مزمل لڑ نہ پڑے۔

اس نے اس کو تسلی دی تھی کہ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔

گھر آنے کے بعد وہ اسی کے متعلق سوچتی رہی تھی۔

’’کہیں ایسا تو نہیں کہ مزمل اس سے لڑائی جھگڑا کرے۔کہیں ایسا تو وہ وقار کو ڈرائے گا دھمکائے گا۔‘‘

’’کیا وہ اس کو بتا دے گا کہ ہانیہ اس سے محبت نہیں کرتی۔‘‘

وہ انہی سوچوں میں گم تھی کہ اتنے میں آرزو بیگم کمرے میں داخل ہوئی۔

’’کیسا رہا آج کا دن۔‘‘

’’ٹھیک تھا۔‘‘اس نے گول مول جواب دیا۔

”اس لڑکے نے تم سے کچھ کہا۔“

”جی۔مزمل نے۔“

”جی۔“

”نہیں امی وہ بے چارا اب کیا بولے گا۔میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ اب میں یونیورسٹی نہیں جاؤں گی۔“

”پھر وہی بات۔“ آرزو بیگم نے قدرے غصے سے کہا۔

”بس میں نے سوچ لیا۔“

”کیا اس نے تم سے کچھ کہا۔“

”نہیں۔

”پھر اچانک۔۔“

”بس میں نے کہا ناں امی۔۔میں گھر پر ٹھیک ہوں۔“ ہانیہ چڑچڑاہٹ کا مظاہرہ کرتی ہوئی بولی۔اس کی بات سن کر آرزو بیگم خاموش ہوگئیں۔کچھ ہی لمحے کے بعد وہ پھر چونکی تھیں۔

”ہانیہ،کیا وہ سیاہ پوش تمہیں دوبارا پھر نظر آیا۔“

سیاہ پوش کے نام پر ہانیہ پھر چونک گئی پھر اس کو وہی بلا یاد آنے لگا جو اسی کی طرح سیاہ تھا۔کہیں ایسا تو نہیں کہ سیاہ پوش اور بلا ایک ہی شخصیت کے دو مختلف روپ ہوں۔مگر سیاہ پوش تھا کون،یہ اس کی سمجھ نہیں آیا۔اس بلے سے اس کا کیا تعلق۔۔۔یہ وہ سوالات تھے جس کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

اس نے طویل سانس لے کر اپنی امی کی طرف دیکھ کر نفی میں سر ہلایا تھا۔

☆......☆......☆

وقار اپنے موبائل میں گیم کھیلنے میں مصروف تھا۔ اچانک گیم رک گئی پھر فون بجنے لگا تھا۔ اس بے وقت کی راگنی پر وقار بری طرح سے جھلایا تھا مگر مجبوری تھی کہ فون اٹھانا تھا اور فون تھا بھی کسی انجان نمبر سے جو کہ سیو نہیں تھا۔

''جی السلام علیکم۔ کون؟'' وقار نے فون اٹھاتے ہی سلام کیا تھا۔

''میں تمہارا ایک ہمدرد۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''کیا مطلب۔'' وقار چونک گیا۔

''ایک بات ہے جس سے تم کو خاصا فائدہ ہوگا۔''

''کونسی بات اور تم ہو کون؟''

''نام بتانے سے کیا فائدہ۔'' دوسری طرف سے ہنس کر جواب دیا گیا۔ ''ویسے میں تمہارے بارے میں سب کچھ جانتا ہوں۔''

''کیا جانتے ہو؟'' وقار نے پر تجسس لہجے میں پوچھا۔

''یہی کہ تم بہت جلد شادی کرنے والے ہو۔''

''ہاں۔ شادی تو میں بہت ہی جلد کرنے والا ہوں۔ مگر تم کو کیسے پتہ چلا۔''

''کہاناں میں سب جانتا ہوں۔ اور تمہاری بھلائی چاہتا ہوں۔''

''مگر۔۔۔ کیوں۔'' وقار نے جھلا کر پوچھا۔

''زیادہ تاؤ کھانے کی ضرورت نہیں، آج شام ہوٹل الاسکا میں ملو۔ سب بتا دونگا۔ ہوسکتا ہے کہ سچ جاننے کے بعد تم مجھے دعائیں دو۔''

یہ سن کر وقار کے ماتھے پر سلوٹیں پڑ گئی تھیں۔ کچھ دیر تک سوچنے کے بعد وہ بولا۔ ''ٹھیک ہے میں ہوٹل الاسکا میں پہنچ جاؤں گا۔''

''بہت خوب۔ترقی کرو گے۔'' دوسری طرف سے ہنس کر جواب دیا گیا اور ساتھ ہی لائن منقطع ہوگئی۔

☆......☆......☆

وقار ہوٹل الاسکا میں داخل ہوگیا۔ ہال میں اس کی نگاہ چاروں طرف دوڑ رہی تھی۔ ہوٹل میں داخل ہوتے ہی اس کو اپنی حماقت کا احساس ہوگیا تھا کہ جس شخص کو جانتا ہی نہیں وہ اس سے ملنے چلا آیا نہ ہی اس نے اس سے اسکی کوئی نشانی پوچھی۔ بس وہ اس کے فون پر دوڑا چلا آیا۔ دراصل وقار کو یوں لگا کہ جیسے کہ وہ ہانیہ کے بارے میں کوئی بات کرنا چاہتا ہے۔

اس نے طویل سانس لی اور ایک خالی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ایک ویٹر آکر اس کے سر پر کھڑا ہوگیا۔ اس نے مینیو وقار کو تھما دیا۔

''ون کافی ود کریم۔'' وقار نے مینیو میں سب سے سستا آئیٹم سلیکٹ کیا۔

''ایک میری بھی۔''

ایک آواز سن کر وقار چونک پڑا۔ اس نے سر اٹھایا تو سامنے ایک نوجوان کھڑا تھا۔ نوجوان کی رنگت سانولی ضرور تھی مگر اس کی آنکھیں گہری سیاہ جن میں بے پناہ کشش تھی، اس کے بائیں کان میں زرد رنگ کی چھوٹی سی بالی بھی لٹکی ہوئی تھی اور دائیں ہاتھ پر ایک لال رنگ کی ڈوری بندھی ہوئی تھی۔ اس کے سر کے بال گھنگریالے تھے۔ وقار نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تو وہ کرسی کھینچ کر اس پر بیٹھ گیا۔

''تم وقار ہو نا۔'' سوال مسکرا کر پوچھا گیا تھا۔

''ہاں۔ آپ کی تعریف۔''

''میں روحان ہوں۔''

''روحان۔۔یہ کیسا نام ہے۔''

''یہ میرا خاندانی نام ہے۔خیر چھوڑو ان باتوں کو۔''

وقار محسوس کر رہا تھا کہ روحان میں بلا کا کونفیڈنس موجود ہے۔ایسا لگتا تھا کہ روحان اپنے اوپر ضرورت سے زیادہ بھروسہ کرتا ہے۔

''کیا بات کرنی ہے۔''

''میں ہانیہ کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔''

یہ سن کر وقار اچھل پڑا۔گویا اس کا شک درست ثابت ہوا تھا۔

''تم ہانیہ کو کیسے جانتے ہو؟''وقار نے اس کو شک بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں اس کو بہت عرصے سے جانتا ہوں۔''اس کو لہجہ عجیب سا ہو گیا تھا۔اس کا جواب سن کر وقار اس کو شک بھری نظروں سے گھورنے لگا تھا۔

''یہ بہت دن پہلے کی بات ہے جب۔۔۔''وہ بولتے بولتے رک گیا اور پھر جلدی سے بولا۔''خیر چھوڑو۔۔خالی کافی منگوانے کا کون سا تک ہے۔''

اس کی بات سن کر وقار اس کو عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگا تھا اور کافی بے چین دکھائی دے رہا تھا۔

''ہانیہ بہت خوبصورت ہے ناں بالکل کسی گڑیا کی طرح۔''روحان نے کی چھت کی طرف گھورتے ہوئے کہا۔ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے وہ کسی خیالوں میں گم ہو گیا ہو۔

''ہے۔۔تو۔''وقار کافی الجھن میں پڑ گیا تھا کیونکہ روحان کافی گول مول باتیں کر رہا تھا۔

''تم نے اس کے گھر رشتہ بھجوایا تھا۔''

''نہیں میرے اور اس کے والد کے بیچ میں معاملہ طے ہوا تھا۔''

"بہت خوب۔" روحان نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "سوچو وہ اتنی خوبصورت ہے تو اس کے والد کو خاندان سے باہر رشتہ ڈھونڈنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو۔"

"لڑکی بے چاری ایک پرابلم میں ہے۔"

"کیسی پرابلم۔"

روحان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اتنے میں ویٹر کافی لے کر آ گیا تھا۔

"کچھ کھانے پینے کو ساتھ لے کر آؤ۔ لیکن تین آدمیوں کا۔" روحان نے ویٹر کو کہا۔ اس کی بات سن کر ویٹر اور وقار چونک گئے اور روحان کو یوں دیکھنے لگے کہ جیسے اس کی دماغی حالت پر شبہ ہو۔ ویٹر نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا اور کافی رکھ کر چلا گیا۔ اب وقار روحان کو یوں دیکھنے لگا جیسے کہ روحان پاگل ہو۔

"میں پاگل نہیں ہوں۔ میری خوراک تھوڑی زیادہ ہے۔"

"اوہ۔"

تھوڑے سے توقف کے بعد وقار دوبارا گویا ہوا۔ "صاف صاف بتاؤ کیا بات ہے۔"

اس کی بات سن کر روحان مسکرانے لگا۔ وقار کی بے چینی قابل دید تھی۔

"لڑکی پر جن ہے۔" روحان نے گویا دھماکہ کیا۔ یہ خبر وقار کے لئے ایک دھماکے کی طرح ثابت ہوئی تھی۔ نہ جانے کتنی دیر تک وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے روحان کو دیکھتا رہا تھا۔

"یہ سب تم کیا کہہ رہے ہو۔"

"جو تم سن رہے ہو۔ ایک سچ اور اٹل حقیقت ہے۔"

چند لمحات تک وہ روحان کو دیکھتا رہا اور پھر دوبارا گویا ہوا۔

''تم کو یہ سب کیسے معلوم ہوا اور تم ہو کون؟''

''میں کون ہوں یہ سب کیسے پتہ۔۔ یہ تمہارے کام کی چیز نہیں ہے بس اتنا سمجھ لو جو میں کہہ رہا ہوں۔۔ وہ سچ ہے۔ خاندان میں تم سے اچھے اچھے لڑکے پڑے ہیں مگر اتنا دور رشتہ کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔'' روحان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

وقار سوچ میں پڑ گیا۔ بات واقعی ٹھیک تھی کہ اتنی دور رشتہ کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔

''ایک بات اور بتا دوں لڑکی کا جس شخص نے وقتی علاج کیا تھا اسکا نام پاشا ہے اور وہ ابھی شہر سے باہر ہے اور ہانیہ کے والد کا دوست ہے۔ تم چاہو تو اس سے مل کر سچ جان سکتے ہو۔''

''وقتی علاج۔۔ کیا مطلب؟''

یہ سن کر وہ معنی خیز انداز میں مسکرایا اور پھر بولا۔ ''میں سب جانتا ہوں۔ پاشا نے اس جن کے وقتی طور پر آنے کا راستہ بند کیا تھا۔ لیکن اب وہ راستہ بھی کھل چکا ہے جو تعویز اس کو دیا گیا تھا وہ گم ہو چکا ہے۔ وہ جن جب چاہے گا اس کو اپنا شکار بنا لے گا۔'' روحان کا لہجہ ڈرامائی تھا۔

''اوہ۔۔ کیا تم نے اس جدید دور میں جنوں کو دیکھا ہے۔'' وقار نے پرسکون لہجہ میں کہا۔

اس کی بات سن کر روحان چونک پڑا۔

''میں نے دیکھا تو نہیں مگر میرا تعلق ایک قبائلی خاندان سے ہے جہاں سے عملیات پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے تھوڑا بہت ان جنات کے بارے میں جانتا ہوں اور کچھ عملیات وغیرہ پر بھی عبور ہے۔ اور تم نے کبھی دیکھا ہے جنوں کو۔'' روحان نے پوچھا۔

''دیکھا تو میں نے بھی نہیں، امی جان کی زبانی سنا ہے ان کی ایک مرحوم خالہ پر جن عاشق تھا۔ بہت جتن کئے مگر ٹھیک نہیں ہو پائیں۔ ان کی شادی بھی کروا دی گئی مگر شادی کی پہلی رات

ہی شوہر خون تھوکتا ہوا انتقال کر گیا۔ سسرال والوں نے نکال دیا کہا جاتا ہے۔ جب تک وہ زندہ رہیں اس جن کا تسلط ان پر ہی رہا تھا۔" وقار نے طویل سانس لے کر اپنی بات مکمل کی۔

جن والی بات سن کر روحان کے ہونٹوں پر پراسراری مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"جو جن ہانیہ پر قابض ہے اس سے بہت محبت کرتا ہے اور ہمیشہ ہی اس کے ساتھ رہے گا اس کو ہرانا ناممکن ہے اس لیے بیٹا کنارا کشی کر لو زیادہ بہتر ہے۔ اور ہاں میرے بارے کسی سے ذکر مت کرنا۔" اتنا کہہ روحان اٹھ کھڑا ہوا۔ وقار حیرت سے اس کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا تھا۔

☆......☆......☆

اچانک ہی اس انکار کی وجہ فہد صاحب کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ کل تک تو یہ لوگ کافی پرُجوش تھے مگر اب صاف انکار جو کہ فہد صاحب کو ہضم نہیں ہو رہا تھا۔ ہوا یوں تھا جب کافی دن گزر گئے اور نکاح کے سلسلے میں کوئی پیشرفت نہ ہوئی تو ایک روز انہوں نے خود ہی ہمت کر کے دفتر میں وقار کے والد سے پوچھ لیا۔ پہلے تو وہ آئیں بائیں کرتے رہے اور پھر کھل کر ہی منع کر دیا۔

"دیکھو فہد تم میرے دوست ہو۔ اس لئے میں تم کو دکھ نہیں دینا چاہتا تھا اس لئے ٹال مٹول سے کام لیا۔ اب جب تم جواب سننا ہی چاہتے ہو تو سنو کوئی ایسی لڑکی جس پر جن کا سایہ ہو، اس کو ہم اپنی بہو بنا کر اپنے بچے کی زندگی خطرے میں نہیں ڈال سکتے۔"

یہ سننا تھا کہ فہد صاحب پر سناٹے کی کیفیت طاری ہو گئی۔ ان سے کوئی جواب ہی نہیں بن پڑا تھا کہ وہ کیا کہیں۔ وہ تو یہی سوچ رہے تھے کہ کس نے بتایا کہ ان کی بیٹی پر سایہ ہے۔

جب وہ گھر میں داخل ہوئے تو ان کے ماتھے پر سلوٹیں دیکھ کر آرزو بیگم سمجھ گئی تھیں کہ ضرور

کوئی بات ہے۔

''کیا ہوا خیریت تو ہے۔''

''آں۔۔۔ہاں۔۔۔ذرا چائے بنا دو۔'' اتنا کہہ کر وہ باتھ روم میں گھس گئے۔

ہانیہ اس وقت اپنے کمرے میں ہی تھی۔ وہ کسی کام سے باہر نکلی ہی تھی کہ ٹھٹک کر رک گئی۔ اس نے اپنے کانوں سے اپنی امی کی آواز سنی۔

''کیا بات ہے۔'' چائے دیتے ہوئے آرزو بیگم نے غور سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

''کچھ نہیں بھئی۔''

''بیوی ہوں آپ کی۔ ہر معاملے کی تہہ تک پہنچ جاتی ہوں۔''

فہد صاحب چند لمحات تک آرزو بیگم کی طرف دیکھتے رہے اور پھر بولے۔ ''وقار نے رشتے سے انکار کر دیا۔''

اتنا سننا تھا کہ ہانیہ اچھل پڑی اور فوراً ہی واپس کمرے کی طرف پلٹ گئی۔ اس کو یہ خوشخبری ناز کو سنانی تھی اور باقی باتیں سننے کی اس نے زحمت ہی گوارا نہیں کی۔ اگر وہ پوری بات سن لیتی تو اس کو پتہ چل جاتا کہ رشتے سے انکار کیونکر ہوا ہے۔ یہ سننا آرزو بیگم کے لئے تعجب کی بات نہ تھی بلکہ باعث مسرت تھا کیونکہ وہ دل سے چاہتی تھیں کہ یہ رشتہ نہ ہو۔

''تو انہوں نے وجہ کیا بتائی۔'' آرزو بیگم نے بغیر کسی تاثر کے پوچھا۔

''وہ کسی ایسی لڑکی کو اپنی بہو نہیں بنانا چاہتے تھے جس پر کسی جن کا سایہ ہو۔'' فہد صاحب نے دھماکہ کرتے ہوئے کہا۔ یہ سن کر تو ان کو بھی اب تشویش ہونے لگی تھی کہ ان کو کیسے پتہ لگا کہ ہانیہ پر سایہ ہے کہیں یہ بات پورے شہر کو نہ پتہ لگ جائے۔

''یہ بات ان کو کیسے پتہ لگی۔''

"پتہ نہیں۔" فہد صاحب تشویش بھرے انداز میں بولے۔
"آپ ایسا کریں معلوم کریں اور پھر پاشا کو بھی بلوا لیں۔"
"اگر یہ بات اور کسی کو معلوم ہوئی تو کون شادی کرے گا ہانیہ سے۔" فہد صاحب نے غمگین لہجے میں کہا۔
"ایک لڑکا ہے جسے ہماری بچی پسند کرتی ہے۔" آرزو بیگم نے موقع دیکھ کر مزمل کی بات کی۔ان کی بات سن کر فہد صاحب آرزو بیگم کی طرف دیکھنے لگے تھے۔
"اگر اس نے بھی مسترد کر دیا تو۔۔۔" فہد صاحب نے کہا۔
"اگر وہ ہماری ہانیہ کو سچے دل سے پسند کرتا ہے تو سچ معلوم ہونے کے بعد بھی مسترد نہیں کرے گا۔" آرزو بیگم نے سکون بھرے لہجے میں کہا۔
"مجھے سوچنے دو پھر بتاتا ہوں۔" فہد صاحب پھیکی سی مسکراہٹ سے بولے۔

☆......☆......☆

ایک بار کیفے ٹیریا میں ساری محفل جمی ہوئی تھی۔ اس میں ہانیہ، مزمل، ناز اور باقی لڑکیاں بھی شامل تھیں۔محفل میں سب کے چہرے پر خوشی دکھائی دے رہی تھی۔مزمل بس ہانیہ کو دیکھے جا رہا تھا۔سوگواری میں بھی وہ حسین نظر آتی تھی اور خوشی کی کیفیات میں بھی۔
سب کو یہ سوال لاحق تھا آخر ایسا کیا ہوا کہ انہوں نے کھل کر منع کر دیا۔مزمل کو اس بارے میں کسی قدر معلوم تھا کہ روحان نے اسکا پتہ لیا تو مگر پھر اس نے ایسا کیا چکر چلایا کہ مزمل کی اپنی لائن کلیر ہوگئی۔اس نے خود سے روحان سے ملنے کی کوشش کی لیکن نہ تو وہ یونیورسٹی میں دکھائی دیا اور نہ ہی کلاس میں اس نے عادل سے پوچھا تو اسکا بھی یہی جواب تھا۔
"پتہ نہیں روحان ہفتہ بھر سے نہیں آیا۔"

”اوہ۔“

”ہاں۔“

”کیا تم کو اس کا گھر معلوم ہے۔“

”نہیں۔“ عادل نے جھوٹ بول دیا۔ اب وہ کیا بتاتا کہ روحان کہاں رہتا ہے، خاموشی ہی میں ہی بہتری تھی۔

”کیا روحان سے کوئی کام تھا۔“ عادل نے کھوجنے والے انداز میں پوچھا۔

”نہیں کام کوئی خاص نہیں بس بہت دن سے نظر نہیں آیا اس لئے۔“

اب وہ کیفے ٹیریا میں بیٹھا روحان کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔

”ایسا کیا ہوا سانپ بھی مر گیا اور لاٹھی بھی محفوظ رہی۔ جب مجھے کال کر کے ہانیہ نے بتایا تو مجھے یقین ہی نہیں آیا کہ وہ انکار بھی کر سکتے ہیں۔“ ناز مسکرا کر بولی۔

”یقین تو مجھے بھی نہیں ہوا۔ اس لئے ساری بات سنے بغیر کمرے میں دوڑ گئی۔ نہ جانے انہوں کیوں انکار کیا ہوگا۔“ ہانیہ نے مسکرا کر کہا۔

”پتہ نہیں۔ لیکن اچھا ہوا مزمل بھائی کے لیے رستہ صاف ہو گیا۔“ صندل نے ہنس کر کہا۔

”مجھے تھوڑا اندازہ ہے۔“ مزمل نے جواب دیا۔

”کیا مطلب۔“ ہانیہ نے چونک کر پوچھا۔

”مطلب یہ کہ میں ناز کی مدد سے تم سے وقار کا نمبر لیا تھا ناں۔“

”ہاں۔ لیا تو تھا اور میں ڈر رہی تھی کہ تم کہیں اس سے جھگڑا نہ کر بیٹھو۔“ ہانیہ مسکرائی۔

”میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ یہ کام روحان کا معلوم ہوتا ہے نمبر اس نے لیا تھا۔“

”روحان نے۔“ کئی آوازیں ابھریں۔

”یہ روحان کو کیا ہوا۔ اس نے پتہ کیوں لیا تھا۔“ ناز نے حیرت سے پوچھا۔

”میں نے پوچھا تھا مگر اس نے صرف اتنا کہا تھا کہ وہ مدد کرنا چاہتا ہے۔“ مزمل نے کہا۔

”حیرت ہے۔“ ہانیہ بڑبڑائی۔ ”اس کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ کسی کے معاملے میں ٹانگ اڑانے کی۔ اور واقعی اس نے ایسا کام دکھایا کہ ان لوگوں نے منع ہی کر دیا۔“

”ہاں شاید۔“

”مگر اس نے ایسا کیا کیا ہو گا۔“ مزمل بڑبڑایا۔

”یہ تو روحان ملے گا تو پتہ چلے گا۔“ ناز نے جواب دیا۔

”ویسے مجھے یہ بڑا عجیب آدمی لگتا ہے۔“ صندل نے سنجیدگی سے کہا۔

”وہ تو ہے۔۔ نہ جانے کیوں مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے۔“ اب کی بار ہانیہ کا جواب تھا۔

☆......☆......☆

عادل کو ہر صورت میں روحان سے ملنا تھا۔ اس کو یوں بغیر وجہ غائب ہو جانا ایک معمہ تھا۔ جس کو آج اس نے طے کیا ہوا تھا کہ وہ روحان سے ضرور ملے گا چنانچہ وہ گھر سے نکل پڑا۔ اس کا رخ اسی علاقے کی طرف تھا۔ وہی پان والا اپنے کام میں مگن تھا۔ کیبن پر غزل بج رہی تھی۔ غزل کے بول بہت عمدہ تھے۔ پان والا غزل کے بول سنتا ہوا پانوں پر کتھا لگا رہا تھا۔

”ہم سے بدل گیا وہ نگاہیں تو کیا ہوا۔ زندہ ہیں کتنے لوگ محبت کئے بغیر۔

گزرے دنوں میں جو کبھی گونجے تھے قہقہے اب اپنے اختیار میں وہ بھی نہیں رہے۔

قسمت میں رہ گئیں جو آہیں تو کیا ہوا۔ صدمہ یہ جھیلنا ہے شکایت کئے بغیر۔“

اس غزل میں عجیب سی بات تھی دل میں اتر جانے والی۔ عادل لمحہ بھر کے لئے کھو سا گیا۔ آواز نہایت ہی مدھرا اور سریلی تھی۔ یوں لگتا تھا کہ سارے جہاں کا درد اور چاشنی اس آواز

میں سما گئی ہو۔ جب غزل ختم ہوئی، عادل کے قدم ازخود اس کی جانب اٹھ گئے۔

''بہت خوبصورت غزل ہے۔'' عادل نے پان والے کے پاس جا کر کہا۔

''ہاں میاں ہے تو۔'' پان والے نے اسکی طرف دیکھے بغیر کہا۔

''کس کی ہے۔''

''تف ہے تم پر۔۔تم مرحوم مہدی حسن کی آواز نہیں پہچانتے۔''

عادل شرمندہ سا ہو گیا اس کی سمجھ نہیں آیا کہ وہ کیا کہے۔ یہ بات سچ تھی آج کی نسل بہت ہی کم اپنے لیجنڈز کو جانتی تھی۔

''ارے میاں تم بے ہنگم سازوں اور بے معنی اچھل کود کو موسیقی کہتے ہو۔'' پان والا باقاعدہ موسیقی پر لیکچر جھاڑنے پر تیار ہو گیا۔

''ہاں صاحب وہ تو جگت استاد تھے۔ ایک پان دے دو سادہ خوشبو والا پچی ڈال کے۔''

''اوہ۔۔ابھی لو۔'' اتنا کہہ کر موٹا پان والا پان بنانے لگ گیا۔ ''سنا مہدی حسن خاندانی گویئے تھے اور باقاعدہ باوضو ہو کر ریاض کرتے تھے۔'' پان والا پان بناتے بناتے بولا۔

''مجھے نہیں معلوم کیونکہ میں اس دور میں پیدا نہیں ہوا تھا۔'' عادل نے منہ بناتے ہوئے جواب دیا کیونکہ وہ میوزک کے تذکرے سے اکتا گیا تھا اتنا خاص شوق بھی نہیں تھا اس کو میوزک کا۔

اس کی بات سن کر پان والا چند لمحہ تک اس کی جانب دیکھتا رہا۔

''ارے میاں ناراض کیوں ہوتے ہو، یہ لو پان۔'' اس نے پان کی گلوری عادل کو دیتے ہوئے کہا۔ اور عادل نے فوراً ہی پان کو منہ میں دبا لیا تھا۔

''آپ کہاں آئے ہوئے ہیں۔''

”میرا دوست ہے میں اس کے پاس آیا ہوں۔“

”اوہ اچھا۔نام کیا ہے۔“

”روحان۔“

”ایں۔“موٹا پان والا چونک گیا۔”ارے میاں اس گلی میں کوئی روحان نہیں رہتا۔بیس سال ہو گئے ہمیں ایک ایک بندے سے واقف ہیں ہم۔“

عادل نے سر ہلایا اور کان دبا کر گلی میں آگے بڑھ گیا۔اب مسئلہ یہ تھا کہ اس ویران گھر سے کس طرح روحان کو اپنی طرف متوجہ کرے۔اس نے ادھر ادھر دیکھا اور دروازے کے قریب ہوتا گیا کوئی بھی اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

عادل نے فوراً ہی دروازے کی طرف ہاتھ بڑھایا اور پھر دروازہ اپنے آپ اندر کی طرف کھلتا چلا گیا۔یہ دیکھ کر عادل چونک گیا۔

☆......☆......☆

ہانیہ کو رہ رہ کر روحان کا خیال آ رہا تھا۔نہ جانے اس نے ایسا کیا کیا تھا کہ انہوں نے اس رشتے سے منع ہی کر دیا تھا۔اس کو بے حد خوشی تھی اس بات کی کہ وہ اب وہ بہت جلد مزمل کو بول سکے گی کہ اپنے گھر والوں کو بھیجو۔آخر ایسا اس نے کیا جادو کیا تھا کہ کل تک نکاح کی جلدی کرنے والے یکدم ہی دم دبا کر رہ گئے۔

دوسری طرف آرزو بیگم نے ہانیہ کو بالکل ہی نہیں بتایا کہ انہوں نے رشتہ توڑنے کی کیا وجہ بتائی ہے۔فہد صاحب کو انہوں نے منع کر دیا تھا کہ ہانیہ کو کچھ بھی نہ بتائے۔انہوں نے سوچ لیا تھا کہ ہانیہ کے پسند کے لڑکے کو سب سچ بتا دیں گی اس کے بعد جو وہ فیصلہ کرے۔

ہانیہ بیڈ پر لیٹی لیٹی از خود مسکرائے ہی جا رہی تھی۔اس کے چہرے پر بکھرے شفق کے رنگ

اور زیادہ ہی گہرے ہو گئے تھے۔اچانک آرزو بیگم کمرے میں داخل ہوئیں۔ان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔وہ فوراً ہانیہ کے قریب آ کر بیٹھ گئیں اور محبت بھری نظروں سے دیکھنے لگیں۔

"آج وقار کے گھر والوں کی طرف سے پیغام آ گیا ہے۔"

"اچھا۔کیا۔"اسکا دل دھڑکنے لگا۔وہ یہی سوچ رہی تھی کہ انہوں نے کہیں اپنا فیصلہ تو نہیں بدل دیا۔ایک بار پھر اس کو وسوسوں نے گھیر لیا۔

"ان لوگوں نے صاف صاف منع کر دیا۔"

ہانیہ نے چونک کر انکی طرف دیکھا اور پھر دوسرے ہی لمحے نظر جھکالی۔حالانکہ اس کو پہلے سے ہی علم تھا۔اس نے اپنے والدین کی باتیں سن لی تھیں۔اپنی والدہ کے منہ سے اس خبر کی تصدیق سن کر اس کو دلی مسرت حاصل ہوئی تھی۔

"اب تم اس لڑکے کے والدین کو بلوالو جس کا ذکر تم نے اپنی دوستوں سے کیا تھا۔" آرزو بیگم نے مسکرا کر کہا۔

اس کی بات سن کر ہانیہ نے چونک کر سر اٹھایا اور پھر دوسرے ہی پل اس کا سر شرمگیں انداز میں جھک گیا۔ہانیہ کو یوں شرم سے نظریں جھکاتا ہوا دیکھ کر آرزو بیگم ہنس پڑیں اور آگے بڑھ کر اس کا ماتھا چوم لیا۔

"میری بچی، میں پہلے بھی اس رشتے کے خلاف تھی لیکن تمہارے ابو کی زبان کا پاس بھی رکھنا تھا خیر اب اس کو بلالو۔لیکن اس سے کچھ نہ چھپانا سب بتادینا اس سیاہ پوش کے بارے میں۔"

ہانیہ نے یہ سب سنا تو مسرت کے احساس سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔اس کی نگاہیں از خود ہی چھت کی جانب اٹھ گئیں۔

☆......☆......☆

عادل نے آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً کھلے ہوئے دروازے سے اندر داخل ہو گیا کیونکہ اس کو دروازے کے اندر روحان کھڑا نظر آیا تھا۔اندر داخل ہوتے ہی روحان نے فوراً ہی دروازہ بند کر دیا۔

”آ گئے تم۔میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔“

”لیکن تم کو کیسے معلوم ہوا کہ میں آنے والا ہوں۔“

”جانو۔دل سے دل کو راہ ہوتی ہے۔“وہ بائیں آنکھ دبا کر مسکرا کر بولا۔

”تم یونیورسٹی کیوں نہیں آ رہے۔“

”بس ایسے ہم تو موڈ کے ہیں۔“

”یار،تمہاری وہاں بڑی واہ واہ ہو رہی ہے ہانیہ کی فرینڈز کے گروپ میں۔“

”ارے۔“روحان مسکرایا۔

”اتنے بھولے مت بنو۔تم نے وقار کے ساتھ کیا کیا ہے۔“

”کچھ نہیں کیا۔بس اس کو کچھ کہا ضرور ہے۔“

”تم نے جو کچھ کہا ہے۔اس کا جادوئی اثر ہوا ہے۔“

”زیادہ کچھ تو معلوم نہیں مگر اتنا ضرور پتہ چلا ہے کہ ہانیہ کو جو لوگ دیکھنے آئے تھے۔انہوں نے صاف انکار کر دیا ہے۔“

”بہت خوب۔“

”ایک بات پوچھوں۔جس لڑکی سے تم محبت کرتے ہو۔وہ ہانیہ ہے ناں۔“

اتنا سننا تھا کہ روحان چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔وہ چند لمحات تک اس کی طرف دیکھتا رہا اور پھر بولا۔”تم کو کیسے پتہ۔“

"ارے۔۔تم نے تو بتایا تھا۔"

"میں نے کب؟"

اس کی بات پر عادل نے ایک قہقہہ لگایا اور پھر بولا۔"میرے بھولے بادشاہ یاد کر۔۔تم نے کہا تھا کہ وہ اس یونیورسٹی کی سب سے حسین لڑکی ہے۔اور میرے خیال سے ہانیہ اس وقت سب سے زیادہ حسین لگ رہی تھی اور تم اس کو دیکھ بھی رہے تھے۔"

"اچھا۔تم واقعی کافی سمجھدار نکلے۔۔میری توقع کے برعکس۔" روحان نے ہنس کر کہا۔

"وہ ہانیہ ہی ناں۔"

"چل یار کچھ کھاتے ہیں بھوک لگی ہے تکہ بوٹی کا موڈ ہے۔"

"بات مت گھما روحان سچ بول رہی ہے ناں۔"

"ہاں۔" وہ ہنس کر بولا۔

"یہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو۔" عادل نے گیٹ سے باہر نکلتے ہوئے بولا۔

"کیا مطلب۔"

"تم کو اپنا راستہ صاف کرنا چاہیے اور تم نے مزمل کا راستہ صاف کر دیا جبکہ تم کو اس کے دل میں اپنے لئے راستہ بنانا تھا۔" عادل نے دل کی بات کہہ دی۔

"میں ایسا کر رہا ہوں میرے دوست۔" روحان نے کہا۔

"کیوں۔"

دونوں ہوٹل کے اندر داخل ہو گئے۔

"وجہ تو مجھے خود بھی نہیں پتا۔۔"

دونوں جا کر ایک خالی ٹیبل پر بیٹھ گئے۔جیسے ہی وہ دونوں بیٹھے اسی لمحے بیرا بھی آ گیا۔

اب جو روحان نے کھانے کا آرڈر دینا شروع کیا تو بیرا روحان کو اور آرڈر کو حیرت زدہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

''او یار، یہ اتنا ہی کھاتا ہے۔ تم سب کچھ ذرا جلدی ہی لے آنا۔'' عادل نے کہا۔

ویٹر نے حیران کن انداز میں سر ہلایا اور چلا گیا۔

''یہ کیا بات ہوئی تم جس کی وجہ سے اپنا علاقہ اور قبیلہ چھوڑ کر اس ویران جگہ پر پڑے ہو کتنی عجیب سی بات ہے کہ اس کو پتہ ہی نہیں اور نہ تم اس کو اپنے دل کا حال سناتے ہو۔''

روحان خاموش رہا۔ عادل دوبارا بولا۔ ''جواب دو۔۔ میں آج تم کو چھوڑنے والا نہیں ہوں۔''

روحان نے عجیب سے انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ نہ جانے کیوں عادل کو ایسا لگا کہ اس کے چہرے پر چٹانوں کی سی سختی عود آئی ہو۔ پھر وہ بڑے ہی باوقار انداز میں بولا۔

''میرا نام روحان ہے میں جب بھی قدم اٹھاؤں گا۔۔ تو راستہ از خود ہی بنتا چلا جائے گا۔ نہ میں کسی روشنی کا محتاج ہوں اور نہ ہی کسی سہارے کا، نہ ہواؤں کے رخ کا۔ ہانیہ صرف میری ہے اور میری ہی رہے گی۔۔ سمجھے تم۔'' روحان کا لہجہ بدلا ہوا تھا۔

عادل نے بڑی ہی حیرت بھری نظروں سے اس کی بات سنی تھی۔ نہ جانے کیوں عادل کو روحان سے خوف محسوس ہونے لگا۔ روحان کو یہ وہ عادل نہیں لگا تھا۔ اسی پل بیرے نے مطلوبہ آرڈر میز پر لگانا شروع کر دیا۔

''ارے بھئی کھانا شروع کرو یار۔ روحان نے مسکرا کر کہا۔

عادل اس کو چونک کر دیکھنے لگا تھا۔

☆......☆......☆

خبر ہی اتنی خوشی کی تھی کہ مزمل کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تھے۔ جب اس کو ناز کے ذریعے سے اس خبر کا پتہ چلا تھا۔ اس نے پھر ناز سے ہانیہ سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ ناز نے تھوڑا سا پس وپیش سے کام لیا تھا اور پھر وہ راضی ہو گئی تھی چنانچہ وہ دونوں اس وقت ایک کافی ہاؤس میں موجود تھے۔ مزمل اس کافی ہاؤس میں بہت پہلے سے آ گیا تھا۔ اس کو ناز اور ہانیہ کا انتظار قریب ڈیڑھ گھنٹہ کرنا پڑا تھا۔ اس دوران وہ دو کپ کافی پی چکا تھا اور اپنا کافی خون جلا چکا تھا۔ موسم کافی ابر آلود تھا۔ امکان تھا کہ کسی بھی لمحے بارش ہو سکتی ہے۔

''کہیں دیر تو نہیں ہو گئی۔'' ہانیہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے شرارتاً پوچھا۔

''کشمیر آزاد کروا کے آنا تھا۔'' مزمل نے جل کر کہا۔ اس جملے پر وہ دونوں ہنس پڑی تھیں۔

''غلطی میری نہیں ہے۔ ناز کی ہے اس نے تیار ہونے میں اتنا وقت لگا دیا۔'' ہانیہ نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ہاں بیٹا، میری غلطی ہے میں نے ہی لباس کا انتخاب کرنے میں ہی گھنٹہ لگا دیا۔'' ناز نے مصنوعی غصے سے جواب دیا۔

اس پر مزمل نے ہانیہ کی طرف دیکھا تو واقعی دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس نے اس سے پہلے ہانیہ کو اتنا حسین محسوس نہیں کیا تھا۔ سفید اور آف وائٹ رنگ کے امتزاج سے مزین شلوار سوٹ اس پر ہلکا سا میک۔ اف اس کے منہ سے از خود ایک شعر نکل گیا۔

اتنے حجابوں پر تو یہ عالم ہے حسن کا
کیا حال ہو جو دیکھ لیں ہم پردہ اٹھا کے

شعر کا سننا تھا کہ ہانیہ شرما سی گئی جبکہ ناز مسکرانے لگی تھی۔

''میں واش روم سے ہو کر آتی ہوں۔'' ناز نے اٹھتے ہوئے کہا۔ مزمل نے اثبات میں

سر ہلایا۔ناز کے جانے کے بعد وہ مسکرا کر اس کی جانب دیکھنے لگا جب کہ ہانیہ کی نظریں میز کی جھکی ہوئی تھیں۔

''تم نے آج مجھے بہت انتظار کروایا۔''

''جانتی ہوں مگر جو مزا انتظار میں ہے وہ کسی اور چیز میں نہیں۔'' ہانیہ نے نظریں اٹھائے بغیر مسکرا کر جواب دیا۔

''انتظار کی لذت تو صرف چاہنے والے ہی محسوس کرتے ہیں۔'' اتنا کہہ کر مزمل نے اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کو چھو لیا۔جیسے ہی اس نے ہانیہ کو چھوا، ہانیہ کو اپنے اندر ایک کرنٹ سا دوڑتا ہوا محسوس ہوا۔پسینے کے قطرے اس نے اپنے ماتھے پر محسوس کئے تھے اور فوراً ہی گھبرا کر اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔مزمل نے دیکھا کہ ہانیہ کا چہرا سرخ ہو چکا ہے اور ماتھے پر پسینے کے قطرے جھلملا رہے ہیں۔

''اتنا پسینہ ہانیہ۔۔ابھی موسم بھی کتنا رومانوی ہے۔'' مزمل مسکرایا۔

''آپ کے ہاتھ پکڑتے ہی مجھے یوں لگا جیسے۔۔'' اس سے آگے وہ کچھ بول نہ سکی اور شرما کر خاموش ہو گئی۔مزمل سمجھ گیا کہ ہانیہ کیا کہنا چاہتی ہے لیکن وہ خاموش رہا اور پھر قدرے توقف کے بعد بولا۔

''پہلے یہ بتاؤ تمہارے گھر کب آنا ہے۔''

''کس سلسلے میں۔'' وہ انجان بن گئی۔

''کام ہے بھئی۔''

''کون سا کام۔''

''تمہارے گھر میں ایک چڑیل آ گئی ہے۔اس کو لے کر جانا ہے۔'' مزمل نے مسکرا کر کہا۔

اتنا سننا تھا کہ ہانیہ چونک گئی۔ دوسرے ہی لمحے غصے سے بولی۔

''تو میں چڑیل ہوں۔''

''نہیں۔۔۔ ارے نہیں میری اتنی ہمت کہاں میں تو میں ڈائن کی بات کر رہا تھا۔'' مزمل ہنس کر بولا۔

''مزمل، میں تمہارا منہ نوچ لوں گی۔'' ہانیہ نے جل کر کہا۔

''ارے نہیں۔۔۔ ایسا غضب مت کرنا ورنہ میں اپنا زخمی چہرا لے کر شادی کیسے کروں گا۔'' مزمل اتنا کہہ کر ہنسنے لگا تھا۔ اسے ہنستا دیکھ کر وہ بھی ہنس پڑی تھی۔

''اچھا۔۔ تو سنو میں رشتہ لے کر آنا چاہتا ہوں۔'' مزمل نے سنجیدہ ہو کر کہا۔

''تو مجھے کب انکار ہے۔'' ہانیہ نے دھیرے سے کہا۔ دوسرے لمحے ہی وہ چونک پڑی۔

''ارے ناز کہاں وہ واش روم میں سو گئی کیا۔''

''سمجھ دار ہے۔ کباب میں ہڈی بننا نہیں چاہتی۔'' مزمل مسکرایا۔ جواباً وہ بھی مسکرا دی۔

''ایک بات ہم لوگ اتوار کو تمہارے گھر آ جائیں گے۔ مگر ایک مسئلہ ہے جب میں تمہارے گھر کی طرف جاتا ہوں وہی بلا جس نے ہاتھ پر پنجہ مارا تھا میری گاڑی کے سامنے سے گزرتا ہے۔''

بلے کے نام پر ہانیہ چونک گئی۔ اس کو وہ لمحہ یاد آنے لگا جب بلے نے اس کے پاؤں چاٹے تھے۔

''وہ بلا آپ کو کہاں ملتا ہے۔'' ہانیہ نے جھرجھری لے کر پوچھا۔

''گلی میں۔''

''یہ بلا اکثر مجھے بھی تنگ کرتا ہے۔''

اتنا سننا تھا مزمل چونک گیا۔

"ارے۔۔کب۔"

"چھوڑیں۔اس بات میں آپ کو ایک بات بتاتی ہوں۔آپ کو میری ہر بات معلوم ہونی چاہیے۔"

مزمل چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔اسی پل ناز بھی واپس آ کر بیٹھ گئی تھی۔وہ بھی ان دونوں کی بات سننے لگی تھی۔

"یہ وہی بلا ہے جو مجھے تنگ کیا کرتا ہے۔"

پھر ہانیہ نے شروع سے لے کر آخر تک ساری بات گوش گزار کر دی تھی جس میں اس سیاہ پوش کا تذکرہ بھی تھا۔بس وہ پاؤں چاٹنے والا ذکر حذف کر دیا تھا۔مزمل یک ٹک ساری بات سنتا رہی رہا تھا۔

"میرے خیال سے یہ قصہ تم نے پروفیسر ابدال کے سامنے سنایا تھا اور اس وقت میں اس قصہ کو مذاق سمجھا تھا۔"

"نہیں یہ سچ ہے۔

"میں نے بھی اس سیاہ پوش کو دیکھا تھا۔"ناز نے کہا۔

"تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ سیاہ پوش اور بلا ایک شخصیت کے دو روپ ہیں۔"

"ہاں۔"ہانیہ نے جواب دیا۔مزمل نے کوئی جواب نہ دیا اور بس سوچتا رہا تھا۔اس کو سوچتا دیکھ کر ہانیہ کے دل میں وسوسے جنم لینے لگے تھے۔

"کیا سوچنے لگے۔۔کیا تم رشتہ سے انکار کر دو گے؟"

"نہیں ہانیہ۔۔تم مجھے ہر صورت قبول ہو۔میں نے یہ سوچا ہے کہ وہ بلا جب مجھے دیکھے گا

میں اس کا پیچھا کرونگا۔ دیکھتا ہوں کہ وہ کہاں جاتا ہے۔ پھر معلوم ہو جائے کہ وہ صرف بلا ہے یا کچھ اور۔" مزمل مسکرایا۔

"یہ ٹھیک ہے۔" ہانیہ نے کہا۔

کافی ہاؤس میں وہ لوگ کچھ دیر بیٹھے رہے تھے۔ آئس کریم کھا کر وہ لوگ اٹھ گئے۔ جیسے وہ لوگ باہر نکلے وہ یہ نہ دیکھ سکے وہی سیاہ پوش کافی ہاؤس سے باہر نکلتے ہوئے ان کو دیکھ رہا ہے۔ اس کے سر پر وہی فلیٹ ہیٹ تھا اور چہرے پر نقاب۔ ان کو گاڑی میں بیٹھتے ہوئے دیکھ کر اس نے اطمینان بھرے انداز میں سر ہلایا اور پھر دوسری گلی میں مڑ گیا۔

ہانیہ کو گھر چھوڑنے کے بعد مزمل نے ٹھان لی تھی کہ اب وہ اس بلے کا پیچھا ضرور کرے گا۔ ہانیہ کو گھر چھوڑتے وقت بھی وہ اس کو نظر آیا تھا۔ ایسا جب ہی ہوتا جب وہ ہانیہ کو گھر چھوڑتا۔ آج بھی اس نے ہانیہ کو گھر چھوڑا تھا تو وہ اسکو نظر آیا تھا۔ جیسے ہی وہ ہانیہ اور ناز کو گھر چھوڑ کر باہر نکلا کار اس نے دوسری گلی میں داخل کی تھی کہ وہ بلا اس کو سڑک کے کونے پر بیٹھا ہوا نظر آیا۔ وہ بڑے پرسکون انداز اپنا پچھلا پیر چاٹ رہا تھا۔ اس کی بڑی بڑی سرخ آنکھیں سڑک کی سمت لگی ہوئی تھیں۔

مزمل نے پھرتی سے کار روکی اور باہر نکل آیا۔ بلے نے دیکھا جب کار نہیں ہے تو وہ بڑی شان سے اٹھا اور جھومتا جھامتا ایک طرف چلنے لگا۔ وہ کافی موٹا تازہ تھا۔ اور قد آور بھی۔

مزمل مناسب فاصلہ رکھ کر اس کے پیچھے چلنے لگا۔ ایک گلی۔ دوسری گلی۔ تیسری۔ پھر چوتھی اور پھر پانچویں۔ وہ تو رکنے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ اب وہ بلا ایک ایسے گراؤنڈ کے سے گزر رہا تھا جو کہ کچرے سے اٹا پڑا تھا۔ بدبو کے ڈونگرے اس کچرے سے اٹھ رہے تھے، پھر بلا اس گراؤنڈ سے متصل ایک گلی میں داخل میں ہو گیا۔

مزمل چلتے چلتے تھک چکا تھا۔اس کو اب بلے پر بہت غصہ آرہا تھا پھر اچانک وہ ایک مکان کے سامنے رکا جو کہ گلی کے آخری کونے پر تھا۔ پھر اس نے گردن اٹھا کر دیکھا اور پھر ایک ہی جست میں دیورار پر چڑھ گیا اور پھر وہ دوسری طرف کود کر غائب ہو گیا۔

اس نے بڑی ہی پھرتی دکھائی تھی۔مزمل یہ دیکھ کر حیران ہی رہ گیا تھا۔اس نے اسی وقت ہی فیصلہ کرلیا تھا کہ اس کے گھر کے مکین سے مل کر اس کالے بلے کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں۔اگر وہ پالتو بلا تھا تو مزمل کی گاڑی کے سامنے کیا کرتا تھا؟اس نے کیوں مزمل کے ہاتھ پر پنجہ مارا تھا۔ بہت سے سوال اس کے ذہن میں تشنہ طلب تھے۔انہی سوالوں کے جواب اس کو تلاش کرنے تھے۔ چنانچہ اس نے گھر کی ڈوربیل بجادی۔ پھر وہ انتظار کرنے لگا پھر اس کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ڈوربیل بجی ہی نہ ہو۔اس نے دوبارا سے ڈوربیل کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ عین اسی وقت ایک آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

”بیٹا سنو۔“

وہ چونک کر گھوما۔ایک نہایت ہی بوڑھا اور باریش بڑے میاں کو آواز دیتے ہوئے پایا۔

”جی انکل۔“ وہ ان کے قریب جا کر بولا۔

”بیٹا!تم اس دروازے پر کیوں کھڑے ہو۔“بڑے میاں نے عجیب سے لہجے میں سوال کیا۔

”اچھا۔انکل یہ گھر آپ کا ہے۔“مزمل چونکا۔”معذرت چاہتا ہوں۔“

”نہیں بیٹا اس کی ضرورت نہیں ہے لیکن وہ گھر میرا نہیں ہے۔لیکن تم اس گھر کے سامنے کیوں کھڑے ہو۔“بڑے میاں کے لہجے میں حیرت تھی۔

”میں ایک کالے بلے کے تعاقب میں یہاں تک آیا ہوں اور وہ اس گھر میں کودا ہے۔“

”کالا بلا۔اور اس گھر میں۔“بڑے میاں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔میں نے خود اس گھر میں کودتے ہوئے دیکھا ہے۔"

اتنا سننا تھا کہ بڑے میاں کے چہرے پر حیرت کے آثار پھیل کر گہرے ہو گئے۔وہ بڑی ہی عجیب سی نظروں سے مزمل کی جانب دیکھنے لگے۔

"آؤ۔۔میرے ساتھ۔"

"مگر کہاں۔"

"میرے گھر۔تم مجھے ایک شریف بچے معلوم پڑتے ہو۔مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔" اتنا کہہ کر وہ آگے بڑھ گئے اور مزمل نے نا سمجھنے والے انداز میں ان کے پیچھے پیچھے قدم بڑھا دیے۔مہمان خانہ کھلوا کر انہوں نے مزمل کو بٹھایا اور خود گھر کے اندرونی حصے کی طرف چلے گئے۔کچھ لمحوں بعد واپس آئے اور پھر مزمل کے ساتھ ہی بیٹھ گئے۔

"اب تم مجھے بتاؤ کیا مسئلہ ہے میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔"

"آپ اور میری مدد مگر کیسے۔"

اس کی بات سن کر بڑے میاں مسکرائے اور پھر بولے۔

"میاں میرا نام برکاتی شاہ ہے۔۔اور میں ایک عرصے تک بزرگوں کی جوتیاں سیدھی کی ہیں۔"

"میں سمجھا نہیں۔" مزمل نے حیرت سے کہا۔

"ارے بیٹا۔۔میں ایک عامل ہوں۔۔تمہاری مدد کر سکتا ہوں مگر تم پہلے مجھے ساری بات بتاؤ۔"

عامل کی بات سن کر مزمل نے ایک طویل سانس لی اور پھر سارا قصہ گوش گزار کر دیا اور پیچھا کرنے والی بات بھی اس نے بتا دی۔مزمل نے ہانیہ کی بابت بھی سارا قصہ گوش گزار کر دیا تھا

جب تک وہ بولتا رہا بڑے میاں چپ کر کے سنتے رہے اور پھر بولے۔

''بیٹا اپنا دایاں ہاتھ دکھاؤ۔۔''

ان کے کہنے پر مزمل نے اپنا دایاں ہاتھ آگے کر دیا اور انہوں نے دونوں ہاتھوں کو باری باری سونگھا اور پھر بولے۔''بات یہ ہے کہ تم جس مکان کی بیل بجانے کی کوشش کر رہے تھے، وہ عرصہ دراز سے بند پڑا ہے۔''

''اوہ۔۔''

''یہی نہیں۔یہ مکان آسیب زدہ ہے جس بلے کا تم تذکرہ کر رہے ہو۔''

''جی۔''مزمل چونک اٹھا۔عین اسی وقت اندرونی حصے دستک ہوئی اور بڑے میاں نے اپنی بات ادھوری چھوڑ کر اٹھ کر چلے گئے۔

بڑے میاں کے جاتے ہی مزمل کا دماغ یہی سوچ رہا تھا کہ اگر یہ مکان آسیب زدہ ہے تو اس کا اس بلے سے کیا تعلق؟مزمل کی سوچ ادھوری رہ گئی کیونکہ بڑے میاں کی واپسی ہوئی تھی۔ان کے ہاتھ ناشتے کا سامان تھا جس میں کیک،بسکٹ سموسے اور چائے تھی۔

''ارے آپ نے خواہ مخواہ تکلیف کی۔''

''ارے چائے ہی تو ہے۔ایک چائے سے کیا ہوتا ہے۔''انہوں نے خلوص دل کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

''آپ کچھ کہہ رہے تھے۔''مزمل نے سموسہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

''میں کہہ رہا تھا کہ اس مکان پر اثرات ہیں۔یہ گھر ایک عرصے سے بند پڑا ہے اور اثرات بھی بڑے ہی خوفناک قسم کے ہیں۔اور بلے کو میں نے اکثر اس مکان کی منڈیر پر بیٹھے ہوئے دیکھا ہے۔''

بڑے میاں کی بات سن کر مزمل پھر سوچ میں پڑ گیا۔ اس کے دل و دماغ پچھلے سارے واقعات گھومنے لگے۔ کہیں اس سیاہ پوش کا تعلق بھی اس مکان سے تو نہیں۔ کہیں یہ بلا خود کوئی آسیب تو نہیں مزمل کو پنجہ مارنے والا واقعہ بھی یاد آنے لگا۔

''کس سوچ میں پڑ گئے۔''

''سوچ رہا ہوں آج کے دور میں آسیب کا وجود ہو سکتا ہے۔''

''ہونے کو کیا نہیں ہو سکتا اس دنیا میں۔ جنات کا ذکر قران مجید میں موجود نہیں بتاؤ۔''

بڑے میاں کی بات سن کر مزمل خاموش ہو گیا۔ اسے خاموش دیکھ کر بڑے میاں نے پھر مسکرا کر کہا۔

''برخوردار۔ وہ بلا کہیں اوپری شے نہ ہو۔ جس نے بلے کا روپ دھارا ہو۔'' بڑے میاں کے لہجے میں تشویش تھی۔

''اوپری شے۔۔ میں سمجھا نہیں۔''

''میں قوم جنات کی بات کر رہا ہوں۔ سرکشی جن کی فطرت کا جز ہے۔''

''کیا جنات روپ دھار سکتے ہیں۔'' مزمل نے پوچھا۔

''بالکل۔ جنات کا پسندیدہ روپ انسان کا ہے اور اس کے بعد بلے کا ہے۔'' بڑے میاں مسکرائے۔

''پھر میں کیا کروں۔''

''میں نے کہا ناں میں عامل ہوں۔ جب میں نے تمہارا ہاتھ سونگھا تو میں سمجھ گیا تھا کہ تم اس اثر کا شکار نہیں ہو۔ جن انسانوں پر اثرات ہوتے ہیں ان کے ہاتھوں سے ایک مخصوص قسم کی مہک آتی ہے اور تمہارے ہاتھ میں نہیں تھی۔ لیکن پھر وہ تمہارے پیچھے کیوں ہے۔ کہیں

ایسا تو نہیں اس لڑکی پر اثر ہو۔"

"کیا ہانیہ پر اثر ہے۔" مزمل پریشان ہوتے ہوئے بولا۔

"میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا۔" بڑے میاں نے داڑھی کھجاتے ہوئے کہا۔ اور پھر کچھ سوچ کر دوبارا بولے۔ "تم کل شام کو آ جاؤ۔ میں تم کو اپنے مرشد کے پاس لے چلوں گا۔ اللہ نے بہت فضل کیا ہے مرشد پر جو بھی سوالی آتا ہے وہ اللہ کے حکم سے اس کی ضرور مدد کرتے ہیں۔"

"مرشد کے پاس کیوں۔"

"برخوردار۔ وہ اس لئے مرشد ہی بتا سکتے ہیں وہ کالا بلا ہے کیا جن ہے یا پھر کچھ اور۔ وہ تمہارے پیچھے کیوں لگا ہے اور تم سے یا اس لڑکی سے اس بلے کا کیا تعلق ہے۔ اس پر تو صرف مرشد ہی روشنی ڈال سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے انکل میں کل شام کو حاضر ہوتا ہوں۔"

اتنا کہہ کر مزمل ان کے گھر سے باہر نکل آیا۔ جیسے ہی اس نے گلی کراس کی وہی بلا اچانک ہی سے نمودار ہوا تھا۔ اور اپنی لال سرخ آنکھوں سے بڑے میاں کے مکان کی جانب دیکھنے لگا تھا۔ وہ بلا آہستہ سے چلتا ہوا بڑے میاں کے مکان کے گیٹ تک پہنچ گیا چند لمحے تک وہ مکان کے گیٹ کی طرف دیکھتا رہا اور پھر وہ جست لگا کر اس پیڑ پر پہنچ گیا جو کہ اس گھر کے باہر لگا ہوا تھا جس کی شاخیں مکان کے اندر تک جھول رہی تھیں۔ اس بلے کی دوسری چھلانگ اس کو گھر کے اندر لے آئی تھی۔

☆......☆......☆

عادل جتنا روحان کے قریب ہو رہا تھا اتنا ہی عادل کو احساس ہو رہا تھا کہ وہ روحان کوئی عام انسان نہیں۔۔ وہ مضبوط اعصاب اور بھرپور قوت ارادی کا مالک ہے۔

اب وہ روحان سے بہت کچھ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ کچھ سیکھنا چاہتا تھا اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنا زیادہ سے زیادہ وقت دے اور روحان کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ وہ اکثر اس سے مختلف قسم کے موضوعات پر بات کرتا رہتا تھا۔

ایک دن عادل نے کہا۔ عادل اس وقت روحان کے ہمراہ اپنے گھر پر تھا۔

''یار روحان۔۔ اپنے بارے میں تو کچھ تو بتا۔''

''اپنے بارے میں کیا بتاؤں۔''

''کچھ بھی۔''

''تم کیا جاننا چاہتے ہو۔'' وہ مسکرایا۔

''سچ جاننا چاہتا ہوں۔''

''کیسا سچ۔''

''تجھ کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ تم کوئی تربیت یافتہ انسان ہو۔''

''تربیت یافتہ۔'' روحان نے حیرت سے کہا۔

''ہاں۔ مجھے یوں لگتا ہے کہ تم اتنے تربیت یافتہ ہو کہ جیسے خفیہ پولیس کے لوگ ہوتے ہیں۔''

اس کی بات سن کر وہ چونک پڑا۔ دوسرے پل روحان مسکرا کر بولا۔

''تو خفیہ پولیس کے لوگ کیا کرتے ہیں۔''

''وہ بہ ظاہر تو کچھ نہیں کرتے مگر بھیڑ کی کھال میں چھپے بھیڑیے ہوتے ہیں۔ اندرون خانہ ان کی منصوبہ بندی اتنی شاندار ہوتی ہے کہ جرائم پیشہ افراد چوں تک نہیں کر پاتے۔''

''اوہ تم یہ سب کیسے کہہ سکتے ہو۔''

''ارے بھئی فلموں میں دیکھا ہے۔'' عادل نے مسکرا کر کہا۔

''اچھا۔تو فلمیں بہت دیکھتے ہو۔میں تو ایک سیدھا سادا سا انسان ہوں۔'' روحان نے ہنس کر جواب دیا۔جواب میں عادل ہنس پڑا۔

''تمہارے منصوبے میں سمجھ میں نہیں آتے۔ایک تو اس سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو اور دوسری طرف ہانیہ اور مزمل کا کانٹا خود ہی باہر نکال دیا۔''

اس کی بات سن کر روحان کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھا گئی۔

''تم کچھ نہیں جانتے۔۔بس اتنا سمجھ لو کہ وہ میری ہے۔اور میری ہی رہے گی۔''

''تم اپنے آپ کو شاہ رخ خان سمجھ رہے ہو۔'' عادل نے تلخی سے کہا۔

''مطلب۔''

''ارے تم عجیب آدمی ہو۔'' عادل جھلا گیا۔''جس کی خاطر تم نے اپنی زندگی تباہ کی۔اس کے لئے تم شاہ رخ خان کی طرح بس بڑی بڑی باتیں کرتے رہنا، کرنا کرانا کچھ نہیں۔۔کیا تم اس کی شادی مزمل سے ہونے دو گے۔'' عادل نے غصے سے کہا۔

''نہیں ایسا تو نہیں ہے۔''

''ایسا تو ضرور ہو گا حالات تو یہی بتاتے ہیں۔''

''پھر میں کیا کروں تم بتاؤ۔'' روحان نے بھولپن سے کہا۔

''اس کو زبردستی حاصل کرو اور اس کے ماتھے پر اپنی محبت کا ٹیکہ لگا دو تا کہ وہ کسی اور قابل ہی نہ رہے۔'' عادل کے ہونٹوں پر سفاک سی مسکراہٹ ابھر آئی۔یہ سن کر روحان نے اس کی طرف چونک کر دیکھا۔

☆......☆......☆

اور پھر روحان یونیورسٹی میں دکھائی ہی دے گیا۔وہ مزمل کو ہی ٹکرایا تھا۔اسے ویسے بھی

آج شام کو برکاتی شاہ سے بھی ملنے جانا تھا۔آج بہت دنوں کے بعد وہ یونیورسٹی میں آیا تھا۔ اسی دن سے وہ غائب ہوگیا تھا جس دن اس نے وقار کا نمبر لیا تھا۔اتفاقاً اگر مزمل لائبریری کی طرف نہ آتا تو روحان سے ملاقات ہی نہ ہو پاتی۔وہ اطمینان سے کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھا۔یوں لگ رہا تھا کہ وہ مزمل کی آمد سے بالکل ہی بے خبر ہو۔اس نے قریب جا کر بلند آواز سلام کیا۔

روحان اچھل پڑا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے مزمل کو دیکھنے لگا۔دوسرے ہی لمحے خود کو سنبھال کر بولا۔"ارے یار تم نے تو ڈرا ہی دیا۔"

"ارے۔۔رات کا وقت تو ہے نہیں جو ڈر گئے۔"مزمل مسکرایا۔

"یار دراصل میں اس ناول میں کھویا ہوا تھا اور ہے ہی اتنا خوفناک کہ میں ڈر گیا۔" روحان نے اس کو ناول دکھاتے ہوئے کہا۔مزمل نے ناول کی طرف دیکھا تو دوسرے ہی لمحے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"ارے یہ تو خالی گھر ہے۔انوار علیگی کا ناول۔"

"ہاں ہے تو مگر ہے بڑا شاندار ایک بلے کی کہانی ہے جو جن ہوتا ہے اور ایک لڑکی پر عاشق ہوتا ہے۔"

بلے کا نام سن کر مزمل چونک اٹھا اس کے ذہن میں وہی بلا دوڑ گیا۔

"کالا بلا۔"

"ہاں کالا بلا۔۔جو نیلم نام کی لڑکی سے محبت کرتا ہے یار غضب ڈھا دیا مصنف نے۔" روحان نے کہا۔

"اوہ۔یہ تو میری ہی کہانی ہے۔"

''تمہاری کہانی۔''

''خیر چھوڑو۔کہاں غائب ہو۔'' مزمل مسکرایا۔

''آتو میں روز ہی رہا مگر کلاس میں نہیں لائبریری میں آج کل کتب بینی کا موڈ سوار ہے۔''

''اوہ۔''

''بالکل۔''

''یہ بتاؤ وقار کے ساتھ کیا کیا۔'' مزمل کا لہجہ کریدنے والا تھا۔

''کچھ بھی تو نہیں۔''

''انہوں نے ہانیہ کو انکار کر دیا۔''

''یہ تو اچھی بات ہے چلو ایک عاشق تو کم ہوا۔''

''کیا مطب۔''

''نہیں کچھ نہیں۔'' روحان نے فوراً ہی بات بناتے ہوئے کہا۔

''تم نے کمال کر دیا ان لوگوں نے رشتہ ہی منع کر دیا۔'' مزمل اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

''ارے۔۔یار میں نے کچھ نہیں کیا۔''

''مگر تم تو نمبر لے گئے تھے ناں۔'' مزمل نے اس کو گھورتے ہوئے کہا۔

''پہلے میں نے سوچا کہ سالے کو پٹوا دوں مگر پھر جھگڑا بڑھ جاتا اس لیے کچھ کیا نہیں۔'' روحان مسکرایا۔

''اوہ۔۔''

''جی جناب۔''

اس کی بات مزمل کی بالکل ہی سمجھ نہ آئی۔ اگر اس کو کچھ کرنا ہی نہ تھا تو پھر نمبر کیوں لیا۔ اس کو ایسا لگا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اس کے چہرے پر بے یقینی دیکھ کر روحان پھر بولا۔

"یار میں نے کچھ نہیں کیا یہ ان کا ذاتی فیصلہ ہوگا۔"

"اوہ۔" قدرے توقف کے بعد مزمل نے پھر کہا۔ "تم آج کل مطالعہ کر رہے ہو۔"

"یاں تم بھی پڑھو۔ بلے نے تو ہیرو کو نچا کر رکھ دیا ہے مجھے تو لگتا ہے کہ ہیرو کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا اور میدان بلے کے ہاتھ رہے گا۔" اتنا کہہ کر روحان نے کتاب اس کے ہاتھ میں پکڑا دی اور خود لائبریری سے باہر نکل گیا اور مزمل اس کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

بہر حال وہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اٹھا اور لائبریری سے باہر نکل گیا۔ اس کا رخ کیفے ٹیریا کی طرف تھا۔ شام کے وقت وہ برکاتی شاہ کے گھر پہنچ گیا تھا جو کہ مزمل سے کہہ رہے تھے کہ ان کو اپنے مرشد کے پاس لے چلوں گا۔ لیکن مزمل یہ جان کر کافی حیران اور دہشت زدہ رہ گیا کہ وہ انکل ہسپتال میں ایڈمٹ ہیں اور بے ہوش ہیں۔ ہوش آنے میں دو تین دن لگیں گے۔ بقول ان کے بیٹے کے مطابق مزمل کے جانے کے تھوڑی دیر کے بعد ان کے کمرے سے چیخوں کی آواز ابھری تھی۔ جب انہوں نے دروازہ نہ کھولا تو دروازہ توڑ کر اندر جایا گیا تو وہ بیڈ پر بے ہوش تھے۔ ان کا پورا چہرا زخموں سے چور تھا اور جسم پر بے اندازہ زخموں کے نشانات تھے۔ حالت بہت نازک تھی۔ ڈاکٹروں کے مطابق ان کے چہرے پر کسی بلی کے پنجوں کے نشانات ہیں۔ یہ جان کر مزمل کو پورا یقین ہو گیا کہ وہ بلا کوئی انسان نہیں کوئی دوسری مخلوق ہے۔ مزمل کی سمجھ نہیں آ رہا تھا اب وہ کیا کرے لیکن اب اس کو برکاتی شاہ کے ہوش آنے کا انتظار کرنا تھا۔

☆......☆......☆

پھر وہ یادگار اور سہانا دن آ ہی گیا۔ وہ بے حد خوش تھی۔ زمین پر پاؤں رکھنا اس کے لئے جیسے دشوار ہو رہا تھا۔ کیونکہ آج شام اس کے والد نے مزمل اور اس کے گھر والوں کو بلوا لیا تھا۔ ایک ایک لمحہ گزارنا اس کے لئے مشکل ہو رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ہواؤں میں اڑنے لگے۔ دعوت میں فہد صاحب نے کفالت مرزا کو بھی بلوا لیا تھا۔

شام ہوتے ہی سارے مہمان گھر میں داخل ہو گئے تھے۔ گھر کے سامنے کار آ کر رکی تھی۔ ہارن کی آواز سن کر ہانیہ چونکی جو شام ہوتے ہی بار بار دروازے کی جانب دیکھ رہی تھی۔

”امی وہ لوگ آ گئے۔“ ہانیہ چلائی۔

”واہ۔۔بھئی کار کی بھی پہچان ہے۔“ آرزو بیگم نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

ہانیہ کا چہرا سرخ ہو گیا لیکن پھر وہ جلدی سے بولی۔ ”وہ۔۔وہ یونیورسٹی میں بھی لے کر آتے ہیں۔“

”تو بس اپنے ابو کو دوڑاؤ میں ابھی آئی۔“

ہانیہ گھر کے اندرونی حصے کی طرف دوڑی۔ سب سے پہلے مزمل اندر داخل ہوا تھا اپنی والدہ کے ساتھ۔ اس کے ساتھ ناز بھی تھی۔ ناز کو دیکھ کر آرزو بیگم کو حیرت ہوئی۔ مزمل کو اندر لانے والے اس کے ابو تھے۔ ناز نے زرق برق لباس پہن رکھا تھا۔ اس کو دیکھ آرزو بیگم نے کہا۔

”واہ بھئی۔ اپنے بھائی کو لائی ہو۔۔“

”جی آنٹی۔“

”یہ تم اچھا کیا۔“

پھر سب لوگ خوش خوش ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئے۔ فہد صاحب مزمل کو تعریفی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ مزمل کی والدہ تو آرزو بیگم کے ساتھ باتوں میں لگ گئی تھی۔

”واہ بھئی ہانیہ کی پسند تو لاجواب ہے۔“انہوں نے آرزو بیگم سے سرگوشی کی۔

ناز نے کچن میں جھانکا۔ ہانیہ بہت مصروف تھی اسے خبر ہی نہ ہوسکی اور ناز نے دبے پاؤں آ کر اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیے۔ ہانیہ بوکھلا گئی۔

”کون ہے۔“اس کے منہ سے نکلا۔ ناز نے کوئی جواب نہ دیا۔

”جواب دو نہیں تو میں چلاؤں گی۔“

ناز کی ہنسی نکل گئی۔

”ارے تم ہو۔۔تم کیسے ٹپک پڑیں۔“

”اے زبان کو لگام دو۔۔ میں تمہاری نند ہوں ہونے والی۔“

”او ہو۔۔دولہا کی بہن۔“ ہانیہ نے ہنس کر کہا۔

”ارے بھئی مزمل بھائی نے کہا تھا میں چلوں اس لئے آ گئی۔“

”چل میرے ساتھ کام میں لگو۔“ ہانیہ بولی۔

”نہ۔۔نہ میں تو مہمان ہوں۔ میرے کپڑے خراب ہوں گے۔“

”ارے کپڑوں کی بچی، زیادہ ناٹک نہیں میرے ساتھ کام میں لگو۔“ ہانیہ نے مصنوعی خفگی سے کہا تھا۔ یہ سن کر ناز تلملا منہ بنا کر کام پر لگ گئی تھی۔

کفالت مرزا کی شخصیت بہت ہی شاندار اور عمدہ تھی۔ وہ اپنے رکھ رکھاؤ کے لحاظ سے نوابوں کے خاندان سے تعلق رکھتے ہوئے دکھائی دیتے تھے اور وہ بانگ دہل کہتے ان کا شجرہ نواب دکن مرزا سے چلا آ رہا ہے اور وہ اسی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ ان کی دلچسپ باتوں میں مزمل خود بھی کھو گیا تھا۔ کئی بار تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔ یہ کفالت مرزا کی شخصیت تھی کہ جس کی وجہ مزمل کا ذہین کافی فریش ہو گیا تھا۔

فہد صاحب کی نوک جھونک کفالت مرزا کے ساتھ مزمل کے لئے کافی دلچسپ تھی۔ وہ اس وقت اپنی جوانی کے قصوں سے محفل کو گرما رہے تھے۔

''ارے صاحب آپ کو کیا بتائیں اپنی بہادری کے قصے۔۔ ایک بار نے ہم خطرناک ڈاکو رنگا کو پکڑوا دیا تھا۔''

''اور پھر تمہاری آنکھ کھل جاتی ہے ناں۔'' فہد صاحب نے مسکرا کر جواب دیا۔ ان کی بات سن کر مزمل ہنس پڑا۔

''کیا مطلب۔'' کفالت مرزا نے فہد صاحب کو گھورا۔

''پچھلی مرتبہ تو آپ نے کچھ اور بتایا تھا۔''

''کیا بتایا تھا۔''

''آپ تو کہتے تھے کہ آپ کی نوابی حویلی کے سامنے لڑکیوں کی لائن لگ جاتی تھی۔''

''ارے۔۔ وہ تو سب میری بہادری کے قصوں سے متاثر تھیں۔''

''اچھا۔۔ جی۔ یار تم کبوتر چھوڑا کرو باتیں نہیں۔''

''ارے، ارے۔ ہمارے کبوتر اور ہماری تاریخ گواہ ہے۔'' کفالت مرزا خفگی سے بولے۔

''اب تاریخ میں کودے۔'' فہد صاحب نے شانے اچکائے۔ ''اور کبوتر بے چارا ہے بے زبان۔''

''ہم سچ بول رہے ہیں ہم نے اپنے گاوں میں شیر کو بھی مارا ہے۔'' کفالت مرزا نے کہا۔ اس کی بات پر وہ دونوں ہی ہنس پڑے تھے۔ ابھی ان کی باتیں ہی چل رہی تھیں کہ پھر کھانے کا سامان لگ گیا تھا ان کی بات تھی وہیں رہ گئی۔ کھانا اس قدر لذیذ تھا کہ مزمل تو انگلیاں ہی چاٹتا رہ گیا تھا۔ سارے کھانے ہانیہ نے خود تیار کئے تھے۔

کھانے کے دوران ناز نے سرگوشی کی۔ ”بھائی آپ کے مزے آگئے اتنا لذیز کھانا۔“

اس کی بات سن کر مزمل گھبرا گیا اور بولا۔ ”تم بہت شرارتی ہو۔۔“

”آپ کی بہن جو ہوں۔“ ناز نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

کھانے کے بعد کفالت مرزا کی فرمائش پر چاے کا دور چلا۔ چائے لائے والی ہانیہ تھی۔

مزمل کی امی ہانیہ کو بغور دیکھ رہی تھیں۔

”سبحان اللہ۔ بچی بہت پیاری ہے آپ کی۔“ مزمل کی والدہ نے آرزو بیگم سے کہا۔

”اجی۔۔ ہماری کہاں اب تو آپ ہی کی ہوئی۔“ آرزو بیگم نے مسکرا کر کہا۔

اس کی بات سن کر مزمل کی امی مسکرائیں اور بولیں۔ ”مجھے اپنے بچے کی پسند پر ناز ہے۔

اور مجھے یقین ہے ہانیہ ہمارے گھر میں بہت خوش رہے گی۔“

یہ سب ہانیہ نے دروازے کی اوٹ سے سنا تھا جس کو سن کر وہ شرما گئی۔

”ہم چاہتے ہیں کہ شادی جلد از جلد ہو جائے۔“ مزمل کی والدہ نے کہا۔

”مگر ہماری بچی تو ابھی پڑھ رہی ہے۔“ آرزو بیگم نے کہا۔

”کوئی بات نہیں وہ اپنی تعلیم ہماری بہو بن کر بھی مکمل کر سکتی ہے۔' انہوں نے مسکرا کر کہا۔

”ٹھیک ہے۔“ فہد صاحب نے جواب دیا۔

”پھر ہم دو ہفتے میں تاریخ لیں گے اور اس کے چھ ماہ کے بعد شادی۔“ اس کی والدہ نے کہا۔ فہد صاحب نے رضامندی ظاہر کر دی برتن اٹھاتے وقت آرزو بیگم ہانیہ کے چہرے پر خوشی دیکھ کر مسکرانے لگی تھی۔

پھر سب لوگ ہنسی خوشی گھر سے روانہ ہونے لگے تھے۔ اپنی والدہ کو کار میں بٹھا کر جیسے ہی مزمل نے کار اسٹارٹ کی۔ اسی لمحے مزمل کی نظر سامنے سڑک پر پڑی پھر اس نے سڑک پر جو

کچھ بھی دیکھا اس کو دیکھ کر اس کی چھٹی کی چھٹی رہ گئیں۔ گو کہ گلی میں قدرے اندھیرا تھا مگر مزمل نے اس کے ہیولہ اور چمکدار آنکھوں سے اس کو پہچان لیا تھا۔ وہ کوئی اور نہیں وہی کالا بلا تھا۔

بلے کو دیکھ کر نہ جانے کیوں مزمل کا دل دھک دھک کرنے لگا تھا۔ یہ کالا بلا واقعی اس کے لئے سوالیہ نشان بن کر رہ گیا تھا۔ وہ کون تھا، کیا چاہتا تھا، مزمل ابھی تک اندازہ نہیں کر پایا تھا۔ نہ جانے کیوں اس کو اوپری چیز معلوم ہونے لگا تھا۔ برکاتی شاہ کے زخمی ہو جانے کے بعد اب اس کو اور بھی بلے سے ڈر لگنے لگا تھا۔ ابھی وہ کار اسٹارٹ ہی کر رہا تھا کہ اس کا موبائل بجا۔ موبائل کی اسکرین پر نیا نمبر دیکھ کر وہ چونک گیا۔ یہ فون پر ملنے والی اطلاع مزمل کے لئے خوشی کی تھی۔ اسکے کسی دوست نے مزمل کو ایک بزرگ کا پتہ بتایا تھا جو کہ ایک کچے علاقے میں رہتے تھے۔ مزمل نے اپنے کسی دوست سے کسی بزرگ کا پتہ کرنے کو کہا تھا۔ اس کے دوست بلال نے غازی پور کا کوئی ایڈریس دیا تھا۔ دوسرے دن مزمل بلال کے ساتھ غازی پور پہنچ گیا۔

"بلال! اچھا ہوا تم نے مجھے کسی بزرگ کا پتہ بتا دیا۔"

"ارے تم کو کسی بزرگ کی ضرورت پیش آ گئی۔"

"بس یار تھوڑا کام تھا۔"

"اچھا۔"

غازی پور ایک چھوٹا سا درمیانے درجے کا علاقہ تھا۔ ایک چھوٹے سے دروازے کے سامنے مزمل نے کار روک دی۔ دروازے پر آستانے کا بورڈ لگا ہوا تھا جس پر حکیم مسعود شاہ لکھا نظر آ رہا تھا۔

"ہم ٹھیک جگہ آئے ہیں ناں۔"

"جگہ تو یہی تھی۔تم آستانے کا بورڈ نہیں دیکھ رہے ہو۔لگتا ہے بابا جی حکیم بھی ہیں تیری شادی ہونے والی ہے دوا انہی سے بنوالیو۔" بلال نے مسکرا کر کہا۔مزمل کوئی جواب دینے کے بجائے کھلے ہوئے دروازے سے اندر داخل ہوگیا۔بلال بھی اس کے پیچھے پیچھے تھا۔کمرے کے اندر ایک سفید داڑھی والے باریش نورانی چہرے والے بزرگ اپنی مسند پر بیٹھے کچھ لکھنے میں مصروف تھے۔

بلال اور مزمل سے وہ بڑے پرجوش انداز میں ملے تھے۔

"کیا بیماری ہے آپ کو۔۔"

"حکیم صاحب کوئی بیماری نہیں ہے بس ایک روحانی پرابلم لے کر حاضر ہوئے تھے۔"

"کیسا مسئلہ۔" حکیم صاحب نے پوچھا۔

مزمل نے شروع سے لے کر آخر تک ساری بات گوش گزار کردی۔اور ہانیہ کی بابت بھی سارا قصہ گوش گزار کردیا۔مزمل بول رہا تھا اور بلال ساری بات منہ کھول کر سن رہا تھا۔اس کی آنکھوں سے نظر آتی بے یقینی سے صاف ظاہر تھا کہ اس کو ان باتوں پر یقین نہیں آیا ہے۔

ساری بات سن کر حکیم صاحب نے اس کی طرف دیکھا اور بولے۔"صاحب زادے آپ کا اور آپ کی والدہ کا نام کیا ہے۔"

مزمل نے نام بتایا تو وہ کاغذ اور قلم لے کر کچھ لکھنے میں مصروف ہوگئے۔اس دوران چند لمحوں کے لئے انہوں نے اپنی آنکھیں بھی بند کی تھیں اور جب انہوں نے کھولیں تو ان میں الجھن کے آثار نمایاں تھے۔

"بات بالکل درست ہے۔کچھ اوپری معاملہ ضرور ہے لیکن تمہارے ساتھ نہیں۔مجھے اس لڑکی پر کچھ لگ رہا ہے اس لڑکی وجہ سے وہ چیز تمہارے پیچھے ہے وہ چیز ہے کیا یہ کچھ واضح نہیں

ہو رہا۔“

”مطلب میں سمجھا نہیں۔“

”برخوردار، مجھے لگتا ہے اس قوت جو کہ بلے کے روپ میں ہے جو بھی ہے اس نے اپنے گرد ایک حصار قائم کر رکھا ہے اسی وجہ سے میں اس کی اصلیت تک نہیں پہنچ پا رہا ہوں۔“

”اب میں کیا کروں؟“

”کچھ نہیں بس تم دو دن کے بعد میرے پاس آجاؤ اس دوران میں پورا وظیفہ کر کے تم کو بتاؤں کہ وہ کیا چیز ہے بس اب تم جاؤ۔“ حکیم صاحب نے سنجیدگی سے کہا۔

مزمل نے ان کو کچھ نذرانہ دینا چاہا مگر انہوں نے صاف ہی منع کر دیا تھا۔ ان کا جواب تھا وہ اس قسم کے کام صرف اور صرف خلق خدا کی بھلائی کے لئے کرتے ہیں۔ مزمل دوسرے دن پھر ان کے آستانے پہنچ گیا تھا جیسے ہی وہ اندر داخل ہوا بری طرح سے ٹھٹک گیا کیونکہ حکیم صاحب لیٹے ہوئے تھے اور ان کے بائیں ہاتھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔

”ارے یہ کیا۔“ مزمل نے پٹی کی طرف دیکھ کر کہا۔

”مت پوچھو۔“ حکیم صاحب پھیکی سی مسکراہٹ سے بولے۔ ”ورنہ تم پریشان ہو جاؤ گے۔“

”آخر ہوا کیا؟“

حکیم صاحب اٹھنے لگے تو مزمل فوری بولا۔ ”لیٹے رہیں۔“

”میں رات اپنے کمرۂ خاص میں تمہارے لئے وظائف کر رہا تھا کہ کمرۂ خاص کی کھلی کھڑکی سے ایک بلا برآمد ہوا اور اس نے مجھ پر چھلانگ لگا دی۔ اس موذی نے اتنی زور کے پنجے مارے کہ میں بلبلا اٹھا پھر میں اس کے پیچھے بھاگا لیکن وہ آناً فاناً ہی غائب ہو گیا۔ درد اتنا تھا کہ میری چیخیں نکلنے لگی تھیں۔“

''اوہ۔اوہ۔'' مزمل اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکا تھا کیونکہ اس کو اپنی چوٹ یاد آ گئی تھی۔

''مجھے لگتا ہے کہ یہ اثر اس لڑکی پر ہے جس سے تمہاری منگنی ہوئی ہے۔'' حکیم صاحب نے مسکرا کر کہا۔

''میں سمجھا نہیں حکیم صاحب۔''

''برخوردار یہ بتاؤ کہ تمہاری شادی پسند سے ہو رہی ہے۔''

''ہاں۔۔کیوں۔۔''

اس کی بات پر حکیم صاحب سوچ میں پڑ گئے۔اچانک انہوں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور منہ ہی منہ کچھ پڑھنے لگے تھے۔تھوڑی ہی دیر کے بعد جب انہوں نے آنکھیں کھولیں تو ان کی آنکھیں سرخ تھیں۔یوں لگتا تھا کہ جیسے کہ ان میں خون اتر آیا ہو۔

''برخوردار۔۔یہ بتاؤ اس بلے سے پہلی ملاقات کہاں ہوئی۔مطلب پہلی بار وہ کب ٹکرایا تھا؟''

مزمل کچھ سوچنے لگا تھا حکیم صاحب اسکو بڑے ہی غور سے دیکھ رہے تھے۔قدرے توقف کے بعد مزمل نے جواب دیا۔''یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں پہلی بار ہانیہ کو چھوڑنے گیا تھا تب یہ موذی مجھ سے ٹکرایا تھا ایک بار میں ہانیہ سے پارک میں ملا تھا تب اس نے اپنا پنجہ مجھ پر مارا تھا۔''

اس کی بات پر حکیم صاحب چونک گئے۔''بیٹا۔۔کیا تم پورے وثوق سے کہہ رہے ہو۔''

''جی۔۔''

''بیٹا! مجھے ایسا لگتا ہے کہ اثر اس لڑکی پر ہے جو کوئی بھی ہے بہت طاقتور ہے۔۔اور مجھے ایسا لگتا ہے کہ وہ اس لڑکی پر عاشق ہے ہو سکتا ہے۔وہ کوئی جن ہو اور تمہیں ڈرا دھمکا کر خوفزدہ کر کے اپنے راستے سے دور کرنا چاہتا ہو۔''

"اوہ۔" مزمل دھک سے رہ گیا۔"اس کا کوئی حل۔" مزمل نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"حل تو ہے لیکن بہت مشکل اس کے لئے مجھے اپنے مرشد سے اجازت لینی ہوگی اور اگر انہوں نے اجازت دے دی تو میں ایک وظیفہ کروں گا جس سے یہ پتہ چل جائے گا کہ وہ کون ہے۔"

"مرشد۔"

"جی میرے مرشد اللہ کے حکم سے ان کی خدمت میں رہ کر میں کچھ حاصل کر پایا ہوں بہت پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔۔وہ کچھ بتا سکتے ہیں کہ معاملہ کیا ہے۔"

"یہ آپ کب تک کرلیں گے۔"

"مرشد شہر میں نہیں ہے مخلوق کی خدمت میں دن رات جتے رہتے ہیں میں ان سے ذہنی رابطہ کر کے پوچھوں گا۔"

"اوہ۔۔پھر۔"

"انتظار برخوردار صبر کا پھل ہمیشہ رسیلہ ہوتا ہے۔۔"

"ٹھیک ہے حکیم صاحب آپ جیسا حکم کریں۔"

"شاباش۔۔تم کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔بس تم ایسا کرنا کہ تم دو دن کے بعد ہی چکر لگالو۔" حکیم صاحب نے مسکرا کر جواب دیا تھا۔

"اچھا۔حکیم صاحب اب میں چلتا ہوں۔"

پھر مزمل وہاں سے اجازت لے کر گھر چلا آیا تھا۔حکیم صاحب کی ساری باتیں اس کے دماغ میں گھوم رہی تھیں۔دو دن بعد مزمل پھر حکیم صاحب کے آستانے جا پہنچا تھا لیکن یہ دیکھ

کر حیران رہ گیا بلکہ اس کو دھچکا لگا تھا کہ وہ آستانہ بند تھا۔ پہلے تو اس کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا مگر یہ ایک اٹل سچائی تھی کہ وہاں تالہ تھا جو کہ اس کا منہ چڑا رہا تھا۔ وہ سوچ میں پڑ گیا کہ حکیم صاحب نے خود اس کو آنے کو کہا تھا لیکن وہ خود آستانہ بند کر کے چلے گئے مگر کیوں ایسا کیا ضروری کام آن پڑا کہ بغیر بتائے آستانہ بند کر کے چلے گئے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی کام کے سلسلے میں کہیں چلے گئے ہوں۔ ہاں یہ ممکن تھا چنانچہ وہ چبوترے پر ہی بیٹھ گیا۔ اس کو بیٹھے ہوئے تھوڑی ہی گزری تھی۔ گلی میں ایک آدمی نمودار ہوا۔ اس آدمی نے سیاہ رنگ کی شلوار قمیض پہن رکھی تھی۔ اسکے سر اور داڑھی کے سارے بال بھی کالے تھے۔ وہ آدمی مزمل کے پاس آ کر رک گیا۔ مزمل نے غور سے دیکھا تو اس کی آنکھیں دیکھ کر چونک گیا۔ اتنی سرخی ان آنکھوں میں تھی کہ مانو کوئی بیماری ہو۔ اس قدر لال سرخ آنکھیں اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ ان آنکھوں میں سرخی کے ساتھ ساتھ وحشت بھی نمایاں نظر آتی تھی۔

"کون ہو بھائی۔" وہ آدمی بھرائی ہوئی آواز میں مزمل سے مخاطب ہوا۔

"حکیم صاحب کے لئے بیٹھا ہوں۔"

"اوہ۔ مگر حکیم صاحب تو اپنے مرشد کی طرف گئے ہیں۔"

"مگر کیوں۔۔ مجھ سے تو کچھ اور کہا تھا"

"مجھے نہیں پتہ۔ بس اتنا معلوم ہے کہ ضروری کام تھا اس لئے مرشد کی طرف نکل گئے۔"

"ان کی واپسی۔" مزمل نے تشویش سے پوچھا۔

"کم از کم پندرہ دن۔" اس آدمی نے سر ہلا کر جواب دیا۔

"اور آپ کون ہیں۔"

"وہ میں حکیم صاحب کا ایک مرید۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"چلو۔ میں پندرہ دن کے بعد حاضر ہوتا ہوں۔" مزمل نے تھکے انداز میں کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اور پھر وہ آدمی اس کو جاتا ہوا دیکھتا رہا جیسے ہی مزمل نظروں سے اوجھل ہوا اچانک اس آدمی کا لباس ہی تبدیل ہو گیا۔ اب وہ سر سے پیر سے تک سیاہ پوش تھا۔ اچانک وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

"واہ ری محبت، تیرے لئے کیا کیا کرنا پڑتا ہے۔ تیرے کھیل ہی نرالے ہیں۔"

اتنا کہہ کر اس نے اپنے قدم بڑھا دیے۔ اس نے چند ہی قدموں کا فاصلہ طے کیا تھا کہ اچانک وہ ایک بلے کے روپ میں بدل گیا۔ یہ وہی سیاہ بلا تھا جو کہ جھومتا جھامتا گلی کراس کر رہا تھا۔ کوئی اس کو دیکھ لیتا تو اس کو شک بھی نہ ہوتا کہ کچھ لمحے پہلے یہ انسانی روپ میں تھا۔

☆......☆......☆

مزمل اب ایک بار پھر اندھیرے میں کھڑا تھا۔ کالے بلے کا معمہ کسی بھی طرح سے حل ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ اس رات تو حد ہی ہو گئی تھی نہ جانے رات کے کس پہر اس کی آنکھ کھلی اور وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ ذہن اعتدال پر آیا تو سب سے پہلے اس نے آنکھ کھلنے کی وجہ پر غور کیا۔ ہاں وہ ایک زبردست قسم کا کھٹکا تھا جس کی وجہ سے اس کی آنکھ کھلی تھی۔ ایسا لگا تھا کہ جیسے کہ کوئی وزنی چیز گری ہو۔ پہلے پہل تو اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ ہوا کیا ہے پھر اس کو احساس ہوا کہ شاید صحن میں کچھ گرا ہے چنانچہ اس نے صحن کا رخ کیا اور پھر اسے ٹھٹک کر رک جانا پڑا۔ صحن میں روشن بلب کی روشنی میں اس کو وہی نظر آیا تھا۔ اس کی سرخ آنکھیں اس کو دور سے دکھائی دے گئیں۔ ہاں یہ وہی تھا، وہی کالا بلا جو اپنی پوری توجہ مزمل پر مبذول کیے ہوئے تھا۔ یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ سامنے ایک ڈنڈا بھی پڑا ہوا تھا اس نے وہ ڈنڈا اٹھا لیا۔

اب اس کے قدم اس کی جانب اٹھ رہے تھے۔ بلے کے انداز سے کہیں بھی یہ محسوس ہو رہا

تھا کہ وہ مزمل سے خوف زدہ ہے۔ وہ کسی بت کی طرح اپنی جگہ جما ہوا تھا۔ وہ اپنی نظریں مزمل پر ہی جمائے ہوا تھا۔ اچانک اس کے ذہن میں فوری طور پر ایک خیال آیا۔ صحن تو کھلا تھا۔ وہ بلا کسی بھی طرف سے بھاگ سکتا تھا۔ چنانچہ مزمل دوسری طرف سرکنے لگا۔ اس کی کوشش تھی کہ وہ مردود بلا کسی طرح سے اسٹور میں جا گھسے۔ اتفاق سے اسٹور کا دروازہ بھی کھلا ہی تھا۔ اس نے دل میں سوچا کہ کاش یہ مردود اسٹور میں ہی گھس جائے تو اس سے ہمیشہ کے لئے جان ہی چھوٹ جائے۔ وہ مسلسل دائیں طرف سے آگے بڑھ رہا تھا۔ بلے کی پوزیشن میں کوئی فرق نہیں آیا تھا البتہ مزمل کی موومنٹ کے ساتھ اس کی گردن بھی آہستہ آہستہ گھوم رہی تھی۔ اور پھر مناسب جگہ پر پہنچ کر مزمل نے بڑی ہی پھرتی سے ڈنڈا فضا میں بلند کیا۔ شڑاک۔۔ کالے بلے کی کمر پر رسید کر دیا۔

بلے کے حلق سے بڑی ہی بھیانک قسم کی غراہٹ کی آواز نکلی اور وہ اچھل کر اسٹور کے اندر جا گرا۔ وہ پھرتی سے آگے بڑھا اور دروازہ بند کر دیا۔

''شکر۔۔ جان چھوٹی۔'' وہ زیرِ لب بڑبڑایا۔ پھر اس نے ایک طویل سانس لے کر ڈنڈا ایک جانب اچھال دیا۔

دوسری طرف اسٹور میں بلا مسلسل دروازے پر زور آزمائی کر رہا تھا پھر اسٹور کے دروازے پر کھروچنے کی آوازیں گونجنے لگیں۔

☆......☆......☆

دوسرے دن مزمل دوبارہ ٹرائی کرنے کے لئے آستانہ تک جا پہنچا تھا۔ اس بار آستانہ کا دروازہ کھلا ہوا ملا تھا۔ حکیم صاحب اپنی جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ مزمل نے ان کو جب آستانے کے بند ہونے والی بات بتائی تو وہ حیرت زدہ ہو گئے۔

”حیرت ہے میں کہیں نہیں گیا تھا۔“

”پھر آستانہ بند کیوں تھا۔“

اس کی بات سن کر وہ مسکرائے۔

”ارے میاں۔ہم ذرا اپنے ایک کام سے اپنے عزیز کے گھر گئے ہوئے تھے۔زیادہ سے زیادہ ہم کو گھنٹہ لگا ہوگا۔“

”ارے۔حیرت ہے۔“مزمل نے کہا۔

”ارے برخوردار کسی نے مذاق کیا ہوگا۔جب ہم نے تم سے کہا تھا ہم ذہنی رابطہ کرلیں گے۔“

”تو اس کا مطلب آپ نے معلومات کرلی ہیں۔“

”ہاں۔“وہ آہستہ سے بولے۔

”میرے لئے بھی آپ کے لئے ایک اطلاع ہے۔“

”اچھا۔۔وہ کیا۔“

”میں نے اس کالے بلے کو اپنے گھر کے اسٹور میں قید کرلیا ہے۔“

”اچھا۔۔“حکیم صاحب طنزیہ انداز میں بولے۔

”حکیم صاحب میں سچ کہہ رہا ہوں۔“

”ہوسکتا ہے میاں تمہاری بات ٹھیک ہو۔لیکن اگر تم نے اسی کالے بلے کو قید کیا ہے تو وہ اب تک وہاں سے آزاد ہوچکا ہوگا۔“حکیم صاحب پرسکون لہجے میں بولے۔

”آپ دیکھ لیں ایک دفعہ چل کر۔“

”چلو۔۔میاں۔“

پھر وہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ قریب ایک گھنٹے کی ڈرائیونگ کے بعد وہ دونوں گھر پہنچ گئے۔ اسٹور کے دروازے کو دیکھ کر وہ دونوں ہی حیران رہ گئے تھے جبکہ حکیم صاحب کے ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ تھی کہ جیسے کہ ان کو معلوم ہو یہی ہونا تھا۔ دروازہ بیچ میں سے ٹوٹا ہوا تھا اور وہ بلا غائب تھا۔

"مجھے معلوم تھا ایسا ہی ہوگا۔ خیر جو ہوا سو ہوا اب تم چاند کی چودہ تاریخ کو میرے پاس آنا پھر میں بتاؤں گا کہ اصل معاملہ کیا ہے۔"

"ٹھیک ہے حکیم صاحب۔ میں حاضر ہو جاؤں گا۔" مزمل کے انداز سے شکستگی ظاہر تھی۔

"اچھا میاں میں چلتا ہوں۔"

"ارے نہیں حکیم صاحب، آپ کھانا کھا کر جائیں والدہ نے آلو گوشت بنایا ہے۔"

اس کی بات سن کر حکیم صاحب مسکرائے اور بولے۔ "میاں گوشت ہمیں بہت مرغوب ہے۔ آپ اصرار کر رہے ہیں تو کھا کر ہی جائیں گے۔"

کھانے کے دوران مزمل نے حکیم صاحب سے پوچھا۔ "حکیم صاحب وہ نکلا کیسے؟"

"ارے۔ پراسرار قوتوں کے لئے قید کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ مجھے تو حیرت اس بات پر ہے کہ اس نے ڈنڈے کھانے کے بعد تم کو زندہ کیسے چھوڑ دیا۔"

"مطلب۔" مزمل حیران ہو کر بولا۔

"بات صاف ہے صاحبزادے، اس طرح کی پراسرار قوتیں خود پر حملہ کرنے والے کو معاف نہیں کرتیں۔ خیر تم چودہ کو آنا پھر دیکھتے ہیں وہ کتنی بڑی توپ چیز ہے۔"

جواباً مزمل بس ان کے چہرے کو دیکھتا رہ گیا۔ اس کے دماغ میں یہی سوچ تھی کہ اس نے اب تک مجھے کوئی ایسا نقصان کیوں نہیں پہنچایا حالانکہ میں نے اس کی ڈنڈوں سے تواضع کی تھی۔

اس کو سوچ میں گم دیکھ کر حکیم صاحب مسکرائے اور بولے۔ ”میاں! اتنا سوچ میں مت پڑو۔ تمہارے ہر سوال کا جواب اپنے وقت پر ضرور مل جائے گا۔ چلو اب ہمیں گھر تک چھوڑ آؤ۔“

ان کی بات مزمل نے ٹھنڈی سانس لی اور کار کی چابی لے کر دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

آج روحان خود عادل کے دروازے پر موجود تھا۔ اسے پہلی بار اپنے دروازے پر دیکھ کر عادل کو بہت خوشی ہوئی تھی، اسی خوشی میں عادل سے لپٹ گیا۔

”ہائے۔“ اچانک روحان سے سسکاری لی۔

”کیا ہوا؟“ عادل گھبرا گیا۔

”کچھ نہیں، معمولی سی چوٹ آئی ہے کمر پر۔ میں موٹر سائیکل سے گر گیا ہوں۔“ روحان نے کمر سہلائی۔ اس کی بات سن کر عادل ہنسنے لگا۔

”اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔“ روحان نے منہ بنایا۔

”اتنے بڑے ہو کر موٹر سائیکل سے گر گئے۔“

”ابے تو سیکھ رہا تھا ناں۔“ روحان نے مصنوعی خفگی سے جواب دیا۔ دونوں باتیں کرتے ہوئے ہوٹل کی جانب چل پڑے۔ ہوٹل پہنچ کر کھانے کا آرڈر دیا گیا۔ حسبِ معمول روحان نے کھانے سے بھرپور انصاف کیا تھا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد روحان نے عادل سے کہا۔

”تم مجھے ہانیہ کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہو؟“

”کیوں؟“ عادل کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ارے بھئی بھابی ہے وہ تیری۔''

''بھابھی۔''

''ہاں بھائی محبت ہے میری وہ۔''

''کیسی محبت۔'' عادل نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔

''ایسی محبت کہ چند سال کے بعد اس کے بچے تم کو ماموں کہیں گے۔''

''مطلب۔''

''شادی ہونے والی ہے اس کی مزمل کے ساتھ۔''

''ابھی شادی ہوئی تو نہیں۔'' روحان مسکرایا۔

''کیا مطلب۔''

''ہر کہانی اپنے آغاز سے لے کر انجام تک بہت سے موڑ لیتی ہے۔ابھی تو یہ کہانی انٹرویل تک ہی پہنچی ہے۔انجام تو باقی ہے۔'' روحان کا لہجہ معنی خیز تھا۔

''تم صرف فلمی مکالمے بولنا۔۔وہ اس کو لے اڑا۔''

اس کی بات سن کر روحان کی آنکھوں میں غصہ چھلک آیا۔اس نے بڑی ہی قہر آلود نگاہوں سے عادل کی جانب دیکھا تھا۔یہ غصہ صرف چند لمحوں کا تھا۔اس کے بعد اس کے چہرے کے تاثرات معدوم پڑ گئے۔

''تمہاری بھول ہے میرے دوست ۔۔وہ صرف میری ہے اور میری بات یاد رکھنا۔''

''لیکن ایسا کب تک ہوگا۔'' عادل نے بغور اس کی طرف دیکھا۔

''بہت جلد۔'' روحان کا لہجہ مضبوط تھا۔

عادل ہنسا اور بولا۔''تم کہہ رہے ہو تو یقین کر لیتا ہوں ورنہ اب تک تو میں نے صرف تم کو

مکالمے بازی کرتے ہوئے دیکھا ہے۔اور میں تم کو فی الحال ابھی ایک ناکام عاشق سمجھنے پر مجبور ہوں۔"

"تم میرا مذاق اڑا رہے ہو۔" روحان نے اس کو گھورا۔

"نہیں میں تم کو جگانا چاہتا ہوں۔اگر تم واقعی اس سے محبت کرتے ہو تو اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرو۔" عادل نے سنجیدگی سے جواب دیا۔اس کی بات سن کر روحان خاموش ہی رہا تھا۔تمام راستے اس نے عادل سے کوئی بات نہیں کی۔اس چیز کو اس نے بھی محسوس کیا۔ عادل کو ایسا لگا کہ اس نے زیادہ ہی بول دیا ہے۔جب اس نے عادل کو اس کے گھر اتارا اور جانے لگا تو عادل نے آواز دے کر اس کو روک لیا۔

"روحان بات سنو۔"

اس کے روکنے پر روحان اسی جگہ کھڑا ہو گیا اور عادل اپنے دروازے سے بھاگتا ہوا اس کی جانب آیا۔

"ناراض ہو گئے کیا۔"

"نہیں تو۔۔"

"پھر کیوں تمہارا منہ بنا ہے۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔۔کیا تمہارے پاس لوہے کی موٹی راڈ ہے۔"

"ہاں ہے کیوں اپنے رقیب کا سر پھاڑنا ہے۔"

جواب میں روحان ہنس کر بولا۔"ارے نہیں میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔بس تم راڈ لے کر آؤ۔"

عادل کچھ سمجھ نہ آنے والے انداز میں سر ہلا کر باہر چلا گیا۔جلد ہی اس کی واپسی ہوئی تھی۔

اس کے ہاتھ میں ایک اچھی خاصی موٹی سی راڈ تھی۔ روحان نے اس سے راڈ لے لی۔

''کافی بھاری ہے۔اور موٹی بھی۔۔''

''ہاں اگر کسی کے سر پر مارو تو اس کا سر پھٹ جانا یقینی ہے۔'' عادل نے جواب دیا۔

''یہ میرے لئے موم سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔'' اس کے انداز میں لاپروائی تھی۔

''کیا مطلب۔'' عادل چونک گیا۔

''مطلب یہ کہ روحان کے لئے ناممکن کام کو ممکن بنانا کوئی مسئلہ نہیں۔''

اتنا کہہ کر اس نے لوہے کی راڈ کے دونوں سروں سے پکڑ کر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔ عادل اس کو پر مزاح نظروں سے دیکھ رہا تھا اور پھر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ واقعی وہ لوہے کی راڈ کسی موم کی طرح گھوم گئی۔

''جب یہ راڈ گھوم سکتی ہے۔ تو ہانیہ بھی مزمل کے پنجے سے آزاد ہو سکتی ہے۔'' روحان کا لہجہ سرد تھا۔

راڈ پوری سرکل کے انداز میں گھوم چکی تھی۔ عادل کبھی راڈ کو دیکھتا اور کبھی روحان کے چہرے کو۔ روحان نے راڈ کو ایک طرف اچھالا اور پھر مسکرا کر بولا۔ ''تم کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ روحان جو سوچ لے وہی ہوتا ہے۔''

عادل روحان کو پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ غالباً وہ یہی سوچ رہا تھا کہ اتنا دبلا پتلا انسان ایک راڈ کو کیسے گھما سکتا ہے۔

☆......☆......☆

ہانیہ کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ اس کا دل بھی بہت گھبرا رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اسکا دل چاہ رہا تھا کہ وہ کھلی فضا میں نکلے، وہ کافی دیر تک ایک کتاب کا مطالعہ کرتی رہی جب وہ

تنگ آ گئی تو اس نے کتاب کو ایک طرف رکھا اور کمرے سے باہر نکل آئی۔ رات کافی ہو چکی تھی۔ ہر طرف سناٹے کا راج تھا۔ اس کو یقین تھا اس کے والدین خواب غفلت میں ہوں گے۔ سامنے کھلے صحن میں لگے درخت بھی ٹھنڈی ہواؤں میں مستی کے عالم میں جھوم رہے تھے۔ چاند کی روشنی صحن میں اتر کر ماحول کو عجیب سا بنا رہی تھی۔

ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکوں سے ہانیہ پر نیند کا خمار سا آنے لگا۔ وہ کمرے کی طرف جانے کے لئے مڑی تھی کہ ایک آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"ہانیہ۔"

وہ بری طرح سے چونکی۔ ہاں کسی نے بہت ہی قریب سے اس کو پکارا تھا۔ وہ حیرت زدہ انداز میں پلٹی۔ کوئی بھی تو نہیں تھا۔ پھر کس نے اس کو پکارا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ ہانیہ کو وہم ہوا ہو۔ اب وہ جانے کے لئے مڑی تھی۔

"ہانیہ۔۔ ہانیہ۔" اس بار پھر اس کو پکارا گیا۔

پھر اس کے پاؤں وہیں جم گئے۔ عین اسی وقت ایک ہلکا سا کھٹکا ہوا۔ پھر اس کی آنکھوں میں خوف امڈ آیا۔ وہی سیاہ رنگ کا بلا جانے کہاں سے نمودار ہوا تھا۔ وہ اپنی سرخ اور چمکتی نگاہوں سے ہانیہ کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اچانک ہانیہ وہ منظر یاد آنے لگا تھا کہ جب اس نے کے پیر چاٹے تھے جس کے بارے میں ہانیہ نے کسی سے بھی تذکرہ نہیں کیا تھا۔ یہ وہی بلا تھا جس نے مزمل کے ہاتھ پر پنجہ مارا تھا۔ وہ ہانیہ کو بے نیازی کے عالم میں گھور رہا تھا۔

خوف سے ہانیہ کے چہرے پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے۔ وہ بھاگنا چاہتی تھی مگر اس کے پیر جیسے من من کے ہو گئے۔ وہ چند لمحوں تک ہانیہ کو گھورتا رہا اور پلٹ کر درختوں کی طرف جا کر نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

پھر وہ پلٹ کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ کمرے میں پہنچ کر ہانیہ نے سوچا کہ ساری بات اپنے گھر والوں کو بتا دینی چاہیے۔ لیکن اس وقت تو اس کے والدین سو رہے تھے۔ اس نے سوچا کہ کل صبح بتا دوں گی۔

دوسرے دن ناشتہ کی میز پر جب اس نے کالے بلے کا تذکرہ کیا تو میز پر فہد صاحب بھی موجود تھے۔ اس کی بات سن کر فہد صاحب مسکرانے لگے۔

''ارے تم نے خواب دیکھا ہوگا۔ بھلا کوئی جانور کسی کا نام لیتا ہے۔'' اس کی امی نے کہا۔

اب وہ انہیں اپنا اور مزمل کا تجربہ کیسے بتاتی اس لئے وہ خاموش رہی۔

''مگر ایک بات تو بتاؤ۔ تم اتنی رات صحن میں کیوں گئی تھی۔'' فہد صاحب نے پوچھا۔

''وہ ابو نیند نہیں آرہی تھی۔''

''اگر کبھی ایسا ہو جایا کرے تو ہمارے کمرے میں آجایا کرو۔''

''جی ابو ایسا ہی کروں گی۔''

''جب اگر تم کو نیند نہ آئے تو بینڈ باجا بھی لے کر آنا۔'' آرزو بیگم نے کہا۔

''وہ کیوں۔'' ہانیہ نے حیرت سے پوچھا۔

''تمہارے ابو مردوں سے شرط باندھ کے سوتے ہیں۔''

اس کی بات سن کر ہانیہ ہنس پڑی۔

''خیر ابو نہ سہی آپ تو اٹھ جانا۔''

ادھر فہد صاحب آرزو بیگم کو گھورے ہی جا رہے تھے۔

☆......☆......☆

چاند کی چودہ تاریخ آہی گئی تھی۔ آسمان پر پورا چاند تھا جس کی دودھیا روشنی ہمیشہ ہی مزمل

کو بھلی لگتی تھی۔ مزمل تو اسی رات کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ حکیم صاحب کے آستانے پر پہنچ گیا تھا۔
حکیم صاحب اسی کا انتظار کر رہے تھے اس کو دیکھ کر مسکرائے۔

''آؤ میاں۔ کھانا کھاؤ گے۔''

''نہیں بہت شکریہ۔''

''ارے وہ تو بہت خوش نصیب ہوتا ہے جس کے گھر مہمان آتا ہے۔ تم ہمارا یہ اعزاز ہم سے چھیننا چاہتے ہو۔'' انہوں نے مسکرا کر کہا۔

اب مزمل کیا جواب دیتا۔ اس نے ہاں ہی کر دی۔ کھانا بڑا شاندار تھا۔ ساگ گوشت اور آلو کی سبزی کے ساتھ آلو بخارے کی چٹنی تھی۔

''یہ آلو بخارے کی چٹنی ہماری بیگم خوب بناتی ہیں۔''

''ہاں سبحان اللہ، کھانا بڑا لاجواب ہے۔ پیٹ بھر گیا نیت نہیں۔''

''شکریہ۔'' حکیم صاحب بولے۔

کھانا کھا چکنے کے بعد حکیم صاحب نے برتن لے کر اپنے گھر والے حصے میں چلے گئے۔ ان کی واپسی تھوڑی دیر سے ہوئی تھی جس کی وجہ چائے تھی۔

''کھانے کے بعد اگر چائے نہ ہو تو کھانے کا مزا نہیں رہتا۔'' حکیم صاحب نے مسکرا کر کہا۔ جواباً مزمل بھی مسکرانے لگا تھا۔ وہ حکیم صاحب کی مہمان نوازی سے بہت متاثر ہوا تھا۔ چائے کے بعد حکیم صاحب بولے۔

''ہاں تو میاں ہم نے معلوم کر لیا ہے کہ معاملہ کیا ہے۔''

یہ سن کر مزمل بے چین ہو گیا۔ اس کی بے چینی دیکھ کر حکیم صاحب مسکرانے لگے۔ قدرے توقف کے بعد حکیم صاحب بولے۔

"برخوردار تمہاری منگیتر پر اثرات ہیں۔ کسی جن کا سایہ ہے جو کہ بہت زبردست ہے۔"
انہوں نے گویا دھماکہ کیا۔
"اور وہ کافی عرصے سے اس جن کے زیر اثر ہے۔"
"جن۔" مزمل کا منہ کھل گیا۔ "تو گویا میرا شک درست تھا۔"
"ہاں میرا علم بھی یہی کہتا ہے۔ مگر کون ہے، کیا نام ہے اس کا۔ میرا علم اس سے آگے خاموش ہو جاتا ہے۔ لگتا ہے وہ بہت طاقتور جن ہے۔"
اس کی بات سن کر مزمل کے چہرے پر پریشانی جھلکنے لگی تھی۔
"تم پریشان ہو گئے۔"
"جی بات ہی ایسی ہے پہلے شک تھا اب آپ نے اس کو یقین کا روپ دے دیا ہے۔"
"میرا مشورہ ہے تم اس سے شادی مت کرو۔"
ان کی بات پر مزمل سناٹے میں آگیا اور پھر بولا۔ "حکیم صاحب میں اس سے بے حد محبت کرتا ہوں اور آپ ایسا کیوں بول رہے ہیں۔"
"میں ایسا اس لئے بول رہا ہوں کہ شادی کے بعد تم کو ضرور علم ہو جاتا کہ لڑکی پر جن کا سایہ ہے۔ اور وہ پراسرار قوت کسی وقت خود کو ظاہر کرتی۔ اور تمہاری جان خطرے میں آجاتی۔"
"میری جان تو ہانیہ ہے سر۔ اس کے بغیر تو زندگی کا تصور بھی نہیں۔" مزمل اچانک جذباتی ہو گیا۔
یہ سن کر حکیم صاحب چند لمحے کے لئے اس کی طرف دیکھتے رہے اور پھر بولے۔
"بیٹا! کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔ چلو دیکھتے ہیں اس سلسلے میں اپنے مرشد سے رابطہ کرنا ہوگا۔"
اچانک ایک خیال مزمل کے ذہن میں بجلی کے کوندے کی طرح لپکا۔

"کیا وہ سیاہ پوش اور بلا ایک ہی ہے۔"

"یہ وہی جن کے جس کے مختلف روپ ہیں۔"

اچانک مزمل چونکا اور پھر بولا۔ "حکیم صاحب، کچھ دن پہلے ہانیہ کا رشتہ آیا تھا اور پھر انہوں نے بغیر وجہ انکار کر دیا تھا۔"

"ہوں۔" حکیم صاحب سوچ میں پڑ گئے۔

"اس لڑکے سے بات کرو اور سے پوچھو کہ کیوں تم نے انکار کیا تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس جن نے ہی یہ رشتہ خراب کروایا ہو۔" حکیم نے ایک تہلکہ خیز انکشاف کرتے ہوئے کہا۔

"تو مجھے اس لڑکے سے ملنا پڑے گا۔" مزمل نے سوچتے ہوئے کہا۔

"ہاں ضرور ملو۔"

"حکیم صاحب اس جن سے نجات حاصل کرنے کا کوئی طریقہ ہے۔"

اس کی بات پر حکیم صاحب مسکرائے اور بولے۔ "میاں، ہر مسئلے کا حل ہوتا ہے۔ اس کا بھی کوئی نہ کوئی حل ضرور ہوگا۔ اس کے لئے میرے مرشد ہیں ناں۔"

ایک اور بات حکیم صاحب بولے۔ "جس آدمی نے تم کو آستانہ بند ہونے کا کہا تھا میرے علم کے مطابق یہ وہ جن تھا۔"

ان کی بات سن کر مزمل ان کو یک ٹک دیکھنے لگا تھا۔ ان نظروں میں حیرت بھی تھی اور خوف بھی۔

☆......☆......☆

وقار سے مزمل کی ملاقات اس کے آفس میں ہوئی تھی۔ وہ مزمل کو دیکھ کر قدرے حیرت اور الجھن میں تھا۔

"کون ہیں آپ اور کس سلسلے میں تشریف آوری ہوئی ہے۔"

"کچھ انفارمیشن لینی تھی آپ سے، اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو۔" اس کا لہجہ کافی مہذب تھا۔
وقار نے اثبات میں سر ہلایا اور بولا۔ "لنچ کا وقت ہے اور میں میس جا رہا ہوں۔ آپ چلیں اسی جگہ بات ہو جائے گی۔"
"چلیں او کے۔"
میس پہنچ کر وقار نے اپنے اور مزمل کے لئے بریانی لی تھی۔ کھانے کے دوران وقار نے پوچھا۔ "جی کس قسم کی معلومات درکار ہیں آپ کو۔"
"ہانیہ کے بارے میں۔"
اس کی بات سن کر وقار چونک پڑا۔ اس نے فوراً ہی چمچہ واپس پلیٹ میں رکھ دیا اور اسکی طرف الجھن زدہ نظروں سے دیکھنے لگا
"میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ نے ہانیہ کو انکار کیوں کیا تھا۔"
"مگر آپ ہیں کون۔"
اسکی بات سن کر مزمل نے اس کی طرف دیکھا اور پھر ایک گہری سانس لے کر بولا۔
"میں ہانیہ کا منگیتر ہوں۔"
"اوہ۔" وقار کے منہ سے نکلا۔ دوسرے پل اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری اور کچھ سوچنے لگا۔ کچھ لمحات تک سوچنے کے بعد وہ بولا۔
مزمل کو یوں لگا کہ جیسے کہ وہ سب کچھ اگلنے کے لئے بے چین ہو۔
"بریانی تو ختم ہو گئی۔ اب چائے منگواتے ہیں۔" وقار نے کہا۔
"میرے سوال کا یہ جواب تو نہیں۔"
اس کی بات سن کر وقار نے ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔ "میرا آپ سے ذاتی مشورہ ہے کہ

آپ اس رشتے کو انکار کر دیں۔"

"مگر کیوں۔۔کیا وہ کردار کے لحاظ سے۔"

"ارے نہیں ایسی بات نہیں ہے۔"

"پھر کیا بات ہے۔"

"بات یہ ہے کہ اس پر کسی جن کا سایہ ہے۔" وقار نے گویا دھماکہ کیا۔

"جن کا سایہ۔" مزمل چونک گیا۔

"ہاں جن کا سایہ۔"

مزمل اس کی شکل دیکھتا ہی رہ گیا۔ لمحاتی توقف کے بعد وہ پھر بولا۔"یہ بات آپ کو کس نے بتائی۔"

"یہ بھی ایک عجیب سی بات ہے۔" وقار نے ٹھنڈی سانس لی۔"یوں سمجھ لیں کہ یہ راز مجھ پر از خود ہی افشا ہو گیا۔ ایک شخص کی کال آئی تھی اس شخص نے مجھ سے ہوٹل الاسکا میں ملاقات کی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ہانیہ کا واقف کار رہا ہو یا پھر اس کے باپ کا کوئی دشمن۔۔"

"دشمن کیوں۔"

اس کی بات سن کر وقار مسکرایا۔"ہانیہ کا باپ تو ایسی حرکت کر نہیں سکتا کہ اس کا رشتہ خراب کر دے۔ ایسی حرکت تو کوئی ایسا شخص کر سکتا ہے جو ان کا دشمن ہو۔"

"اوہ۔۔اچھا۔"

"جب میں یہ بات اپنے گھر والوں کو بتائی تو انہوں نے فوراً ہی منع کر دیا تھا۔ میری امی کا اعتقاد ہے ان چیزوں پر۔ میرے لئے اچھا ہی ہوا کیونکہ اب میری ایک دوسری جگہ بات چل رہی ہے۔"

اس کی بات پر مزمل سوچ میں پڑ گیا۔ کچھ لمحوں کے بعد وہ بولا۔ ''اچھا تم یہ تو بتاؤ کہ وہ کون تھا جس نے تم کو یہ بات بتائی تھی۔''

اس پر وقار نے اس کو چونک کر دیکھا اور پھر بولا۔ ''میں نے پہلی بار اس کو دیکھا تھا۔''

''اچھا۔''

''وہ ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی کا شکار معلوم ہوتا تھا۔''

''اچھا۔ کوئی تو نام ہوگا اسکا۔''

''ہاں کوئی عجیب سا نام تھا اسکا۔'' وہ دماغ پر زور دیتا ہوا بولا۔ ''ہاں روحان۔ ہاں روحان نام تھا اس کا۔''

مزمل حیرت کے مارے اچھل پڑا اور پھٹی نگاہوں سے اس کو دیکھتا ہی رہ گیا۔ وقار اس کی بدحواسی پر حیران رہ گیا۔

''کیا تم اس کو جانتے ہو؟''

''ہاں میں اس کو جانتا ہوں بلکہ اس سے ملا بھی ہوں اب تو اس سے دوبارا ملنا پڑے گا۔''

اتنا کہہ کر مزمل وہاں سے نکل آیا۔ اس کا ذہن بار بار اس بات کی گردان کر رہا تھا کہ روحان کو کیسے پتہ چلا کہ ہانیہ پر اثر ہے؟ اس نے وقار سے ملاقات کو منع کیوں کیا؟ کیا اس نے اسی لئے اس کا نمبر لیا تھا؟ متعدد سوال اس کے ذہن میں گونج گئے۔ روحان کون تھا وہ یہ سب کیسے جانتا تھا؟ اب تو اس سے ملنا ضروری ہو گیا تھا۔ اس نے وقار کو پاشا کا بھی بتایا تھا وہ پاشا نامی آدمی کو کس طرح جانتا تھا؟

دوسرے دن وہ وقت سے پہلے ہی یونیورسٹی پہنچ گیا تھا۔ اگر کہا جائے کہ رات کو مزمل ٹھیک طرح سے سویا بھی نہیں تھا تو یہ غلط نہیں ہوگا۔ اس نے یونیورسٹی میں آ کر ہر جگہ روحان کو تلاش

کیا مگر روحان اس کو نہ مل سکا۔ کافی ڈھونڈنے کے بعد تھک ہار کر وہ پارک میں آ کر بیٹھ گیا۔
اچانک اس کو عادل آتا ہوا دکھائی دیا۔ عادل روحان کا سب سے گہرا دوست تھا۔ مزمل نے
اکثر ان دونوں کو ساتھ ہی دیکھا تھا۔ چنانچہ اس نے عادل کو پکڑ لیا۔

''روحان کے بارے میں معلوم کرنا ہے وہ کہاں ہے۔۔''

''میں سمجھا نہیں۔''

''تم اس کے گہرے دوست ہو۔ وہ یونیورسٹی نہیں آ رہا مجھے اس کے گھر کا پتہ دو۔ مجھے
بہت ضروری کام ہے اس سے۔''

یہ سن کر عادل گھبرا سا گیا اور دوسرے ہی پل وہ بولا۔ ''میں نہیں جانتا۔۔ ہاں اس نے میرا
گھر ضرور دیکھا ہے۔ جب اس کو ملنا ہوتا ہے تو وہ میرے پاس آ جاتا ہے۔''

''کیا اس نے کبھی بھی اپنا پتہ نہیں دیا۔''

''نہیں اور نہ مجھے ضرورت پڑی۔'' عادل نے مایوسی سے سر ہلایا اور پھر آگے بڑھ گیا۔
مزمل اس کو جاتے دیکھتا رہا۔ اس کو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ عادل جھوٹ بول رہا ہے مگر کیوں۔

☆......☆......☆

ہانیہ کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ رات کے دو بج چکے تھے۔ گزشتہ رات والا واقعہ
اس کے ذہن میں گھوم رہا تھا۔ اس کو یقین تھا کہ اس نے اس بلے کو دیکھا تھا۔ بلا اور سیاہ پوش
ایک ہی ہیں۔ اس کا دل بھی گھبرا رہا تھا وہ سخت گرمی بھی محسوس کر رہی تھی۔

اچانک ایک عجیب سی خواہش اس کے ذہن میں جاگی۔ نہانے کی خواہش۔ اس کا دل
جیسے نہانے کے لئے مچل اٹھا۔ وہ فوراً ہی تولیہ اٹھا کر غسل خانے میں گھس گئی۔ جیسے ہی اس نے
نہانے کے لئے کپڑے اتارے۔ اس کو ایسا لگا کہ جیسے کوئی اس کو دیکھ رہا ہے، وہ گھبرا گئی

احساس صرف چند لمحوں کا تھا۔ نہاتے وقت اس نے اپنے جسم کو دیکھا تو وہ خود شرما گئی۔ اس کا جسم نہایت ہی خوبصورت تھا۔ نہا کر باہر نکلی تو اپنے آپ کو بے حد تروتازہ اور پرسکون محسوس کر رہی تھی۔ اس نے اپنی امی سے سن رکھا تھا کہ رات کو نہا کر سویا جائے تو نیند بہت اچھی اور پرسکون آتی ہے جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کو ہلکی سی خوشبو کا احساس ہوا۔ خوشبو نہایت ہی دلفریب تھی۔ ایسی خوشبو ہانیہ نے پہلے کبھی نہیں سونگھی تھی۔ وہ بیڈ پر پہنچی تو یہ دیکھ کر چونک گئی۔ اس کے تکیے پر ایک تروتازہ سرخ گلاب رکھا ہے اور خوشبو اسی گلاب سے آ رہی تھی۔ وہ گلاب عام گلابوں کی نسبت بڑا اور زیادہ ہی سرخ تھا۔ جیسے ہی ہانیہ نے وہ گلاب اپنی ناک سے لگایا۔ اس کی خوشبو پورے کمرے میں پھیل گئی اور پھر وہ اس خوشبو کے زیر اثر بے ہوش ہو کر بیڈ پر گر پڑی۔ پورا کمرا اس خوشبو سے مہک رہا تھا۔

کچھ ہی لمحے گزرے ہوں گے کہ کمرے میں ڈریسنگ کے آئینہ میں ایک شبیہہ نمودار ہونا شروع ہوئی۔ وہ صورت ایک مرد کی تھی جس نے ایک عربی شہزادوں والا لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ اس کا قد کسی بھی طرح سے سات فٹ سے کم نہیں تھا۔ وہ اچانک آئینے سے باہر نکل آیا۔ اس کے جسم پر جو لباس تھا اس سے وہ کسی بھی طرح شہزادوں سے کم نہیں لگ رہا تھا۔ اس کے پیروں میں سلیم شاہی جوتے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ہانیہ کے پاس پہنچ کر رک گیا۔ ہانیہ کو دیکھ کر ایک پل کے مبہوت ہو کر رہ گیا۔۔ وہ واقعی بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ وہ اجنبی شہزادہ ہانیہ کو یک ٹک دیکھے ہی جا رہا تھا۔ جب کافی دیر گزر گئی تو اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور خود کلامی کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”ہانیہ۔۔ تم بہت خوبصورت ہو۔۔ خدا کی قسم، تم کو چاند بھی دیکھے تو وہ بھی شرما جائے۔ تم بہت معصوم ہو۔ خدا کی قسم تمہاری معصومیت پر فرشتے فدا ہو جائیں۔۔ میں تم سے بہت محبت

کرتا ہوں اور عہد کرتا ہوں کہ تم کو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔تم کو حاصل کر کے رہوں گا۔ چاہے مجھے خود کیوں نہ فنا ہونا پڑے۔تمہارے لئے چاہے مجھے کچھ بھی کیوں نہ کرنا پڑے۔‘‘

اتنا کہہ کر وہ جھکا اور ہانیہ کے سبک پیروں کو بڑے ہی پیار سے اپنے ہاتھوں میں تھام لیا اور پھر دوسرے ہی پل اس نے اپنے ہونٹوں سے ہانیہ کے دائیں پیر کا انگوٹھا چوم لیا۔انگوٹھا چومتے ہی اس کا چہرا سرخ ہوگیا۔ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے کہ اس کے جسم میں برقی روسی دوڑ گئی ہو۔پھر وہ مسکرا کر اٹھا اور ہانیہ کی طرف محبت بھری نظروں سے دیکھتا رہا پھر دوسرے ہی پل وہ ایک دھوئیں کا روپ اختیار کر چکا تھا وہ دھواں سمٹ کر کھڑکی سے باہر نکل رہا تھا۔دوسری صبح ہانیہ کی آنکھ کھلی تو نہ جانے کیوں اس کو اپنے پیر کے انگوٹھے میں ہلکی سی سوزش کا احساس ہو رہا تھا۔گزشتہ رات کا واقعہ اس کو بالکل بھی یاد نہیں تھا۔بس اس کو اتنا یاد تھا کہ رات اس کو شدید بے چینی تھی۔نہانے تک کے سارے واقعات اس کو یاد تھے مگر اس کے بعد کے سارے واقعات اس کے ذہن سے محو ہو گئے تھے۔سوزش کے بارے میں اسکا یہی خیال تھا کہ کسی کیڑے وغیرہ نے اسکو کاٹ لیا ہو۔

☆......☆......☆

روحان بڑی ہی تیز نظروں سے عادل کو گھور رہا تھا۔کافی دیر تک جب وہ عادل کو اسی طرح گھورتا رہا تو عادل خود ہی اس سے مخاطب ہوا۔’’کیا ہوا‘‘

’’غصہ آرہا ہے تم پر اور تمہاری بے وقوفی پر۔‘‘ روحان نے سخت لہجے میں جواب دیا۔

’’کیا کیا ہے میں نے۔‘‘ عادل نے بھی تھوڑا تیز ہو کر کہا۔

’’ابے سالے۔۔جب مزمل تم سے کہہ رہا تھا تو تم اس کو یہاں لے آتے۔‘‘

’’یہ تو بے وقوفی والی بات ہوئی۔‘‘ عادل نے جواب دیا۔

”کیوں۔“

”مزمل تم کو دیکھ کر کیا سوچتا ہوگا۔“

”اوہ یہ بات بھی ہے میں دراصل کھنڈر عمارت میں رہتا ہوں۔اس وقار کے بچے نے میری محنت پر پانی پھیر دیا اور اب مجھے مزمل سے ملنا ہی ہوگا۔“ روحان نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

”کب ملو گے۔“

”فی الحال ابھی نہیں۔“

”مطلب۔“

”جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا ہے۔ وہ مجھ سے دور ہوتی جا رہی ہے۔وہ میری ہے صرف میری۔اس کو مجھ سے میری موت ہی دور کرسکتی ہے کیونکہ اس کو مجھ سے کوئی دور نہیں کرسکتا کیونکہ مجھے لوگوں کو بھی سمجھانا ہے۔وہ میری ہے۔“ روحان نے خاصا جذباتی لہجے میں جواب دیا۔

عادل اس کی بات سن کر خاموش رہا اور پھر کافی چبھتے ہوئے لہجے میں روحان کو مخاطب کیا۔”مجھے ایک بات بتاؤ۔“

”ہاں پوچھو۔“

”تم کون ہو۔“ عادل نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔

یہ سن کر روحان چونکا اور پھر یک بیک ہنس کر بولا۔”ارے بھئی تمہاری ہی طرح ہوں۔“

”لگتا تو نہیں۔“

”کیا مطلب۔“

”ایسا لگتا ہے کہ تم بہت خاص ہو۔ کچھ الگ ہے جو دوسروں میں نہیں۔“

اس کی بات پر وہ مسکرانے لگا۔”پھر تو اس خاص بات کا پتہ تم خود ہی لگاؤ۔جب مل جائے

تو مجھے بھی بتا دینا۔۔"

"کوشش کرتا ہوں۔"

جواب میں روحان کے لبوں پر بڑی ہی گہری مسکراہٹ دوڑ گئی۔

☆......☆......☆

مزمل کافی کوشش کے باوجود بھی روحان سے نہیں مل پایا تھا۔اس نے اپنے طور پر بھی روحان کا پتہ لگانے کی جدوجہد کر ڈالی۔روحان کے پرسنل ڈاکومنٹ سے بھی روحان کا پتہ نہیں مل پایا تھا۔خود یونیورسٹی کا کلرک حیران تھا کہ بغیر ایڈریس داخلہ کیسے مل گیا اور عادل کے سوا اس کا کوئی دوست بھی نہیں تھا بقول عادل وہ خود بھی اندھیرے میں تھا۔

حکیم صاحب بھی اپنے مرشد کے پاس جا چکے تھے۔اب صرف وہ انتظار ہی کر رہا تھا۔پھر ایک روز اچانک ہی روحان یونیورسٹی میں نمودار ہوا تھا۔مزمل نے اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

"کہاں ہو بھئی۔"

"ذرا مصروف تھا۔"اس نے سرسری انداز میں جواب دیا۔

"کیا تم تھوڑا وقت دے سکتے ہو۔"

"ہاں کیوں نہیں۔"

"چلو پھر چائے پیتے ہیں۔"مزمل نے کہا۔

اسکی بات سن کر وہ مسکرایا۔

"صرف چائے۔"

"ارے بھئی کچھ کھا بھی لینا۔"مزمل نے مسکرا کر کہا۔پھر وہ جلد ہی دونوں کار میں بیٹھ کر کسی ہوٹل کی طرف چل پڑے۔راستے میں مزمل نے پوچھا۔

"کیا تم کو معلوم ہے میں تم سے کیا بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں بھئی۔۔اچھی طرح۔۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"تو کیا تم ہانیہ کے بارے واقعی بہت کچھ جانتے ہو۔"

"ہاں بھئی۔" وہ مسکرایا۔

"مگر کیسے۔"

اس کی بات سن کر روحان مسکرایا اور بولا۔ "دیکھو دوست جلد بازی مت کرو۔آرام سے کسی ہوٹل میں بیٹھ کر بات کریں گے۔"

پھر جلد ہی وہ دونوں ہوٹل کی ایک میز پر جا بیٹھے تھے۔

"میں جب بھی ہوٹل میں بیٹھتا ہوں تو کچھ نہ کچھ کھاتا ضرور ہوں۔" روحان نے مسکرا کر جواب دیا۔

"تو منگوالو مگر اپنے لئے۔"

روحان نے ویٹر کو بلا کر خوب سارا آرڈر دیا تھا۔آرڈر سن کر مزمل کو چکر آنے لگے تھے وہ آرڈر کم از کم تین آدمیوں کے برابر تھا۔

"ہوں۔۔تم کسی طرح جانتے ہو کہ ہانیہ پر اثر ہے۔"

"میں ایک قبائلی ہوں۔جس قبیلے سے میرا تعلق ہے وہاں عملیات پر زیادہ فوکس کیا جاتا ہے چنانچہ میں بھی ایک عامل ہوں۔جب تم نے ہانیہ کی بابت بتایا تو میں نے سوچا کہ معلوم کروں کہ تم دونوں کا ملن ہو پائے گا کہ نہیں۔۔اسی وجہ سے مجھے ہانیہ کے بارے میں سب پتہ چل گیا۔"

"عملیات۔" وہ چونک گیا۔

یہ چیز مزمل کے لیے کافی حیران کن تھا کہ روحان ایک عامل تھا۔ اچانک ایک خیال اس کے ذہن میں آیا۔ یہ خیال اتنا بے ساختہ تھا کہ وہ بولے بغیر نہ رہ سکا۔

''تم کہہ رہے ہو کہ تم عامل ہو۔ تم نے ہانیہ کے بارے میں سب کچھ معلوم کرلیا۔ میرا ایک سوال ہے۔ عامل کو تو کچھ معلوم کرنے کے لئے معمول کے کسی کپڑے اور برتھ کی تاریخ کی ضرورت پڑتی ہے۔''

یہ سننا تھا کہ روحان یکدم گڑ بڑا سا گیا جس کو مزمل نے بخوبی محسوس کیا لیکن یہ صرف چند لمحوں کے لئے تھا۔ دوسرے پل ہی وہ مسکرا کر بولا۔ ''یار یونیورسٹی کے رجسٹر سے میں ہانیہ کے پیدائش کی تاریخ معلوم کرلی تھی۔''

نہ جانے کیوں مزمل کو اس کی وضاحت کھوکھلی محسوس ہوئی۔

''میرے بارے کیا معلوم کیا۔''

''کچھ نہیں۔''

مزمل جواب دینا چاہتا تھا کہ ویٹر مطلوبہ آرڈر لے کر حاضر ہوگیا۔ ویٹر کے جانے کے بعد مزمل نے پوچھا۔

''کیوں معلوم نہیں کیا۔''

''ایسے ہی یار، اگر تم چاہو تو تمہارے بارے میں بھی سب کچھ بتا دوں گا۔''

اتنا کہہ کر اس نے کھانا شروع کردیا۔ اس کو کھاتے دیکھ کر مزمل کی آنکھیں کھل گئیں۔ اس کو ایسا لگا کہ مرحوم ابن صفی کا مشہور جاسوسی ناول نگار کے زندہ جاوید کردار قاسم کو مجسم دیکھ رہا ہو۔ اس نے کھانے پر کوئی تبصرہ نہ کیا بس حیرت سے دیکھتا ہی رہا۔

''ایک بات بتاؤ روحان تم مجھے کالے بلے کے بارے میں بتا سکتے ہو۔''

"کالا بلا۔" روحان کا ہاتھ رک گیا۔

"ہاں۔۔کالا بلا جب سے میں ہانیہ سے ملا ہوں وہ میرے پیچھے لگا ہوا ہے۔"

"کیا وہ نقصان پہنچاتا ہے۔"

"نہیں۔۔ابھی تک تو نہیں۔"

"اچھا پھر میں تم کو جلد ہی اس کے بارے میں بتا دونگا۔" روحان نے ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا۔

کھانے کے بعد چائے آ گئی تھی۔ اس دوران دونوں ہی خاموش رہے تھے۔ اچانک روحان نے مزمل سے کہا۔ "ایک بات کہوں دوست۔"

"ہاں ضرور۔" مزمل نے سپ لیتے ہوئے کہا۔

"تم ہانیہ سے دور رہو۔۔ورنہ کسی بھی لمحے نقصان اٹھا سکتے ہو۔" اس کا لہجہ سرد تھا۔

مزمل مسکرایا اور بولا۔ "پروا نہیں دوست، محبت میں آئی موت بھی اعزاز سے کم نہیں۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو دوست۔" روحان نے سنجیدگی سے کہا۔

قدرے توقف کے بعد مزمل نے کہا۔ "کیا تم ہانیہ کا علاج نہیں کر سکتے۔"

"میں نے کبھی جنوں سے مقابلہ نہیں کیا۔"

"اب کرنے میں کیا حرج ہے ہانیہ کی اور میری خاطر۔" مزمل مسکرایا۔

ہانیہ کا نام سن کر وہ چونک گیا اور پھر بولا۔ "کوشش کرتا ہوں۔ اگر کچھ ہو سکا تو ضرور کروں گا۔" اتنا کہہ کر روحان واش روم کا کہہ کر اٹھ گیا۔ اسکے جانے کے بعد مزمل بھی سوچ میں پڑ گیا۔ یہ بات اس کے لئے کافی حیران کن تھی کہ روحان ایک عامل بھی ہے۔

☆......☆......☆

حکیم صاحب نے گویا دھماکہ ہی کر دیا تھا۔خبر ہی ایسی تھی جس کو سن کر مزمل سناٹے میں آ گیا تھا۔وہ چار کے دن کے بعد حکیم صاحب کے آستانے پر جا پہنچا تھا۔حکیم صاحب کے انداز میں قدرے سرد مہری تھی جس کو اس نے بخوبی محسوس کر لیا تھا۔جانے کیوں ان کے انداز میں وہی پہلے والی بات نہ رہی تھی۔حکیم صاحب نے مزمل کو دیکھا اور بولے۔''اچھا ہوا میاں آپ کا ہی انتظار کر رہا تھا۔''انداز قدرے روکھا تھا۔قدرے توقف کے بعد وہ مزمل کی طرف غور سے دیکھ کر بولے۔۔''تم اس لڑکی کو بھول جاؤ۔''

''مگر کیوں۔۔آپ نے کبھی وہ دل دیکھا ہے جس میں دھڑکن ہی نہ ہو۔''

''کیا مطلب؟''حکیم صاحب چونکے۔

''مطلب یہ وہ میرے جسم جو دل دھڑکتا ہے ہانیہ اس کی دھڑکن ہے۔میں زندہ رہنا تو چھوڑ سکتا ہوں مگر اس کو نہیں۔''مزمل کا انداز جذباتی تھا۔

اس کی بات سن کر حکیم صاحب نے طویل سانس لی اور بولے۔

''میاں کوئی اور بندوبست کر لو۔کیونکہ مرشد نے انکار کر دیا ہے ان کا کہنا ہے یہ جن بہت طاقتور ہے۔وہ کون ہے اس کا پتہ لگانا بھی ناممکن ہے کیونکہ وہ ہر وقت خود کو ایسے حصار میں رکھتا ہے جس کا توڑنا ممکن ہے۔وہ جن اس لڑکی کے خون میں شامل ہو چکا ہے۔اس سے بے انتہا محبت کرتا ہے شاید تم سے زیادہ اس لڑکی کو آزاد کروانا بہت مشکل ہے۔''

یہ سن کر وہ دھک سے رہ گیا۔

''اب کیا ہو گا حکیم صاحب۔۔''

''ہو گا کیا۔۔اگر تم اس سے اسی حالت میں شادی کر سکتے ہو تو کر لو۔۔ورنہ کوئی اور عامل ڈھونڈ لو۔''

جواباً اس نے اس کو چونک کر دیکھا اور پھر بولا۔ ''آپ اتنے بڑے عامل ہیں اس بلے کا کچھ نہیں کر سکتے۔''

''تم نے سمجھ کیا رکھا ہے اس بلے کو وہ اس جن کا دوسرا روپ ہے اور نہ جانے اس جن کے کتنے روپ اور ہیں۔''

اچانک مزمل چونک پڑا اور بولا۔ ''اگر اس نے ہانیہ پر تسلط جمایا ہے اور جب وہ اس بلے کے مجھے پریشان کرنے آتا ہوگا تو لازمی ہانیہ کے وجود سے باہر نکلتا ہوگا۔'' مزمل نے اپنا ذہن لگایا۔

''کیا اس وقت اس مردود کا کچھ نہیں ہو سکتا۔''

حکیم صاحب نے فوری کوئی جواب نہ دیا اور سوچ میں پڑ گئے اور پھر کچھ دیر کے بعد بولے۔

''تم ابھی تو کسی اور کو ڈھونڈ کر اس سے علاج کرالو۔ البتہ مجھ سے رابطہ میں رہنا۔ میں شرمندہ ہوں اگر مرشد کی طرف سے منادی نہ ہوتی تو میں کچھ نہ کچھ کرتا۔''

''جی شکریہ۔'' مزمل پھیکی سی مسکراہٹ سے بولا۔ ''اگر میرے نصیب میں ہانیہ اسی حال میں ہے تو منظور ہے۔''

☆......☆......☆

اس نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ہر صورت میں ہانیہ کو اپنائے گا، چاہے اس کو اس کی کوئی بھی قیمت کیوں نہ ادا کرنی پڑے۔ چنانچہ اس نے اپنی والدہ اور ناز کے گھر و پیغام بجھوا دیا تھا کہ وہ اب جلد سے جلد شادی کا خواہاں ہے۔ ہانیہ کے والد نے سوچنے کے لئے کچھ وقت مانگا تھا جبکہ یہ بات ہانیہ نے سنی تھی تو اس کے دل میں خوشی کے شادیانے سے بج اٹھے تھے۔ اس کے والد نے منگنی کی ایک تقریب منعقد کرنے کو کہا مگر مزمل نے منع کر دیا تھا۔ شادی

کی خبریں عادل اور روحان تک بھی پہنچی تھیں۔

عادل بہت پریشان تھا جبکہ روحان نہایت ہی پرسکون تھا۔وہ دونوں اس وقت ایک ہوٹل میں بیٹھے ہوئے تھے۔روحان نے خاصا پر تکلف کھانے کا آرڈر کیا تھا۔

''یار، تم کیسے عاشق ہو۔لگتا ہے تم کو سکون تب ملے گا جب ان دونوں کے بچے تم کو ماموں بلا رہے ہوں گے۔'' عادل نے چڑ کر کہا۔

اسکی بات سن کر روحان قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

''تم کیا چاہتے ہو میں اس کی محبت میں کھانا پینا بھی چھوڑ دوں۔''

''پھر تم کیسے عاشق ہو۔لوگ تو محبت میں دودھ کی نہریں کھود دیتے ہیں۔پاگلوں کی طرح گھومتے پھرتے ہیں اور اپنی جان بھی دے دیتے ہیں۔''

''لوگ محبت میں جان لے بھی تو لیتے ہیں۔'' روحان کے لہجے میں سفاکی در آئی۔

''کیا مطلب۔''

''ارے بھائی خود کو فنا کرنے سے بہتر ہے دوسروں کو فنا کر دیا جائے۔''

اس کی لفاظی سن کر عادل چڑ سا گیا۔

''تم کیا کرو گے۔کب کرو گے۔اب جب ان کی شادی بھی ہونے والی ہے۔''

''تو کیا تم کو ان کی شادی کا انتظار ہے۔''

''یہی سمجھ لو۔'' روحان مسکرایا۔اتنے میں ویٹر کھانا لے آیا تھا اور روحان کھانے میں مصروف ہو گیا وہی انداز وہی بے فکری۔عادل حیرت سے اس کی شکل دیکھ رہا تھا کہ نہ جانے یہ کیسا بندا ہے جواب بھی بے فکر ہے۔

☆......☆......☆

بالآخر مزمل کو منگنی کی چھوٹی سی تقریب کے لئے راضی ہونا ہی پڑا تھا۔ کیونکہ ہانیہ کی فرمائش تھی کہ منگنی کی رسم ادا ہونی چاہیے۔ مہک گارڈن میں انتظامات کیئے گئے تھے، ایک کھلا اور کشادہ لان تھا جس کے دونوں اطراف درختوں کے جھنڈ تھے۔ درمیان میں میزیں اور ان کے گرد ترتیب سے کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔

مہمان آ چکے تھے۔ ایسے میں روحان اور عادل دوسری طرف سے حکیم صاحب بھی لان میں داخل ہوئے تھے۔ حکیم صاحب کے ساتھ ایک اور بھی ہستی تھی وہ بھی حکیم صاحب کے ہم عمر ہی رہے ہوں گے۔ ان کے چہرے پر لمبی سی سفید رنگ کی داڑھی تھی اور چہرے نورانیت اور آنکھوں میں جلال تھا۔ مزمل حکیم صاحب اور ان نورانی ہستی والے کو اپنے احباب سے ملاتا تھا۔ نورانی چہرے والے سب سے خندہ پیشانی سے ملتے جا رہے تھے۔ جب وہ تینوں روحان کی طرف پہنچے تو نہ جانے کیوں نورانی چہرے والی ہستی نے روحان کو غور سے دیکھا تھا۔ روحان بھی ان کو غور سے دیکھنے لگا۔ نہ جانے کیوں روحان نے ان کی نظروں کی تاب نہ لاتے ہوئے اپنی نگاہیں نیچی کر لی تھیں۔

”یہ حکیم صاحب اور ان کے مرشد۔“ مزمل نے روحان اور عادل سے ان کا تعارف کروایا۔

روحان پہلے تو چونکا اور پھر مسکراتے ہوئے مصافحہ کے لئے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ ہاتھ ملاتے ہی روحان کو ایسا محسوس ہوا تھا کہ جیسے کوئی مضبوط اور ٹھوس ہاتھ اس کے ہاتھ میں ہو۔ ہلکے سے درد کا احساس روحان کو ہوا تھا جبکہ روحان کی کیفیت پر مرشد مسکرا رہے تھے پھر انہوں نے روحان کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ روحان نے اپنے ہاتھ کو سہلایا تھا۔

”آپ کی تعریف۔“ مرشد نے مسکرا کر روحان سے پوچھا۔

”جی روحان دوست ہوں مزمل کا۔“

”بلایا تو دوستوں کو جاتا ہے میاں دشمنوں کو نہیں۔“ مرشد مسکرائے۔

روحان چند لمحے تک مرشد کو دیکھتا اور پھر بولا۔ ”کبھی کبھی دوست ہی سب سے بڑے دشمن ہوتے ہیں۔“

اس کی بات سن کر مرشد ایک لمحے کے لئے چونکے اور پھر دوسرے پل ان کے لبوں پر وہی مسکراہٹ طاری ہوگئی۔ جواباً روحان کے لبوں پر پراسراری مسکراہٹ دوڑ گئی۔

”دوست اور دشمن میں تمیز بہت ہی کم لوگ کر پاتے ہیں۔“ روحان کا جواب تھا۔

روحان کی بات کے جواب میں مرشد مسکرا کر بولے۔ ”ایسے لوگ اب بھی موجود ہیں جو دوست اور دشمن کے فرق کو محسوس کریں۔“

اب چونکنے کی باری روحان کی تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر نظریں چرالیں۔

تقریب کا آغاز ہو چکا تھا مگر روحان اس تقریب میں نہ رکا اور ہاتھ ملایا اور بولا۔ ”چلتا ہوں دوست۔۔ ضروری کام ہے۔“

”ارے میاں اتنی جلدی۔“ مرشد بولے۔

”کیا کروں کام ہے ضروری ورنہ میں ضرور بیٹھتا۔“

اتنا کہہ کر روحان اور عادل وہاں سے چلے گئے۔ دونوں ہال سے باہر نکلے اور کار میں بیٹھ گئے۔

”چلو۔ کسی ہوٹل میں چل کر کچھ کھاتے ہیں۔“ روحان نے عادل سے کہا۔

اس کی بات پر عادل اس کو چونک کر دیکھنے لگا۔

”ابے کھانا تو ہال میں بھی تھا۔“

”یار میرا بریانی کھانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ سوچا پایا کھایا جائے۔“ اتنا کہہ کر روحان نے کار اسٹارٹ کر دی اور عادل حیرت سے اس کا منہ دیکھتا رہ گیا۔

منگنی کی رسم کا آغاز ہو چکا تھا۔ دونوں ہی اس بات سے بے خبر تھے۔ ہال کے باہر ایک گھنے پیڑ کی موٹی سی شاخ پر وہی بلا بیٹھا تھا۔ اس کی نظریں ہال کی طرف تھیں۔ اس کی آنکھیں اندھیرے میں چمک رہی تھیں اور بڑے ہی غور سے ہانیہ کو دیکھ رہا تھا۔

منگنی کی رسم ادا ہو جانے کے بعد پورے ہال میں مبارک سلامت کا شور گونج اٹھا۔ شادی میں ایک ماہ کا وقفہ رکھا گیا تھا۔

☆......☆......☆

بارش بہت تیز تھی۔ کچھ دنوں سے فضا میں حبس اور گھٹن تھی۔ آج وہ بارش کی صورت میں کھل چکی تھی۔ فہد صاحب گھر پر ہی تھے کیونکہ یہ بارش اس وقت شروع ہوئی جب چاروں طرف اندھیرا اچھیل چکا تھا۔ اسی وقت ہانیہ خوش خوش روم میں داخل ہوئی تھی۔

”ابو آپ لان میں جائیں میں پکوڑے بنا کر لاتی ہوں۔“

فہد صاحب مسکرائے اور بولے۔ ”اس وقت سب سے اچھا خیال یہی ہے۔ کیوں بیگم؟“

آرزو بیگم نے مسکرا کر ان کے جملے کی تائید کی۔ ہانیہ مسکراتی ہوئی کچن میں چلی گئی۔ بارش بہت تیز تھی۔ یوں لگتا تھا کہ آسمان کے سوتے کھل گئے ہوں۔ ہانیہ پکوڑے تیار کرتی جاتی اور بارش کا نظارا کرتی جاتی۔ گلی میں پانی جمع ہو چکا تھا۔ اچانک اس کی نظر کھڑکی سے باہر ایک کھمبے پر پڑی۔ کھمبے پر نظر پڑتے ہی وہ بری طرح چونک گئی۔ یہ وہی تھا جو کہ کھمبے کے نیچے کھڑا تھا۔ وہی سیاہ پوش جس نے تیز بارش میں اس کے بالوں میں گلاب لگایا تھا۔ اس کی فلیٹ ہیٹ اور نقاب بری طرح بارش میں بھیگ چکا تھا۔ پانی کے قطرے فلیٹ ہیٹ سے مسلسل

نیچے گر رہے تھے۔ہانیہ کو ایسا لگا کہ جیسے وہ اسی کی طرف دیکھ رہا ہو۔اچانک اس نے جیب سے کچھ نکالا جس کو دیکھ کر ہانیہ چونک اٹھی۔اور اس نے جھٹ سے کھڑکی بند کر دی۔وہ ایک لال گلاب تھا جو کہ اس نے نکال کر ہانیہ کی طرف بڑھایا تھا۔ہانیہ کا دل تیزی سے دھک دھک کرر ہا تھا۔

''یہ تو وہی ہے۔'' وہ از خود بڑبڑائی۔

دہشت سے اس کا چہرا سفید پڑ گیا تھا۔وہ کافی دیر تک اسی جگہ کھڑی رہی۔پھر اس نے تجسس کے پیش نظر کھڑکی کھولی تو وہ اسی جگہ کھڑا تھا۔گلاب کا پھول اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔ہانیہ کے لئے کچن میں رکنا دشوار ہو رہا تھا عین اسی وقت اس کی امی وہاں آ گئی۔

''ارے اتنی دیر لگا دی پکوڑوں میں۔'' اس کی امی نے آتے ہی کہا۔

ہانیہ نے ان کی طرف دیکھا۔اپنی بیٹی کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار دیکھ کر وہ بری طرح سے چونک گئیں۔

''کیا ہوا ہانیہ۔۔پریشان نظر آ رہی ہو۔''

'امی۔۔وہ بد بخت پھر سے آ گیا ہے۔''

''کون بد بخت۔''

''وہی سیاہ پوش جو بارشوں میں نظر آتا تھا۔''

''کیا کہہ رہی ہو تم۔وہی بد بخت پھر سے آ گیا ہے۔''

ہانیہ نے سر ہلاتے کھڑکی کھول دی۔اب وہ اسی جگہ موجود تھا۔

''یہ دیکھیں امی وہ رہا۔''

آرزو بیگم جیسے آگے بڑھیں اور ہانیہ کے کھمبے کی طرف اشارہ کیا تو خود ہی چونک گئی۔

وہاں کوئی نہیں تھا یہ دیکھ کر ہانیہ سناٹے میں آ گئی۔

''اب کیا ہوگا امی۔''

''کچھ نہیں اوپر والے پر بھروسہ رکھو وہی کوئی نہ کوئی حل نکالے گا۔'' اس کی امی نے اس کو دلاسہ دیتے ہوئے جواب دیا۔

''تم جاؤ میں پکوڑے بنا کر لاتی ہوں۔'' آرزو بیگم نے ہانیہ کو جانے کا اشارہ کیا۔

ہانیہ کے جاتے ہی آرزو بیگم سوچ میں پڑ گئیں۔ان کی نظریں کھمبے پر تھیں مگر وہ مردود ان کو کہیں نہیں دکھائی رہا تھا۔اچانک ان کی نظر کھمبے کے ساتھ والی دیوار پر پڑی۔ان کو دیوار پر ایک سیاہ رنگ کا بلا دکھائی دیا جو کہ بارش میں بھیگ رہا تھا اور اپنی سرخ آنکھوں سے انہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔اچانک اس بلے نے پانی میں چھلانگ لگا دی۔نہ جانے کیوں بلے کو دیکھ کر آرزو بیگم چونک گئیں۔ان کو یاد آ رہا تھا کہ ہانیہ نے ایک بار پہلے بلے کا تذکرہ کیا تھا۔

پکوڑے لے کر آرزو بیگم لان میں چلی آئی تھیں۔فہد صاحب کا چہرا دیکھ کر وہ سمجھ گئیں کہ ہانیہ اس بات کا تذکرہ کر دیا ہے۔

''اب کیا ہوگا۔'' انہوں نے چیئر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔۔ہانیہ، وہ تعویذ کہاں ہے جو اس نے دیا تھا۔'' فہد صاحب نے ہانیہ سے پوچھا۔یہ سن کر ہانیہ کا چہرا سفید پڑ گیا

''وہ مجھ سے گم ہو گیا نہ جانے کیسے۔'' ہانیہ کے انداز میں شرمندگی تھی۔اتنا سننا تھا کہ فہد صاحب نے سر پکڑ لیا۔

''اب کیا ہوگا۔'' وہ از خود بڑبڑائے۔

''میں نے آپ سے کہا بھی تھا کہ پاشا کو بلوا لیں۔''

”پاشا شہر میں نہیں تھا۔۔میں پھر معلوم کرتا ہوں۔“

”اگر لڑکے والوں کو معلوم ہو گیا اور انہوں نے انکار کر دیا تو۔۔“ آرزو بیگم کے لہجے میں تشویش تھی۔

”نہیں کریں گے۔۔کیوں کہ مزمل کو سب کچھ معلوم ہے۔“ ہانیہ نے انکشاف کیا۔جواب میں آرزو بیگم نے اس کی طرف چونک کر دیکھا۔اور ہانیہ مسکرادی تھی۔بارش اب کافی حد تک ٹوٹ چکی تھی اور بادل کھلتے ہی جارہے تھے۔

☆......☆......☆

مزمل اس وقت گھر پر تھا حکیم صاحب کے انکار سے وہ کافی پریشان تھا۔اس کی سمجھ نہیں آرہا تھا وہ کیا کرے۔مرشد نے گزشتہ رات اس کو تسلی دی تھی کہ وقت کا انتظار کرے اس لئے اس کو تھوڑی بہت ڈھارس تھی۔وہ اس وقت گھر پر ہی تھا جب کسی نے دروازے کی بیل بجائی تھی۔اس نے دروازہ کھولا تو عادل کو دیکھ کر چونک گیا۔

”تم یہاں۔“

”ہاں۔“ وہ مسکرایا۔”تمہارے لئے روحان کا پیغام ہے اس نے تم کو ہوٹل مدارس میں بلایا ہے۔“

”اوہ۔ٹھیک ہے تم کمرے میں چلو میں تیار ہو کر آتا ہوں۔“

مزمل پانچ منٹ میں ہی تیار ہو کر آ گیا تھا اور دونوں ہوٹل مدارس کے لئے نکل کھڑے ہوئے تھے۔راستے بھر میں وہ الجھن میں ہی رہا تھا کہ کیا وجہ ہو سکتی ہے اس کو بلانے کی۔آخری ملاقات پر اس نے کہا تھا کہ وہ ایک عامل ہے لیکن مزمل کو یقین نہ تھا اس کو روحان پر شک تھا۔روحان جو نظر آتا ہے وہ ہے نہیں۔جلد ہی وہ دونوں ہوٹل مدارس پہنچ گئے تھے۔ایک

میز پر روحان دور سے ہی بیٹھا دکھائی دے گیا تھا۔وہ کافی دور سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔
عادل سیدھا مزمل کو روحان کی میز پر لے آیا تھا۔روحان کی آنکھوں میں غیر معمولی چمک دکھائی
دے رہی تھی۔مزمل سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''میں نے بہت غور کیا تمہاری باتوں پر۔''روحان نے مسکرا کر کہا۔

''کن باتوں پر۔''

''ہانیہ کے علاج کے بارے میں۔''

''اوہ۔اچھا۔''

''بالکل۔''

''تو پھر کرنا کیا ہے۔''مزمل نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''دیکھو مزمل۔''روحان آگے کی طرف جھک آیا۔''جو معاملہ ہانیہ کے ساتھ ہے اس کے
بارے میں اتنا کہوں گا وہ تمہارے لئے زندگی بھر کا روگ ہے۔ہانیہ پر جن ہے اور وہ جن بہت
زبردست ہے میں نے کوشش کی اس کے بارے معلوم کرنے کی لیکن لگتا ہے اس نے اپنے گرد
حصار قائم کر رکھا ہے۔وہ ہے کون اس کے بارے معلوم نہیں ہو پایا۔''

روحان کے منہ سے یہ سن کر وہ چونک پڑا کیونکہ یہ بات اس کو حکیم صاحب نے بھی بتائی
تھی۔مطلب روحان واقعی عامل ہے۔چند لمحوں کے توقف کے بعد وہ گویا ہوا۔''مجھے پریشان
ہونا منظور ہے ہانیہ سے جدائی نہیں۔''

یہ سن کر روحان کے تاثرات کچھ عجیب سے ہو گئے۔ایک لمحے کے لئے اس کے چہرے
غصہ در آیا جس کو صرف عادل ہی محسوس کر سکا تھا کیونکہ وہ تو روحان کا راز دار تھا۔روحان
آہستہ سے بولا۔''تمہارے مسئلہ کا صرف ایک حل ہے۔''

"وہ کیا؟" مزمل چونک گیا۔

"اس موذی جن سے اس کو نجات دلائی جاسکتی ہے مگر تم کو شادی کسی دور دراز جگہ پر جا کر کرنی ہوگی۔ تمہاری شادی ہو رہی ہوگی اور میں اپنے عمل کا آغاز کرونگا۔"

"دور دراز۔ میں سمجھا نہیں۔"

"اس قسم کے عملیات کے لئے کوئی ایسی جگہ ہونی چاہیے جہاں سناٹا اور ویرانی ہو۔"

"تو ایسی جگہ کہاں ہوگی۔ کیا مجھے اور ہانیہ کو اکیلے ہی آنا ہوگا۔"

"ضروری نہیں۔" روحان لاپروائی سے بولا۔ "تم گھر کے افراد کو لے جاسکتے ہو۔"

"تو پھر تم وہاں کیا کرو گے۔" مزمل نے پوچھا۔

"مقابلہ۔۔ کیونکہ جیسے ہی تمہاری شادی ہوگی تمہارا دشمن ظاہر ہو جائے گا۔ اس کی شناخت تمہارے سامنے ہوگی۔"

مزمل نے کوئی جواب نہ دیا۔

"اب سوچ لو مزمل کیا کرنا چاہتے ہو۔ جہاں تک میرا اندازہ ہے جن لوگوں سے تم ہانیہ کے علاج کے لئے رابطہ کیا تھا ان لوگوں نے منع کر دیا ہے۔۔ بلکہ صاف انکار کر چکے ہیں۔"

یہ سن کر وہ حیرت زدہ ہو گیا۔

"اوہ۔۔ تو تم کو معلوم ہے۔"

"مجھے سب معلوم رہتا ہے۔" روحان کے لبوں پر اسراری مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"وہ جگہ کون سی ہوگی۔"

اس کی بات سن کر روحان مسکرایا۔

"وہ مجھ پر چھوڑ دو۔۔ وہ ایسی جگہ ہوگی جو تم نے کبھی خواب میں نہیں دیکھی ہوگی۔"

مزمل کچھ جواب ہی دینا چاہتا تھا کہ اس کا فون بج اٹھا۔ دوسری طرف کی بات سن وہ کافی پریشان ہوگیا۔ بات ختم کر کے وہ اٹھ کھڑا ہوا اور روحان اور عادل سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا۔ ''چلتا ہوں دوست امی بیمار ہوگئی ہیں۔۔ تو میں سوچ کر جواب دوں گا۔'' اتنا کہہ کر وہ وہاں سے چل دیا۔

اس کے جانے کے بعد عادل جو یہ ساری باتیں سن رہا تھا بولا۔ ''یار بات میری سمجھ نہیں آئی۔''

روحان مسکرایا اور بولا۔ ''اگر تم سمجھ جاتے تو میری جگہ ہوتے۔ بس اتنا جان لو یہ آخری معرکہ ہے میں اس جن کے بچے سے نمٹوں گا اور اس جن کے ہاتھوں مزمل کو مرواؤں گا۔ کیا سمجھے۔''

عادل چند لمحات تک سوچتا رہا اور پھر بولا۔ ''کیا یہ صحیح ہے میرے دوست۔''

روحان نے گہری سانس لی اور بولا۔ ''محبت میں کوئی چیز صحیح یا غلط نہیں ہوتی۔ بس ہوتی ہے تو محبت اس میں ہار بھی سکتا ہوں اور جیت بھی۔ سمجھ گئے تم۔''

عادل نے کوئی جواب نہ دیا بس یک ٹک اس کو دیکھتا ہی رہا تھا۔

☆......☆......☆

روحان کی پیش کش کافی عجیب وغریب تھی لیکن اس نے جو دعویٰ کیا تھا اس کے بدلے ہانیہ کو عمر بھر کے لئے اس موذی جن سے چھٹکارا مل جائے گا۔ مزمل نے کافی غور کیا اس کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ حکیم صاحب سے مشورہ کر لینا مناسب ہوگا۔ یہ سوچ کر وہ سیدھا ہی حکیم صاحب کی طرف روانہ ہوگیا۔ ان کے آستانے میں داخل ہوا تو وہاں ان کے مرشد کو بھی موجود پایا۔

وہ دونوں مزمل سے کافی شفقت وہ محبت سے پیش آئے۔ جب مزمل نے اپنا مدعا بیان کیا تو مرشد بول اٹھے۔ "واہ۔۔ یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے اگر وہ بندہ وہاں جا کر اس جن سے مقابلہ کرسکتا ہے اور اسے بھگا سکتا ہے تو اس سے بہتر تو کوئی بات نہیں ہوسکتی۔"

"اچھا۔"

"جی بالکل میں نے حساب کتاب بھی لگالیا ہے۔ میرے اندازے کے مطابق وہاں جانا تمہارے لئے فائدے مند ثابت ہوسکتا ہے۔"

"تو آپ کے خیال میں وہاں چلا جاؤں۔"

"بالکل۔۔ شادی کرنی ہے تو ضرور جاؤ۔" مرشد کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ ابھر آئی۔

"ہاں میرے وہاں جاننے والے بھی ہیں جو شادی میں اچھا کھانا بنالیتے ہیں۔"

"تو آپ کے خیال میں بہتر ہے؟"

"برخوردار۔۔ مرشد نے جو کہہ دیا اس میں فائدہ ہے۔ وہ کوئی جنگل بیاباں ہوگا اس جنگل کو منگل بنانا اب تمہارا کام ہے۔" اب کی بار حکیم صاحب نے جواب دیا۔

"یہ اچھا ہے میں ہانیہ کے گھر والوں کو راضی کرتا ہوں۔"

مزمل کے جانے کے بعد مرشد کے لبوں پر گہری مسکراہٹ دوڑ گئی اور وہ حکیم صاحب کو دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرا دیے۔ جواباً حکیم صاحب کی مسکراہٹ بھی جاندار تھی۔

☆......☆......☆

جس وقت فہد صاحب کا فون آیا اس وقت پاشا کھانا کھا رہا تھا۔ فون سنتے ہی پاشا پریشان ہوگیا۔ ہانیہ کو سیاہ پوش دوبارا سے نظر آیا، یہ بات پاشا کے لئے بھی پریشان کن تھی۔ اس نے تعویز دیا تھا۔ بہرحال پاشا نے ان کے گھر جانے کی تیاری کرلی تھی۔ اس نے جلدی جلدی

کھانا کھایا اور گھر سے باہر نکل گیا۔ موسم ابر آلود تھا۔ بارش کسی وقت بھی ہو سکتی تھی۔ پاشا ٹیکسی اسٹینڈ تک پہنچا۔ جیسے ہی وہ ٹیکسی اسٹینڈ تک پہنچا، اسی وقت ہی موٹی موٹی بوندیں گرنا شروع ہو گئیں۔ چند لمحوں میں ان بوندوں نے موسلا دھار بارش کی صورت اختیار کر لی تھی۔ پاشا نے فوراً ہی بھاگ کر سامنے والے شیڈ میں پناہ لی تھی۔ اسے ٹھنڈ کا بھی احساس ہو رہا تھا۔ اسے کھڑے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ اچانک ایک ٹیکسی اس کے بالکل سامنے آ رکی۔ جیسے ہی ٹیکسی رکی پاشا کے قدم از خود اس ٹیکسی کی جانب اٹھ گئے۔ ٹیکسی میں بیٹھ کر پاشا کو قدرے سکون کا احساس ہوا تھا۔ اس کے بیٹھتے ہی ٹیکسی چل پڑی تھی۔ اب پاشا نے ڈرائیور کی سمت دیکھا تو چونک گیا کیونکہ یہ وہی سیاہ پوش تھا جو کہ ہانیہ کو نظر آتا تھا۔ پاشا اس کو حیرت سے دیکھ ہی رہا تھا کہ اچانک ٹیکسی رک گئی۔ سیاہ پوش نے اس کی جانب گردن گھمائی اور فوراً ہی اپنا نقاب اتار دیا۔

"کون ہو تم۔" پاشا نے اسکی صورت دیکھتے ہوئے کہا۔

پاشا کی بات سن کر وہ سیاہ پوش مسکرایا اور بھاری آواز میں بولا۔ "یہ سوال پروفیسر عطا نے بھی کیا تھا۔ مگر آج وہ پاگل خانے میں ہے۔"

"مطلب۔" پاشا اپنے اندر خوف محسوس کر رہا تھا۔

"مطلب یہ کہ جو ہانیہ کا اسیر ہے میں وہ ہوں جو اپنے اور ہانیہ کے راستے میں آنے والی ہر دیوار کو گرا دینا چاہتا ہوں۔"

"میں سمجھا نہیں۔" پاشا نے اپنے خوف پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"میں تم کو وارن کرنے آیا ہوں جو علم جانتے ہو۔ اس کی بدولت ایک بار تم ہانیہ کو مجھ سے دور کر چکے ہو۔ لیکن اب نہیں اب میں اس کے بغیر ایک پل بھی نہیں رہ سکتا۔ کبھی کسی بے گناہ

کے خون سے ہاتھ نہیں رنگے میں نے اس لئے مجھے مجبور مت کرو۔"

"ورنہ کیا کرو گے۔"

اس کی بات سن کر سیاہ پوش مسکرایا اور بولا۔

"تم جانتے ہو اس بارش میں میری قوت کتنی بڑھ جاتی ہے۔ جب دس سال کا تھا تو استاد محترم نے کہا تھا کہ میری ضد کے آگے کوئی نہیں آسکتا اس لئے بہتر ہے چپ کر کے وہاں جانے کا ارادہ ترک کر دو ورنہ میں ضد پر آیا تو۔۔۔"

پاشا نے کوئی جواب دینے کے بجائے آنکھیں بند کر کے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ یہ دیکھ کر سیاہ پوش کی آنکھوں میں غصہ در آیا تھا۔

"تم کو سبق سکھانا ہی پڑے گا۔" سیاہ پوش کی آواز غصیلی تھی۔

دوسرے ہی پل اس سیاہ پوش نے دھویں کا روپ اختیار کر لیا تھا۔ چند ہی لمحوں میں ڈرائیونگ سیٹ پر ایک کالے رنگ کا بلا موجود تھا جو کہ اپنی سرخ آنکھوں سے پاشا کو گھور رہا تھا۔ اچانک اس بلے نے پاشا پر چھلانگ لگائی تھی۔ اس بے موقع افتاد پر پاشا چلا اٹھا۔ اس بلے نے سیدھا ہی پاشا کی آنکھوں پر حملہ کیا تھا۔ پاشا چلاتا ہوا ٹیکسی سے باہر نکل آیا۔ اس کی آنکھیں شدید زخمی ہو چکی تھیں۔ وہ دونوں آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر سڑک کے وسط میں آ گیا۔

اس کار سے لگنے والی ٹکر بڑی شدید تھی۔ کار کا ڈرائیور بالکل ہی بوکھلا گیا تھا۔ غلطی اس کی نہیں تھی بس ایک شخص آنکھوں پر ہاتھ رکھے دیوانوں کی طرح چلاتا ہوا سڑک کے بالکل وسط میں آ گیا تھا۔ ٹکر لگتے ہی پاشا گر پڑا۔ بہت سا خون اس کے ارد گرد پھیل گیا تھا۔۔ وہ خون اس کے سر سے نکل کر بارش کے پانی میں بہہ رہا تھا۔ لوگوں کی بھیڑ پاشا کے ارد گرد جمع ہو چکی تھی۔

اب وہ سیاہ پوش بڑے اطمینان سے اس بھیڑ میں داخل ہو چکا تھا۔

"ارے اس کو ہسپتال تو لے جاؤ یہ زندہ ہے۔" سیاہ پوش نے چلا کر کہا۔

پاشا کو اس کار میں ڈال کر ہسپتال لے جایا گیا تھا۔ سیاہ پوش کے لبوں پر بڑی پرسکون مسکراہٹ تھی اور وہ فاتحانہ نظروں سے کار کو ہسپتال کی سمت جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے دوبارا اپنے چہرے پر نقاب ڈال لی تھی۔ بارش اب کم ہو چلی تھی۔

☆......☆......☆

فہد صاحب منہ لٹکائے گھر میں داخل ہوئے تو آرزو بیگم تشویش بھرے انداز میں بولیں۔

"کیا ہوا۔"

"پاشا کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔"

"کیا۔ مگر کیسے؟"

"پتہ نہیں، پولیس کا کہنا ہے کہ عینی شاہدین کے مطابق وہ کسی ٹیکسی سے چلاتا ہوا باہر نکلا تھا۔ اس کی آنکھوں سے خون بہہ رہا تھا۔ اسی عالم میں وہ سڑک پر آیا اور کسی کار نے اس کو مار دیا۔"

"اوہ۔ اب کیا ہوگا۔"

"پتہ نہیں مجھے پاشا کی فکر ہے۔ وہ ٹیکسی سے چلاتا ہوا باہر کیوں نکلا۔" فہد صاحب نے تشویش سے جواب دیا۔

"کہیں ایسا تو نہیں۔۔ پاشا پر حملہ اسی سیاہ پوش نے کیا ہو؟"

"یہ تو وہ ہوش میں آنے کے بعد ہی بتا سکتا ہے۔ بہر حال اسکے دماغ میں شدید چوٹ آئی ہے جس سے وہ کوما میں جا چکا ہے۔" فہد صاحب کا جواب تھا۔ آرزو بیگم کا چہرا ہی لٹک گیا تھا یہ سن کر اب پاشا کوما میں جا چکا ہے اس کے پاس اس بات کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا کہ

وہ وقت کا انتظار کرے۔ مزمل نے اس بات کو بہتر سمجھا تھا کہ وہ فہد صاحب سے ان کے آفس میں جا کر بات کرے۔ چنانچہ وہ دوپہر کے وقت ان کے آفس پہنچ گیا۔ اس کو دیکھ کر فہد صاحب حیران ہو گئے۔

"بیٹا۔ خیریت۔"

"جی ہاں انکل۔" وہ مسکرایا۔ "بالکل خیریت۔ میں دراصل آپ سے کچھ مشورہ لینا چاہتا ہوں آپ کی رائے میرے لئے بہت اہم ہوگی۔"

"ضرور بیٹا۔"

"دراصل میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں اس میں بہتری ہانیہ کی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

وہ چند لمحے تک خاموش رہا اور پھر بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ ہانیہ پر اثر ہے۔"

فہد صاحب چونک گئے اور پھر وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولے۔ "تو پھر تم یہ رشتہ ختم کرنے آئے ہو۔"

"نہیں انکل، ہانیہ نے مجھے پہلے ہی بتا دیا تھا اور میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ وہ جیسی بھی ہے مجھے قبول ہے اور میں چاہتا ہوں وہ اس آسیب سے نجات حاصل کرے۔"

مزمل کی بات سن فہد صاحب تشکر بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگے اور پھر بولے۔ "تو تم کیا چاہتے ہو؟"

"میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ ہانیہ ایک بہتر زندگی گزارے اور اس کے لئے اس پر اثر کو ختم کرنا ضروری ہے۔"

"مگر یہ اثر ختم کیسے ہوگا۔ کیا تم کسی ایسے بندے کو جانتے ہو جو یہ کام کرتا ہو۔"

”ہاں جانتا ہوں۔ میرا ایک عامل دوست ہے اس نے مجھے کہا ہے کہ وہ یہ کام کر سکتا ہے۔ اس کے لئے مجھے ہانیہ سے شادی کرنی ہو گی۔ جلد از جلد۔“

”لیکن ابھی تو ہم کوئی ایسی خاص تیاری بھی نہیں کی۔“

”میں چاہتا ہوں شادی سادگی سے ہو۔ اور اس عامل کا یہ بھی کہنا ہے کہ شادی کسی ایسی جگہ پر ہو جہاں سناٹا اور ویرانی ہو۔“ مزمل نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

”مگر شادی ویرانے میں کیوں۔۔۔ میری بات سمجھ نہیں آئی۔“

”انکل! اس عامل کا کہنا ہے کہ شادی کے موقع پر ہانیہ پر حملہ کیا جائے گا جو کہ بڑا زبردست ہو گا۔۔ اس پر جو جن مسلط ہے وہ اسی وقت سامنے آئے گا جب شادی ہو گی۔“

”بات پھر وہی کرونگا ویرانہ میں کیوں؟“ فہد صاحب تنگ کر بولے۔

”انکل اس عامل کا کہنا ایسے عملیات صرف ویرانے میں ہی کارگر ثابت ہوتے ہیں۔“

”اچھا تو یہ بات ہے۔ کوئی جگہ ہے تمہاری نظر میں۔“

”نہیں وہ جگہ بھی اس عامل نے چنی ہے اس کا کہنا ہے وہ شادی کے لئے کافی بہترین جگہ ہے۔ چاروں طرف سبزہ اور درمیان وہ عمارت ہے جہاں ہمیں ٹھہرنا ہو گا۔“

”اور کھانا پینا نکاح وغیرہ کا انتظام۔“

”کھانا پینا تو ہو جائے گا اور نکاح خواں ہم ساتھ لے جائیں گے۔“

”ٹھیک ہے بیٹا جیسا تم کہو۔ ہم نکاح وہاں کر دیں گے اور رخصتی بڑے دھوم دھام سے۔ میری دعا ہے تم لوگ کامیاب لوٹو۔“

”میرا خیال ہے کہ ہم لوگ ایک ہفتے کے بعد روانہ ہو جائیں گے۔“

”ارے اتنی جلدی۔“

”جی ہاں دیر کرنا مناسب نہ ہوگا۔“

”پھر میں انتظامات کرتا ہوں۔“ فہد صاحب نے مسکرا کر جواب دیا۔

☆......☆......☆

ہانیہ بے خبر سو رہی تھی۔ اچانک ہی اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے کہ اس کے پورے وجود کو کسی نے ہلا دیا ہو۔ وہ ہڑ بڑا کر جاگ اٹھی۔ نیند کے عالم میں پہلے تو اس کی سمجھ نہیں آیا کہ کیا ہوا ہے پھر اگلے ہی لمحے وہ چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگی تھی۔ کمرا خالی تھا لیکن پھر اس کو ایسا کیوں محسوس ہوا تھا کہ کسی نے اس کو جھنجوڑ کر اٹھایا ہو۔ وہ حیرت کے عالم میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ کمرے میں زیرو بلب روشن تھا۔ اچانک اس کو ایسا محسوس ہوا جیسے کمرے میں اس کے سوا کوئی اور بھی ہے۔ کسی کی سانسوں کی مدھم آواز اس نے اپنے کانوں سے خود سنی تھی۔

”ہانیہ۔۔تم صرف میری ہو۔“

کسی کی صاف اور مدہم آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ خوف سے اس کا چہرا پسینہ سے تر ہو گیا۔

”کک۔۔کون ہو تم۔“ ہانیہ نے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”میں تمہارا طلب گار۔ تم سے محبت کرتا ہوں تم کو چاہتا ہوں۔“

آواز سن کر ہانیہ کو ایسا لگا کہ آواز بہت قریب سے آئی ہو۔ یہ محسوس کر کے ہانیہ کا خوف مزید بڑھ گیا۔ ہانیہ نے کوئی جواب نہ دیا خوف سے اس کا برا حال تھا۔

”دیکھو ہانیہ، اگر تم مجھ سے ڈرتی رہی، مجھ سے بھاگتی رہو گی۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔“

”مگر میں نہیں کرتی۔“ ہانیہ نے دل کڑا کر کے جواب دیا۔ جواباً ہانیہ نے ایک قہقہہ سنا،

ہانیہ کو ایسا لگا کہ جیسے بادل گرج رہے ہوں۔

''میں جانتا ہوں۔۔تم مزمل سے محبت کرتی ہو۔لیکن یاد رکھو میں ایک جن ہوں جب چاہوں تم کو اپنا سکتا ہوں۔اس لئے اس کا خیال دل سے نکال دو۔''

''محبت کوئی کرایہ دار نہیں کہ نوٹس دیا گھر خالی۔محبت یا تو ہوتی ہے یا نہیں۔'' ہانیہ اب کی بار اپنے خوف پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''یہ بھول جاؤ کہ وہ تمہارا ہو سکتا ہے۔جب تک میں زندہ ہوں نہ تم اس کی ہو سکو گی نہ ہی وہ تمہارا۔جانتی ہو وہ اب تک زندہ کیوں ہے اس لئے کہ وہ تمہارا منظور نظر ہے۔'' لہجہ کافی سرد تھا۔

''پھر مجھے مار ڈالو۔کیونکہ میرے جیتے جی تم مجھے حاصل نہیں کر سکتے ہاں میری لاش کے ساتھ جو چاہو کرنا۔'' ہانیہ نے غصے میں جواب دیا۔

''تم بہت خوبصورت ہو ہانیہ جب سے تم دیکھا ہے۔۔اسی وقت سے تمہارا اسیر ہوں۔ ایک تحفہ دے کر جاؤنگا تم کو۔۔یہ محبت کی نشانی ہوگا۔''

اسی لمحے ہانیہ نے اپنے ہاتھ میں گلاب دیکھا۔جس کی خوشبو سے پورا مہک رہا تھا۔

''یہ گلاب نہیں ہے میں ہوں۔جس دن یہ گلاب مرجھا گیا یوں سمجھ لینا کہ میں مر گیا۔ایسا جب ہی ہوگا جب میں تم کو کھو دونگا۔''

''ایسا ضرور ہوگا کیونکہ میری محبت تمہارے لئے نہیں ہے۔'' ہانیہ نے چلا کر جواب دیا۔

جواباً ہانیہ کو ہلکی سی ہنسی سنائی دی۔اسے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کہ وہ ہنسی کی آواز اس گلاب کے پھول سے آرہی ہو۔یہ دیکھ کر ہانیہ بہت زیادہ گھبرا گئی اور اس گلاب کو اٹھا کر کمرے کی کھڑکی سے باہر پھینک دیا اور جا کر بیڈ پر لیٹ گئی۔اس کا ذہن بہت زیادہ پریشان تھا۔اس کو یاد آنے لگا کہ پریشانی میں ہمیشہ اللہ کا ذکر کرنے سے دل کو تقویت ملتی ہے چنانچہ اس نے وہی

کیا۔ مبارک ناموں کا ذکر کرتے ہوئے نبی ﷺ پر درود بھیجنے سے اس کے دل کو تقویت ملی تھی۔ پھر وہ آہستہ گہری نیند میں کھو گئی۔ ہانیہ ہمیشہ ہی نمازوں کے اوقات میں بیدار ہونے کی عادی تھی اس لئے اس کی آنکھ از خود ہی کھل گئی۔ جیسے ہی آنکھ کھلی تو سب سے پہلا احساس اس خوشبو کا تھا جو اس کو محسوس ہو رہی تھی۔ وہ نہایت ہی تیز خوشبو تھی اور پورے کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی عین اسی وقت اس کی نگاہ سرہانے پر پڑی۔ پھر اس کی آنکھیں حیرت و خوف سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہی گلاب اس کے سرہانے رکھا مہک رہا تھا۔

ہانیہ کو اس جن سے شدید نفرت محسوس ہونے لگی تھی۔ جو اس کے پیچھے ہی پڑ گیا تھا۔

☆☆..........☆

آرزو بیگم کی پریشانی میں شدید اضافہ ہو گیا تھا۔ جب ہانیہ نے ان کو اپنے ساتھ ہونے والے واقعے کے بارے میں بتایا پھر وہ رکی نہیں اب تک اس کے ساتھ جو کچھ پیش آچکا تھا وہ سب ہانیہ نے اپنی والدہ کو بتا دیا تھا۔ اس وقت وہ دونوں ناشتہ کر رہے تھے۔ اتوار کا دن تھا صبح کے دس کا عمل تھا۔

''وہ کم بخت تمہارے ہی پیچھے کیوں پڑ گیا ہے۔ اس نے تمہارے پیر بھی چاٹے تھے۔'' آرزو بیگم خوف سے بولی تھیں۔ ہانیہ نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ ہانیہ کی بات پر فہد صاحب سوچ میں پڑ گئے تھے۔

''تم پریشان نہ ہو بیٹی۔ اللہ نے چاہا تو مزمل سب ٹھیک کر دے گا۔''

''کیا مطلب۔'' اب چونکنے کی باری ہانیہ اور آرزو بیگم کی تھی۔

''مزمل کو سب معلوم ہے۔'' فہد صاحب نے طویل سانس لے کر جواب دیا۔

''تو اس نے پھر رشتے سے منع کر دیا ہوگا۔'' آرزو بیگم کے لہجے سے پریشانی در آئی تھی۔

''نہیں۔۔وہ ہماری ہانیہ کو بہت چاہتا ہے۔'' اتنا سننا تھا کہ ہانیہ شرما گئی۔''اس کا کہنا ہے اس نے کسی عامل سے بات کی ہے جو کہ وظیفہ اس وقت کرے گا جب ہانیہ اور مزمل کا نکاح ہو رہا ہوگا۔اس کے لئے کسی سناٹے والی جگہ کی ضرورت ہوگی۔اور مجھے امید ہے ہم لوگ ضرور کامیاب ہونگے۔'' فہد نے اپنی بات مکمل کی۔

''آمین۔خدا مزمل کو خوش رکھے وہ ہماری بچی کے لئے اتنا کچھ کر رہا ہے۔'' آرزو بیگم نے کہا۔ہانیہ نے بھی صدق دل سے آمین کہا تھا۔

چند لمحات کے توقف کے بعد فہد صاحب بولے۔''بیٹی تھوڑی سی چائے تو لا دو۔'' انہوں نے ہانیہ کو مخاطب کیا جو ان کی باتیں غور سے سن رہی تھی۔

ہانیہ کپ اٹھا کر کچن میں چلی گئی۔اسے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کوئی اس کے ساتھ چل رہا ہو۔وہ ٹھٹک کر رک گئی۔

''تم لوگ کتنی بھی کوشش کرلو۔لیکن مجھے ہرانا مشکل ہے۔طوفانوں کے رخ موڑنا آسان نہیں ہوتا۔'' ہانیہ نے ہلکی سی سرگوشی سنی تھی۔

ہانیہ چونک گئی۔اچانک اس کی نظر کھڑکی سے باہر کی جانب اٹھ گئی۔یہ دیکھ کر وہ چونک گئی کہ باغیچہ میں وہی بلا بیٹھا اپنی سرخ نگاہوں سے اس کو گھور رہا ہے۔اس نے گھبرا کر فوراً ہی کھڑکی بند کردی اور فوراً ہی کپ اٹھا کر باہر آگئی تھی۔

☆......☆......☆

ناز کو بھی ساری باتیں معلوم ہوگئی تھیں وہ ساری باتیں ہانیہ کی والدہ نے ہی اس کو بلا کر بتائی تھیں۔

''اف۔۔آنٹی مجھے تو معلوم ہی نہیں تھا۔''

''ہاں میں نے سوچا تم کو بتا دوں کیونکہ تم اس کی بچپن کی دوست ہو۔''

''آنٹی، کیا وہ علاج کر سکے گا جو شخص ہم کو اتنی دور لے جا رہا ہے۔''

''بھئی مجھے معلوم نہیں ہے۔اور نہ ہی تمہارے انکل اس کو جانتے ہیں مزمل ہی کہیں سے پکڑ کر لایا ہے۔''

''اچھا۔'' ناز کی حیرت دوچند ہوگئی۔

''تمہارے انکل نے اسکا نام بتایا تھا۔بڑا اچھا سا نام تھا اس کا۔''

نازان کی طرف وضاحت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''بڑا ہی اچھا سا نام تھا۔ہاں یاد آیا۔'' آرزو بیگم نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔''اس کا نام روحان تھا۔''

''روحان۔'' ناز چونک پڑی۔

''کیا تم جانتی ہو اس کو۔''

''ہاں۔وہ تو ہماری ہی یونیورسٹی کا طالب علم ہے۔''

''کیا وہ یہ کام کر سکتا ہے؟''

''پتہ نہیں آنٹی، میں تو اس کو واجبی سا جانتی ہوں۔ویسے مجھے حیرت ہے کہ وہ یہ کام بھی کر سکتا ہے۔'' ناز کے انداز میں حیرت تھی۔

یہ سن کر آرزو بیگم حیرت میں پڑ گئیں۔چند لمحے سوچنے کے بعد وہ بولیں ''مزمل نے جو فیصلہ کیا وہ ٹھیک ہی ہوگا۔''

☆......☆......☆

ان دونوں کے نام بابر اور معراج تھے۔ان دونوں کی عمر تقریباً پچاس سال کے آس پاس

تھی۔ان کے سر اور داڑھی کے بال گھنے تھے جن کو دیکھ کر ہپیوں کا تصور ذہن میں جاگتا تھا۔ ان دونوں کو حکیم صاحب اور مرشد نے ہی بھیجا تھا مزمل کے پاس۔اس کی تیاریاں مکمل تھیں۔ اس گروپ میں بہت سارے لوگ شامل تھے۔مزمل سمیت اس کی والدہ ہانیہ کے گھر والے روحان اور عادل، ناز، کفالت مرزا جو کہ فہد صاحب کی فرمائش پر شامل ہوئے تھے۔ان دونوں بندوں کے متعلق حکیم صاحب نے پہلے ہی مزمل کو بتا دیا تھا کہ دو کام کے بندے بھجوں گا جو کہ اس عامل کی مدد کریں گے۔

سب تیاریاں مکمل تھیں انتظار تھا بس آخری معرکے کا۔ان لوگوں کو رات کے قریب بارہ بجے روانہ ہونا تھا۔روحان ابھی تک نہیں پہنچا تھا۔اس کا کہنا تھا وہ راستے میں ملے گا۔سرِشام گھر میں ایک محفل ہی جم گئی تھی۔یہ محفل مزمل کے گھر میں رکھی گئی تھی۔

فہد صاحب اور کفالت مرزا تاش کی بازیوں میں لگے ہوئے تھے جبکہ ہانیہ، مزمل سے شرماتی ہوئی ایک الگ کمرے میں موجود تھی۔سفر کے لئے انہوں نے ایک ہائی ایس بک کی تھی۔ہانیہ مزمل کے کمرے میں سکڑی سمٹی بیٹھی ہوئی تھی۔ناز اور اس کی دوستوں نے اس کو گھیرا ہوا تھا۔

''اتنا شرمانے کی ضرورت نہیں۔ابھی تم دلہن نہیں بنی ہو، بننے جا رہی ہو۔'' صندل نے مسکرا کر کہا۔اس بات پر پورے کمرے میں نقرئی قہقہے گونج گئے۔بات سن کر ہانیہ صرف مسکرائی تھی۔

''یار یہ تو شرمانے کی پریکٹس کر رہی ہے۔جب مزمل بھائی گھونگٹ اٹھائیں گے شرمانا تو آنا چاہیے۔'' ناز نے کہا۔اب کی بار لگنے والے قہقہے پہلے کی نسبت زیادہ طویل تھا۔اچانک ہانیہ کو ایسا محسوس ہوا جیسے کمرے میں ان لڑکیوں کے علاوہ اور کوئی بھی موجود ہے۔کسی کے گرم

سانسوں کی آواز اس نے کانوں کے پاس محسوس کی تھی۔

"بڑی خوبصورت لگ رہی ہو۔۔ویسے زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں۔۔کیونکہ مجھے شکست دینا آسان نہیں۔" ایک دھیمی سی سرگوشی ہانیہ کو سنائی دی۔

ہانیہ نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔ہانیہ کے ماتھے پر پسینے کے قطرے جھلملانے لگے تھے۔لڑکیوں کا ہنسی مذاق جاری تھا لیکن ہانیہ کو ان کی آوازیں سنائی نہیں دے رہی تھیں۔

"میں جا رہا ہوں۔۔تم ان بیچاریوں کا مت ڈرانا میری ان سے کوئی دشمنی نہیں اب ہماری ملاقات وہیں ہوگی۔۔میں نہیں یا وہ نہیں جن کے بل پر تم یہ کام سرانجام دینے جا رہی ہو۔"

ہانیہ نے یہ سب سنا تو خوف سے اس دل دھک دھک کرنے لگا اس نے سوچا ان سب کو بتا دے۔

"کس سوچ میں گم ہو مہارانی۔" وہ مہوش کی آواز سن کر چونکی۔

"کچھ نہیں۔"

"کیا کچھ نہیں فیملی پلاننگ کر رہی ہیں محترمہ خیالوں میں۔" ناز نے ہنس کر کہا۔

اس کی بات سن کر ساری لڑکیاں ہنس پڑی تھیں۔ہانیہ جو ابھی تک اس آواز کے سحر میں کھوئی ہوئی تھی۔وہ بھی مسکرا اٹھی تھی۔ان لوگوں کا آپس میں ہنسی مذاق چل رہا تھا اور دوسری طرف بابر اور معراج نے مزمل کو گھیرا ہوا تھا۔ساتھ میں کفالت مرزا اور فہد صاحب بھی موجود تھے۔بابر اور معراج کو دیکھ کر مزمل کی حیرانگی کی انتہا نہ رہی تھی۔بھلا رات میں بھی کوئی سیاہ چشمہ پہنتا ہے مگر ان دونوں نے اپنی آنکھوں میں سیاہ چشمے لگائے ہوئے تھے۔سیاہ چشموں کے عدسے بڑے ہی موٹے تھے اور ان کے سروں پر سیاہ رنگ کی بڑی بڑی ٹوپیاں بھی لگی

ہوئی تھیں۔

”بھائی! یہ چشمے اور ہیٹ یہاں کوئی کامیڈی شو ہے کیا۔“ کفالت مرزا نے مسکرا کر کہا۔

”ارے ان پر پڑھائی کی ہے۔“ بابر نے مسکرا کر کہا۔

”پڑھائی کی گئی ہے۔۔ کیوں کیا یہ چشمہ ناخواندہ ہیں۔“ کفالت نے بھولپن سے کہا۔

اس کی بات سن کر فہد صاحب نے چھت شگاف قہقہہ لگایا جبکہ مزمل مسکرانے لگا تھا۔

”کفالت، جب بھی منہ کھولو گے ناں تو فالتو ہی بولو گے۔“ فہد صاحب مسکرا کر بولے۔

”فالتو کہاں یار۔۔ ہمیشہ ہی کام کی بات کرتا ہوں تم لوگوں کو بری لگتی ہے۔“

”کام کی بات۔۔ یار رہنے دے ایک کبوتر بازی بھی تم ڈھنگ سے نہیں کر پاتے۔“ فہد صاحب نے مسکرا کر جواب دیا۔

”دیکھو میاں میرے کبوتروں کو کچھ نہ بولنا ورنہ جنگ ہو جائے گی۔“

”لڑنے والا منہ ہے تمہارا۔“ فہد صاحب نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

”میں منہ سے نہیں ہاتھ سے لڑتا ہوں۔“

”ہاتھ تو لڑکیوں جیسے ہیں۔“ فہد صاحب مسکرائے۔ قریب تھا کہ یہ تو تو، میں میں اور چلتی اسی دوران چائے کا دور چل پڑا۔ یہ دونوں خاموش ہو گئے۔ ان دونوں کو نوک جھونک کرتے دیکھ کر دوسرے بھی مسکرا رہے تھے۔ آرزو بیگم چائے لے آئی تھیں۔ چائے کے دوران ہی معراج نے کہا۔

”دراصل یہ چشمہ اور ہیٹ حکیم صاحب کی طرف سے عنایت کیے گئے ہیں۔“

”اچھا۔ تو ان سے کام کیسے ہوتا ہے؟“ فہد صاحب بولے۔

”دراصل یہ ہیٹ ہماری حفاظت کے لئے ہے اور چشمہ۔۔“

معراج اپنی بات پوری کرنے ہی والا تھا کہ بابر بول اٹھا۔ ''ارے۔ارے تم کیا کر رہے ہو راز کھول رہے ہو۔''

''ارے کوئی بات نہیں مزمل بھائی اپنے ہی آدمی ہیں۔اس چشمہ سے وہ چیزیں بھی دیکھی جاتی ہیں جو عام لوگ نہیں دیکھ سکتے۔''

''ارے۔''سب بیک وقت بولے۔

رات کے بارہ بجے روحان کی آمد ہوئی تھی۔روحان کے ساتھ عادل بھی تھا سب اس کو دیکھ کر حیران رہ گئے سب کی نظروں میں ایک سوال تھا۔

''ارے بھئی تم تو راستے میں وین میں سوار ہونے والے تھے۔''مزمل نے پوچھ لیا۔

''ارادہ بدل گیا۔''روحان نے پرسکون مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

روحان ایک ایک سے باری باری ہاتھ ملاتا جا رہا تھا لیکن روحان جب بابر اور معراج کے پاس پہنچا تو ٹھٹک کر رک گیا۔روحان کو دیکھ کر بابر اور معراج کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ دوڑ گئی۔روحان چند لمحات تک ان کو دیکھتا رہا اور پھر آگے بڑھ گیا۔

پھر سارے ایک ایک کرکے وین میں بیٹھ گئے تھے۔ہانیہ سب سے پیچھے،مزمل سب سے آگے۔اور پھر وین اسٹارٹ ہوگئی۔وین تھوڑی ہی دور گئی تھی کہ اچانک فہد صاحب چونکے۔

''ارے بھئی نکاح خواں کہاں ہے۔''

''ارے واقعی اس بات کا تو مجھے خیال ہی نہیں آیا۔''آرزو بیگم نے جواب دیا۔

''اب کیا ہوگا۔''

''بھئی ایجاب وقبول بھی نکاح کے زمرے میں آتا ہے ویسے مجھے نکاح پڑھانا آتا ہے۔ میں نے اپنے بھائی کے بیٹے کا نکاح پڑھایا تھا۔''کفالت مرزا شانے اچکا کر بولا۔اس کی

بات سن فہد صاحب مطمئن ہو گئے۔

''ارے تم نے پہلے کیوں نہ بتایا۔'' فہد صاحب نے کہا۔

''ارے تم مجھے جانتے ہی کہاں ہوں۔میں بہت سے کام کر سکتا ہوں۔کھانا بھی پکا سکتا ہوں۔''

کھانے کی بات سن کر روحان کے کان کھڑے ہو گئے۔

''تو پھر سب لوگوں کے کھانے کی ذمہ داری آپ کی،شرط یہ ہے کہ کھانا مزیدار اور اچھا ہونا چاہیے۔'' روحان نے کہا۔

''ہاں۔۔ہاں کیوں نہیں۔''

''میں اپنے ساتھ نکاح نامہ بھی لایا ہوں۔انہی میں سے کوئی گواہ اور وکیل بن جائے گا۔'' مزمل مسکرایا۔

''پھر تو مسئلہ ہی حل ہو گیا۔'' آرزو بیگم نے مسکرا کر کہا۔

وین کا ڈرائیور کافی ماہر معلوم ہوتا تھا۔جلد ہی وین نے اسپیڈ پکڑ لی تھی۔روحان نے ڈرائیور کو راستہ سمجھا دیا تھا۔راستہ سمجھانے کے بعد وہ پیچھے آ کر عادل کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔ تھوڑی دیر میں سب لوگ سیٹوں پر سو گئے تھے۔عادل بھی سو گیا تھا۔اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا ہوا روحان جاگ رہا تھا۔روحان نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔آخری والی سیٹ پر ہانیہ ناز کے ساتھ سوتی نظر آئی۔

روحان اسے بس دیکھتا ہی رہ گیا۔سوتے میں وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔خاص طور پر اس کی بند آنکھیں۔روحان کو ایسا لگا کہ پوری وین میں اس کے ہانیہ کے علاوہ اور کوئی نہیں۔اس نے مزمل کی طرف دیکھا۔وہ بھی بے خبر سو رہا تھا۔اس ذہن میں کسی شاعر کا شعر گونجنے لگا تھا۔

چاند مشرق سے نکلتا نہیں دیکھا میں نے
تجھ کو دیکھا تجھ سا نہیں دیکھا میں نے

چند لمحے تک اس کو دیکھتا رہا اور پھر زیر لب بڑبڑایا۔ ''کاش۔۔تم نے مجھے پسند کیا ہوتا۔''

''محبت کی نہیں جاتی دوست، ہو جاتی ہے۔'' عادل نے مسکرا کر جواب دیا۔ روحان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا جو کہ بیدار ہو چکا تھا۔

''تم سوئے نہیں تھے۔'' روحان نے چونک کر پوچھا۔

''نہیں دوست۔۔نیند نہیں آرہی تھی یوں ہی آنکھیں بند کیے پڑا تھا۔''

''اوہ۔اچھا۔'' روحان نے جواب دیا۔

''یار، میں تجھے جب سے دیکھ رہا تھا۔ جب سے تیری نظریں ہانیہ کی طرف تھیں۔'' عادل نے مسکرا کر کہا۔

''آہستہ بول، کوئی سن لے گا۔''

''آج مجھے اندازہ ہوا کہ تو کتنی محبت کرتا ہے۔ تیری آنکھیں میں نے دیکھی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ان آنکھوں میں وہی بسی ہو۔'' عادل نے سرگوشی بھرے انداز میں جواب دیا۔ جواباً روحان مسکرا کر رہ گیا۔

''ایک بات بتا تو اس سے اتنی محبت کرتا ہے اگر وہ تجھے نہ ملی تو۔۔''

عادل کی بات پر روحان کے چہرے کے تاثرات یکدم ہی بدل گئے۔ ان آنکھوں کو دیکھ کر عادل کو ایسا لگا کہ جیسے ان میں شعلے ناچ اٹھے ہوں اور چہرے پر شدید غصہ نظر آنے لگا۔

''ایسا ہو نہیں سکتا۔ بالفرض اگر ایسا ہوا تو میں۔ وہ دن میری زندگی کا آخری دن ہوگا۔''

روحان کا لہجہ یکدم ہی سخت ہو گیا۔ یہ دیکھ کر عادل خاموش ہو گیا۔

"تیرا پلان کیا ہے۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔"

"تو سب جان جائے گا۔ اب سو جا بس اتنا یاد رکھنا کہ اس کو مجھ سے کوئی جدا نہیں کرسکتا میری موت بھی نہیں۔" روحان نے مسکرا کر کہا اور اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

دوسری صبح جب سب کی آنکھ کھلی تو سات بج رہے تھے۔ وین ابھی تک سفر میں ہی تھی۔

"کتنی دیر اور لگے گی۔" ہانیہ نے پوچھا۔

"بس ایک سے ڈیڑھ گھنٹے میں ہم پہنچ جائیں گے۔" روحان نے جواب دیا۔

"میرے خیال سے ہم لوگ نصیر آباد میں ہیں۔" کفالت مرزا نے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ جگہ نصیر آباد کے بعد ہی آتی ہے میرے حساب سے گھنٹہ ڈیڑھ کا سفر ہے۔"

"نصیر آباد کافی پرفضا جگہ ہے۔ میاں مزمل، تم اپنی شادی کے شروع کے دن نصیر آباد میں ہی انجوائے کرنا۔" کفالت مرزا نے مزمل کو مخاطب کیا۔

"ضرور انکل مگر آپ کے خرچہ پر۔" مزمل کا جواب تھا۔ سب لوگ مزمل کی بات پر ہنس پڑے تھے۔

وین ایک ہوٹل پر رک گئی تھی سب لوگ اپنی ضروریات پوری کرنے وین سے اتر گئے تھے۔ ہانیہ، فہد صاحب، آرزو بیگم، ناز اور کفالت مرزا نے ایک میز کا انتخاب کر کے اسی پر ہی ڈیرا جما لیا تھا۔ مزمل روحان اور عادل نے ایک میز پکڑ لی تھی۔ باقی دوسرے لوگوں نے الگ الگ میزیں پکڑ لی تھیں۔

"تم اس جگہ پر بہت دفعہ آ چکے ہو۔" مزمل نے روحان سے پوچھا۔

"ہاں۔ وہ میری اپنی جگہ ہے جب بھی میں اداس ہوتا ادھر ہی کا رخ کرتا ہوں۔"

"اداس۔" عادل نے پوچھا۔

”ہاں۔میری کہانی کافی دردناک ہے۔“

”اوہ۔میں ضرور سنوں گا کیونکہ غم بانٹنے سے کم ہوتا ہے اور خوشی بڑھ جاتی ہے۔“مزمل کا جواب تھا۔

”کیا کروگے سن کر۔“روحان ہنسا۔

”تم میرے اور ہانیہ کے لئے اتنی پریشانی اٹھا رہے ہو۔ہوسکتا ہے کہ میں تمہارے کسی کام آجاؤں۔۔“

مزمل کی یہ بات سن کر عادل کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

”میری کوئی بھی مدد نہیں کرسکتا۔میرے کوئی بھی کام نہیں آسکتا۔“روحان نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

”مگر کیوں۔“

روحان جواب دینے ہی والا تھا کہ ہوٹل کا ویٹر ناشتہ لے آیا تھا۔روحان والی ٹیبل پر سب سے زیادہ اور وافر مقدار میں ناشتہ موجود تھا۔مزمل نے پلٹ کر دیکھا تو ہانیہ کی میز پر ناشتہ لگ چکا تھا۔مزمل نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔جواب میں ہانیہ نے شرما کر نظریں جھکا لی تھیں۔مزمل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔اسے ہانیہ کی جانب متوجہ دیکھ کر روحان کے لبوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

بابر اور معراج کی میز پر بھی ناشتہ موجود تھا۔بابر تو ناشتہ کرنے میں مصروف ہوگیا تھا لیکن معراج ناشتہ کرنے کے بجائے آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”کیا ہوا ناشتہ کیوں نہیں کرتے۔“

”سوچ رہا ہوں کہ وہ جن کون ہے اور یہ روحان کیا کرسکتا ہے۔“

"میں اس جن کے بہت قریب پہنچ چکا ہوں۔اس نے بہت ہی کامیابی سے اپنی پہچان چھپائی ہے۔۔لیکن اب نہیں۔" بابر نے مسکرا کر جواب دیا۔

"کون ہے وہ۔" معراج نے چونک کر پوچھا۔

"ابھی اس چیز کا وقت نہیں آیا بس اتنا جان لو۔جب وہ سامنے آئے گا تو تم کو یقین نہیں آئے کہ وہ ہے کون اس بلے کا دوسرا روپ ہے کس کا۔"

"اوہ۔اس کا مطلب مرشد نے تمہارا انتخاب غلط نہیں کیا۔"

جواب میں بابر مسکرا دیا تھا۔مزمل روحان کو بڑی ہی حیرت سے ناشتہ سے انصاف کرتے دیکھ رہا تھا۔تین انڈے اور چھ پراٹھے وہ یوں صاف کر گیا تھا کہ جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

"یار ماشا اللہ تمہاری خوراک بہت اچھی ہے۔"

"ہاں سب کیا کریں قبیلے میں سب ہی ایسے ہیں۔" روحان نے جواب دیا۔

"تم نے یہ نہیں بتایا کہ کوئی تمہاری مدد کیوں نہیں کر سکتا۔"

یہ سن کر روحان نے ایک طویل سانس لی اور بولا۔"محبت نے مجھے دربدر کر دیا۔"

"محبت نے۔" مزمل نے اس کی طرف چونک کر دیکھا۔

"ہاں۔مجھے ایک لڑکی سے محبت ہو گئی تھی۔اسی محبت کی وجہ سے مجھے قبیلے سے نکال دیا گیا۔"

"کیوں نکال دیا۔" مزمل نے بجائے عادل پوچھ بیٹھا۔

"کیوں وہ لڑکی ہمارے جیسی نہیں تھی۔"

"کیا مطلب۔"

جواب میں روحان نے ٹھنڈی سانس لی اور مزمل کی طرف دیکھنے لگا اور قدرے توقف

کے بعد وہ دوبارا بولا۔ ”میرے دوست وہ ہمارے قبیلے کی نہیں تھی۔۔اور یہ قبیلے کا اصول ہے ہم کسی غیر کو اپناتے نہیں۔“

”کیا اس لڑکی کو پتہ ہے کہ تم اس سے محبت کرتے ہو۔“ مزمل نے نہیں پوچھا۔

”نہیں۔۔وہ کسی اور سے محبت کرتی ہے۔“

”اوہ۔کون ہے وہ۔“

”اس سے وہ بدنام ہو جائے گی میرے دوست لیکن میرا وعدہ ہے میرے دوست میں تم کو ضرور بتاؤں گا۔“

مزمل حیرت سے اس کو دیکھنے لگا تھا۔اچانک اس کی نظر ہانیہ پر پڑی جو اس سمت جا رہی تھی۔جہاں ہوٹل کے واش روم بنے ہوئے تھے۔آرزو بیگم اس کے ساتھ تھی۔ہانیہ واش روم میں داخل ہو گئی آرزو بیگم باہر ہی کھڑی رہی تھی۔واش روم سے فارغ ہونے کے بعد ہانیہ نے جیسے ہی بیسن سے ہاتھ دھوئے تھے۔اچانک اس کو ایسا لگا جیسے اس کے آس پاس کوئی ہے۔ جیسے وہ اس جگہ اکیلی نہ ہو۔یہ احساس نہایت شدید تھا۔ہانیہ کو خوف محسوس ہونے لگا تھا۔اس نے جلدی جلدی ہاتھ دھوئے اور واش روم سے باہر نکل گئی۔باہر نکلتے وقت اس نے اپنے کانوں میں وہی مانوسی سی غراہٹ سنی۔اس نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا، وہاں کوئی نہیں تھا مگر ہانیہ کو کسی کی موجودگی کا احساس برابر ہو رہا تھا۔اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے چھلک آئے۔اس کی امی نے یہ دیکھ کر پوچھا۔”کیا ہوا۔“

”کچھ نہیں امی۔اب چلیں۔“

وہ اپنی امی کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔اس کی امی اس کو حیرت زدہ نظروں سے دیکھ رہی تھی اور پھر سب وین میں سوار ہو گئے۔وین چل پڑی تھی۔

''بھئی روحان میاں، تم تو بہت خوش خوراک ہو۔'' کفالت مرزا نے کہا۔

''جی بس بزرگوں کا فیض ہے۔'' روحان کا جواب تھا۔

''اچھا ہے میاں تم نے شادی نہیں کی ورنہ تمہارا حال فہد جیسا ہوتا۔''

''کیا مطلب۔'' فہد صاحب چونک پڑے۔

''شادی کے بعد انسان کا خون جو خشک ہو جاتا ہے۔''

انکی بات سن کر سب نے ایک بھرپور قہقہہ لگایا تھا۔ ہانیہ اور ناز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ لیکن آرزو بیگم کفالت مرزا کو زہر خند نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ ان کا بس ہی نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ انہیں کچا چبا جاتیں۔

☆......☆......☆

وادی انتہائی خوبصورت اور چھوٹی سی تھی حسین اور قدرتی مناظر سے بھرپور۔ دور دور تک گھاس کا دبیز قالین بچھا ہوا تھا اور ان کے گرد موجود گھنے درختوں کے درمیان ایک قدیم سی عمارت موجود تھی۔

یہ عمارت کسی ریسٹ ہاؤس کے طرز پر بنی ہوئی تھی۔ صدر دروازے پر پرانے وقتوں کی طرح پھاٹک بھی بنا ہوا تھا۔ دور سے ہی اندازہ ہوتا تھا کہ عمارت کے اندر آتش دان بھی ہوگا کیونکہ چھت پر دھویں کی چمنی نکلی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ اس چمنی کے گرد کبوتروں نے اپنے آشیانے بنائے ہوئے تھے۔ جو کہ کافی تعداد میں موجود تھے۔

''واہ کیا خوبصورت جگہ ہے۔ بالکل میرے خوابوں کا تاج محل۔'' ان کبوتروں کو دیکھ کر کفالت مرزا کا بول پڑنا لازمی تھا۔ وہ عمارت کی طرف قدم بڑھا رہے تھے اور حیرت بھری نظروں سے ان قدرتی نظاروں کو دیکھ رہے تھے۔ پرندوں کی چہچہانے کی آوازیں چاروں

طرف گونج رہی تھیں جس کو سن کر نہایت ہی خوبصورت احساس من میں جاگتا تھا۔

''واقعی بہت خوبصورت جگہ ہے میں نے اتنی دلکشی پہلے کبھی نہیں دیکھی۔'' ہانیہ نے سحرزدہ انداز میں کہا۔

''ہے تو خوبصورت۔'' ناز نے جواب دیا جو کہ ان نظاروں کو بڑی ہی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

''مجھے نہیں معلوم تھا ایسی جگہ نصیر آباد کہیں موجود ہے۔'' کفالت مرزا نے کہا۔

''اس جگہ کو زیادہ لوگ نہیں جانتے۔چونکہ میں اکثر آتا رہتا ہوں اس لئے مجھے معلوم ہے۔'' روحان نے جواب دیا۔

''واقعی۔۔دنیا میں کہیں جنت ہے تو یہیں ہے۔'' آرزو بیگم بولیں۔

''یار واقعی شادی کرنے کے لئے یہ جگہ بہترین ہے۔'' مزمل نے مسکرا کر کہا اور ہانیہ کی جانب دیکھا تو وہ شرما گئی اور اس نے منہ دوسری طرف گھما لیا تھا۔

ابھی عادل کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ ہوا کے دوش پر پانی کے گرنے کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔روحان رک کر مڑا اور بولا۔''ان درختوں اور سبزہ زاروں کے بیچ میں تھوڑے فاصلے پر ایک پہاڑی ہے اس میں سے ایک قدرتی آبشار گر رہی ہے۔۔اس پہاڑ کے ساتھ ایک جھیل ہے اور آبشار کا سارا پانی اسی جھیل میں گرتا ہے۔''

''پھر تو ہم ضرور چلیں گے روحان بھائی۔'' ناز نے کہا۔

''ہاں۔۔ہاں کیوں نہیں۔''

ابھی تک روحان اور ہانیہ کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔نہ جانے کیوں ہانیہ کو روحان سے خوف محسوس ہونے لگا تھا۔

''وہ اس وادی کا سب سے خوبصورت ٹکڑا ہے۔'' روحان نے کہا۔

”واقعی یار تم نے بے حد عمدہ جگہ کا انتخاب کیا ہے۔“ عادل بولا۔

”بہت شکریہ۔“ روحان بولا۔

پھر مزمل نے پھاٹک کا دروازہ کھولا اور سب اندر داخل ہو گئے، اندر داخل ہوتے وقت مزمل اور ہانیہ ایک دوسرے کے آگے پیچھے تھے۔ ہانیہ سے پھوٹتی دلفریب خوشبو مزمل کے جذبات کو گدگدا رہی تھی۔ مزمل نے سوچا کہ یہ موقع اچھا ہے کہ اپنے محبوب کا ہاتھ تھامنے کا۔ اس نے فوراً ہی ساتھ چلتی ہوئی ہانیہ کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ جیسے ہانیہ کا ہاتھ مزمل کے ہاتھ میں آیا اسے ایک جھٹکا سا لگا اور دوسرے ہی پل اس کے چہرے کا رنگ سرخ ہو گیا۔ ابھی وہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ اچانک ایک جھٹکا سا لگا اور مزمل کا ہاتھ ہانیہ کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اس نے ہانیہ کو گھورا۔

”تم نے ہاتھ چھڑوا دیا۔“

”نہیں تو۔“

”نہیں، تم نے ہاتھ چھڑوایا ہے۔“

پھر وہ چونک کر ادھر ادھر دیکھتا ہوا بولا۔ ”ارے ہاں یہ ٹھیک ہے۔ ابھی سب دیکھ رہے ہیں۔۔۔ چلو اب نہیں پکڑوں گا تمہارا ہاتھ۔“

”لیکن میں نے۔۔۔“ اس نے بولنا چاہا۔ مزمل نے مسکراتے ہوئے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے اس کو خاموش کرا دیا اور آگے بڑھ گیا۔

ہانیہ حیرانگی سے آگے بڑھ گئی۔ وہ یہی سوچ رہی تھی کہ اس نے ہاتھ نہیں چھڑایا اس نے تو صاف محسوس کیا تھا کہ کسی نے جھٹکے سے اس کا ہاتھ مزمل کے ہاتھ سے الگ کیا ہے۔ اس کو اپنے ہاتھ میں سخت قسم کی جلن سی محسوس ہو رہی تھی۔

☆......☆......☆

عمارت صاف تھی۔ یوں لگ رہا تھا کہ جیسے ان لوگوں کے آنے سے قبل ہی اس عمارت کو صاف کیا گیا ہو، ہر جگہ سے نفاست اور صفائی کے جلوے دکھائی دے رہے تھے۔ یہ ایک بہت بڑا صحن تھا جس کے ایک جانب باغیچہ بھی موجود تھا لیکن خالی عمارت ہونے کے سبب اس باغیچہ میں چند سوکھے ہوئے جنگلی پودوں کی بہتات تھی۔

ایسے میں بابر کی آواز ابھری۔ ''کیا اس عمارت میں کوئی رہتا بھی ہے۔''

''نہیں۔۔'' روحان بولا۔

''اوہ۔۔تو یہ سب صفائی۔''

''یہ جگہ میری ہے اور میں یہاں کا شہنشاہ ہوں۔ میں اکثر و بیشتر یہاں آتا رہتا ہوں۔'' روحان نے مسکرا کر جواب دیا۔

پھر کوئی کچھ نہ بولا۔ اب وہ اندرونی حصہ میں آچکے تھے ایک ہال نما کمرے میں جس باقاعدہ کرسیوں اور بڑی بڑی ٹیبل کا انتظام تھا۔

''آپ لوگ کچھ دیر آرام کریں پھر کھانے کے بارے میں سوچتے ہیں۔'' ان خدمت گزاروں میں سے ایک نے کہا جو ان کے ساتھ آئے تھے۔ یہ خدمت گزار تعداد میں تین تھے۔

''خیال رہے یہاں کھانا لکڑیوں پر ہی بنتا ہے۔'' روحان نے مسکرا کر کہا۔

''کوئی بات نہیں صاحب ہم دیکھ لیں گے۔'' ایک خدمت گزار نے جواب دیا۔

''اندر کچن موجود ہے اور کھانے پینے کا تمام سامان بھی گوشت سے لے کر سبزی تک ہر چیز ملے گی۔۔اور نہیں ملے گی تو گیس نہیں۔'' روحان نے جواب دیا۔

''کوئی مسئلہ نہیں۔۔'' کفالت مرزا نے جواب دیا۔

ان تینوں خدمت گزاروں نے واقعی بہت لذیز کھانا بنایا تھا۔ روحان کو جنہوں نے پہلی بار

کھاتے دیکھا تھا وہ تو اپنی انگلیاں ہی منہ میں دبا کر رہ گئے تھے۔ ہانیہ اس کی خوش خوراکی سے حیران تھی۔ اف کتنی تیزی سے وہ ہاتھ اور منہ چلا رہا تھا جبکہ مزمل اور عادل تو مسکرا رہے تھے۔ کھاتے وقت وہ گردوپیش سے بالکل ہی بے نیاز ہو چکا تھا۔ نہ جانے کیوں بابر اور معراج نے معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔

''میاں، واقعی ابن صفی بہت بڑے ادیب تھے۔'' کفالت مرزا نے روحان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ روحان اس بے موقع سوال پر حیران رہ گیا اور نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے بولا۔

''مجھے آپ کی بات سمجھ نہیں آئی۔''

''میاں میں یہ کہہ رہا ہوں اگر وہ زندہ ہوتے اپنے کردار قاسم کو حقیقی زندگی میں دیکھ کر بہت خوش ہوتے۔''

''کیا مطلب۔'' سب نے یک زبان ہو کر پوچھا۔

''ارے۔۔ یار جاسوسی دنیا کا سب سے معروف کردار قاسم بھی بہت خوش خوراک تھا مگر آج روحان نے اس کا بھی ریکارڈ توڑ دیا۔'' کفالت مرزا نے اپنی بات مکمل کی۔ ان کی بات پر سب ہنس پڑے تھے۔

''آپ نے مجھے کھاتے ہوئے دیکھا کہاں ہے میں اب بھی اس سے تین گنا زیادہ کھا سکتا ہوں۔ ورنہ شرط لگا لو۔'' روحان نے سنجیدگی سے کہا۔ اس کی بات سن کر بابر اور معراج کے ہونٹوں پر اسراری مسکراہٹ کھل گئی۔

''میرا دل چاہ رہا ہے کہ شام کو جھیل پر سیر کو چلیں۔'' ہانیہ نے مسکرا کر کہا۔
ہانیہ کی بات پر روحان فوراً ہی بولا۔ ''ہاں ٹھیک ہے۔۔ سب چلیں گے۔ وہاں مچھلی کا شکار

بہت ملتا ہے۔اور اسی جگہ بھون کر کھائیں گے۔"

"اوہ۔۔خیال تو اچھا ہے مچھلی کا شکار۔" کفالت مرزا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"آپ لوگ باتیں کریں میں ذرا باہر کا چکر لگا کر آتا ہوں۔" روحان نے کہا اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔اسکے جاتے ہی مزمل نے بھی اس کے پیچھے چل پڑا۔

"ارے کہاں۔" فہد صاحب نے آواز دی۔

"آتا ہوں۔روحان سے کام ہے۔۔"

جیسے ہی مزمل باہر پہنچا تو روحان کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔ وہ یوں غائب تھا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔اس کو کافی حیرت ہوئی تھی بھلا اتنی جلدی وہ کہاں جا سکتا ہے۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا مگر روحان نظر ہی نہیں آیا تھا۔پھر وہ رکا نہیں اور تیز تیز چلتا اس طرف جا پہنچا جہاں ان کی وین کھڑی تھی۔اچانک ایک آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔"میاؤں۔"

وہ چونک کر مڑا۔اسکے سامنے وہی کالے رنگ کا بلا موجود تھا جو اس کو خونخوار نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔مزمل سناٹے میں آ گیا اسے بلے کی آنکھوں میں خون اترا ہوا محسوس ہوا۔صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ حملہ کرنے سے بھی نہیں چوکے گا۔

☆......☆......☆

یہ وہی کالا بلا تھا حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ وہاں کیسے پہنچا۔۔اچانک بلا دو قدم پیچھے ہٹا اور پھر وین کے نیچے پہنچ کر غائب ہو گیا۔مزمل نے جھک کر دیکھا اور پھر ایک لمبی سانس لی اور وہاں سے واپس چل پڑا۔اس کالے بلے نے اس کو تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔عین اسی وقت ایک آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔"مزمل۔"

وہ چونک کر مڑا تو سامنے روحان کھڑا اس کو مسکراتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔اس کے

پاس مچھلی کا جال اور کانٹا تھا۔

''کہاں گھوم رہے ہو۔''

''میں تمہاری تلاش میں نکلا تھا۔''

''میری تلاش میں۔۔مگر میں مچھلی کی ڈور اور کانٹا لینے گیا تھا۔''

مزمل اس کے قریب آ گیا اور بولا۔''ابھی وہ ادھر ہی دکھائی دیا ہے گاڑی کے نیچے تھا۔''

''کون۔۔''

''وہی سیاہ بلا۔وہ اس ہائی ایس کے نیچے گیا ہے۔''

''جانے دو۔''وہ لاپروائی سے بولا۔''اب وہ یہاں سے جا ہی نہیں سکتا آج کی رات میں اس کو۔''وہ بولتے بولتے رک گیا اچانک مزمل بولا۔

''تم نے وعدہ کیا تھا کہ محبت کے بارے میں بتاؤ گے کہ وہ کون ہے۔''

''ضرور وعدہ کیا تھا۔یہ بھی رات کو بتاؤں گا جب آخری معرکہ ہو گا بس اتنا جان لو وہ اگر پانی ہے تو میں آگ ہوں۔''روحان نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

''یہ کیا بات ہوئی،شادی میری ہے تم مجھے اپنی محبت کا بتاؤ گے۔''

''ہاں دوست زیادہ بے صبری اچھی نہیں ہوتی۔وقت کا انتظار کرو۔''

''میں دعا کروں گا میرے دوست تمہاری محبت تم کو مل جائے اور تم کامیاب ہو جاؤ۔''

مزمل صدق دل سے بولا۔اس کی بات سن کر روحان نے اس کو عجیب انداز میں دیکھا اور پھر اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''آج تو آسمان پر کالے بادل ہیں۔''مزمل نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔

''ہاں پھر تو بارش ضرور ہو گی۔''روحان نے اتنا کہا اور عمارت کی جانب قدم بڑھا دیے۔

کالے بادل واقعی اُمڈ کر آرہے تھے۔ عمارت میں موجود ہر فرد روحان کی ایما پر باہر نکل آیا تھا۔ سب کا رخ اس جھیل کی جانب تھا۔ بڑا ہی دلکش نظارا تھا۔ پہاڑ کے دامن سے آبشار کا پانی اس نیلگوں جھیل میں گر رہا تھا جس کا راستہ درختوں کے درمیان سے نکلا تھا۔

روحان کے پاس مچھلی پکڑنے کا سامان تھا جبکہ مزمل اور ہانیہ ایک پتھر پر بیٹھے جھیل کا نظارا کر رہے تھے۔ جب کہ سب لوگ مختلف ٹولیوں میں بٹ کر اپنی اپنی سیر کر رہے تھے۔ عادل اور روحان آبشار کے دوسری طرف چلے گئے تھے۔

"ہانیہ کتنی رومانوی جگہ ہے۔"

"اچھا۔" ہانیہ مسکرائی۔

"کیوں تم کو رومانس محسوس نہیں ہوتا پانی کی آواز میں پرندوں کی چہچہاہٹ میں۔ یہ وادی، یہ سبزہ یہ جھرنا، یقین کرو مجھے ایسا لگتا ہے کہ جیسے میں اور تم ادھر ہی اکیلے ہیں۔" اتنا کہہ کر مزمل نے ہانیہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔

مزمل کی اس حرکت سے ہانیہ کے چہرے کا رنگ ہی بدل گیا۔ حیا کے سارے رنگ جیسے اس کے چہرے پر نظر آنے لگے تھے۔ اس نے فوراً ہی آہستگی سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور دھیرے سے بولی۔

"یہ سب شادی کے بعد، کوئی دیکھ لے گا۔"

"ہم نے محبت کی ہے کوئی گناہ تو نہیں۔" مزمل نے خالص عاشقانہ انداز میں جواب دیا۔

"بے شک گناہ نہیں۔ لیکن یہ سب شادی کے بعد۔"

"نہیں۔ ابھی۔" مزمل نے ضد کرتے ہوئے فوراً ہی ہانیہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس بار گرفت تھوڑی سخت تھی۔

”مزمل پلیز۔“ ہانیہ نے کمزور سے لہجے میں احتجاج کیا اور ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔ اس سے قبل وہ ہاتھ چھڑا پاتی ایک تیز قسم کی غراہٹ کی آواز سنائی دی۔ غراہٹ سنتے ہی دونوں چونک گئے۔ ان سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک سیاہ رنگ کا بلا اپنی سرخ آنکھوں سے مزمل کو گھور رہا تھا۔

ہانیہ کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکلی اور وہ پتھر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ مزمل بھی قہر آلود نظروں سے اس بلے کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اچانک بلا دو قدم پیچھے ہٹا۔ اسی پل مزمل نے پتھر اٹھایا اور پوری قوت سے بلے کی جانب اچھال دیا۔ پتھر بلے کی کمر پر لگا تھا۔ پتھر کے لگتے ہی بلے کے حلق سے ایک درد بھری غراہٹ نکلی۔ اس نے جست لگا کر مزمل پر حملہ کر دیا۔ وہ اس افتاد پر بوکھلا گیا اور بلے کے وزن سے پانی میں جا گرا۔ یہ منظر دیکھ کر ہانیہ چلاتی ہوئی دوسری سمت بھاگ اٹھی۔ تھوڑے ہی فاصلے پر کفالت مرزا، فہد صاحب، آرزو بیگم، ناز ور دوسرے لوگ اس کو مل گئے۔

”کیا ہوا بیٹا، چہرے پر ہوائیاں کیوں اڑ رہی ہیں۔“

”وہ۔۔وہ بلا۔۔اس نے مزمل پر حملہ کر۔۔“ وہ بات بھی پوری نہ کر سکی اور رونے لگی تھی۔

ہانیہ کو روتا دیکھ کر سب ہی بوکھلا گئے۔ خاص آرزو بیگم۔ فہد صاحب بھی کچھ کم پریشان نہیں تھے۔ سب ہی اس کو چپ کروانے میں لگ گئے تھے مگر وہ روئے جا رہی تھی اور پھر اچانک مزمل کا خیال آنے پر سب لوگ اس کی طرف بھاگے تھے۔ بابر اور معراج آگے آگے تھے۔ جب سب لوگ وہاں پہنچے تو سب نے مزمل کو پتھر پر بیٹھا ہوا پایا تھا۔ اس کے چہرے سے خون رس رہا تھا۔ پاس ہی روحان اور عادل بھی کھڑے تھے۔

”یہ کیا ہوا۔۔یہ کیا ہوا۔“ فہد صاحب بوکھلا کر چلا اٹھے۔

"اس بلے نے حملہ کر دیا تھا جب ہم لوگ پہنچے تو مزمل بھائی پتھر پر بیٹھے تھے۔" عادل نے جواب دیا۔

"ارے کچھ نہیں معمولی سی چوٹ ہے اس نے اپنے پنجوں سے مجھے زخمی کر دیا۔" مزمل نے مسکرا کر کہا۔ "اور پھر خود ہی چھوڑ کر بھاگ گیا۔"

"خدا غارت کرے اس منحوس جن کو۔۔ کیڑے پڑیں۔" آرزو بیگم رونے لگ پڑیں۔ یہ سن کر روحان کا چہرا کچھ عجیب سا ہو گیا۔ دوسرے ہی پل وہ مسکرانے لگا۔

"تم اس کو معمولی چوٹ کہہ رہے ہو۔ چلو وین میں فرسٹ ایڈ ہے۔" فہد صاحب نے جواب کہا۔

سب لوگ وین کی جانب چل پڑے تھے۔ روحان اور مزمل ان سب سے پیچھے تھے۔

"آج رات آخری معرکہ ہوگا اور پھر میری فتح۔" روحان زیر لب بڑبڑایا۔

یہ سن کر عادل اس کو چونک کر دیکھنے لگا۔ سب آہستہ آہستہ چلتے ہوئے وین تک پہنچ گئے۔

"کیا ہوا تھا۔" ناز نے آہستہ سے اس سے پوچھا۔

"کچھ نہیں مزمل نے میرا ہاتھ پکڑا شاید وہ اس جن کو ناگوار گزرا تھا۔" ہانیہ نے جواب دیا۔

"کیا روحان اس کا مقابلہ کر پائے گا۔"

"پتہ نہیں۔" اس نے شانے اچکائے۔

"اللہ پاک مزمل بھائی اور تمہیں کامیاب کرے۔ میری دعا ہے وہ موذی اپنے انجام کو ضرور پہنچے گا۔" ناز نے سنجیدگی سے دعا دی۔

"آمین۔"

پھر جیسے ہی سارے لوگ وین پر چڑھے تھے اسی وقت تیز قسم کی بارش شروع ہو گئی تھی۔ ان

کا جھیل کی سیر کا سارا پروگرام چوپٹ ہو گیا تھا۔اور سب لوگ واپس لوٹ آئے تھے۔

☆......☆......☆

عمارت کے اندر باقاعدہ روشنی کا انتظام موجود تھا۔جگہ جگہ کروسین لیمپ تھے جن کو روشن کر دیا گیا تھا۔سب لوگ ہال میں بیٹھے تھے۔مزمل کے چہرے پر موجود پٹی کچھ اور فسانہ سنا رہی تھی۔شام سے ہونے والی اب تک نہیں رکی تھی۔حالانکہ رات کے آٹھ بج چکے تھے۔سب اداس رنجیدہ تھے۔کفالت مرزا نے اس اداسی کو کم کرنے کے لئے کچھ چٹکلے سنانے کی کوشش کی تھی مگر وہ کامیاب نہیں ہوئے تھے کسی کا موڈ ہی نہیں بن رہا تھا۔سب لوگ مزمل پر ہونے والے حملہ کو لے کر پریشان تھے۔ہانیہ ایک طرف اداس اور پریشان بیٹھی تھی۔روحان کمرے سے باہر جا چکا تھا۔عادل بھی اس کے پیچھے تھا۔ناز ہانیہ کے ساتھ ہی تھی۔

”مجھے تو نہیں لگتا کہ روحان اس موذی سے میرا پیچھا چھڑا پائے گا۔آج میری وجہ سے میرے مزمل کی جان خطرے میں پڑ گئی۔میں سوچتی ہوں کہ اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دوں۔“

اس کی بات سن کر ناز چونک گئی۔دوسرے پل وہ ہمدردی سے بولی۔”اللہ پر بھروسہ رکھو وہی کوئی سبیل نکالے گا۔“

ہانیہ نے کوئی جواب نہ دیا۔اچانک ہانیہ کی نظریں کھڑکی کی جانب اٹھ گئیں۔دوسرے ہی پل اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔اس نے جو کچھ دیکھا وہ اس کے لیے ناقابل یقین تھا۔وہی سیاہ پوش بارش میں کھڑا بھیگ رہا تھا۔ہانیہ کی چیخ نکل گئی۔اس کی چیخ سن کر مزمل بھاگا آیا تھا۔ساتھ ہی بابر بھی تھا۔

”کیا ہوا۔“

''وہ۔۔سیاہ پوش۔۔'' ہانیہ نے کانپتے ہوئے جواب دیا۔

''کہاں۔بابر نے پوچھا۔

''وہ ۔سامنے۔'' ہانیہ کی آنکھوں سے حد درجہ خوف ظاہر ہو رہا تھا۔مزمل نے دیکھا تو سامنے بارش میں کوئی کھڑا نظر آیا تھا۔

''ارے یہ تو روحان ہے۔۔ہانیہ۔'' مزمل نے جواب دیا۔

مزمل کی بات سن کر بابر کے ہونٹوں پر پراسرار سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔اب ہانیہ نے اس طرف دیکھا تو واقعی وہ روحان تھا جو کہ بارش میں کھڑا تھا لیکن اس کا چہرا ہانیہ کی طرف نہ تھا بلکہ وہ دوسری طرف دیکھ رہا تھا۔

''میں جھوٹ نہیں کہہ رہی ۔۔ابھی میں نے اسکو دیکھا تھا۔'' ہانیہ نے روہانسی میں آواز میں کہا۔

''میں نے کب کہا تم نے جھوٹ کہا۔۔تمہاری نظروں کو دھوکہ بھی ہو سکتا ہے۔''

اب سب لوگ ہانیہ کے گرد جمع تھے۔اچانک بابر نے مزمل کے کان میں کچھ کہا۔''میرے خیال سے وہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔''

''کیا مطلب۔۔'' مزمل جھلا گیا۔

''ہانیہ بی بی کے لہجے کا یقین اس بات کا غماز ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہی۔''

''کیا مطلب۔۔تم یہ کہنا چاہتے ہو۔۔روحان اور سیاہ پوش ایک ہی ہے۔''

مزمل کی بات پر بابر کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''مطلب تم کو تھوڑی دیر میں خود ہی پتہ چل جائے گا۔''

اسی لمحے روحان کمرے میں داخل ہوا۔

”تم بارش میں کیا کر رہے تھے روحان۔“ مزمل نے پوچھا۔

”یار مجھے بارش میں بھیگنا پسند ہے۔“ اتنا کہہ روحان ایک کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔ اسی لمحے کچن سے کھانوں کی خوشبوئیں آنے لگی تھیں۔

تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ معراج کندھے پر ایک بڑا سا بیگ لٹکائے کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک رجسٹر تھا جس میں ایک عدد نکاح نامہ موجود تھا۔ نکاح نامہ اس نے مزمل سے لیا تھا۔ اس نے بیگ ایک میز پر رکھ کر کھول دیا۔ اس نے نہایت ہی عجیب سی ایک بڑی سی بوتل نکالی تھی۔ ایسی بوتل مزمل نے بہت کم دیکھی تھی۔ روحان بھی چونکا تھا۔ بوتل کا رنگ سبز تھا۔

”شراب کی بوتل ہے۔“ کفالت مرزا نے پوچھا۔

”نہیں۔۔“ بابر نے کہا۔

”پھر کیا چیز ہے اس میں۔“ فہد صاحب نے کہا۔

بابر نے مسکرا کر کہا۔ ”یہ بوتل کسی اہم چیز کا وزن اٹھائے گی۔“

فہد صاحب نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے سر ہلا دیا تھا۔

”اب ہانیہ اور مزمل کے نکاح کی رسومات شروع کی جاتی ہیں۔“ معراج نے بلند آواز کہا۔

”ٹھہرو۔“ روحان کی آواز گونجی جو کہ کرسی پر پاؤں پھیلائے بیٹھا تھا۔ اس کی نظریں ہانیہ کی سمت تھیں۔ روحان کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ کھل رہی تھی۔ پھر روحان کرسی سے اٹھا اور ٹہلنے کے انداز سے عادل کے پاس جا کھڑا ہوا۔

”مزمل، جہاں تم اپنی زندگی کا آغاز کرنے والے ہو وہیں میں بھی اپنی محبت کی داستان پوری کرنا چاہتا ہوں۔“

”ضرور۔۔ میں تم سے پہلے دن سے کہہ رہا ہوں۔“ وہ مسکرایا۔

”موقع نہیں تھا۔ میرا علم کہتا تھا کہ درست موقع اس دن ہے جب تمہاری شادی ہو۔“

”کیا مطلب۔“

”دھیرج۔۔ میرے دوست میں نے بھی کوئی چھ یا سات سال انتظار کیا ہے۔“

پھر اس نے ہانیہ کی طرف دیکھا اور بولا۔”میں ایک لڑکی کی محبت کی پاداش اپنے قبیلے سے نکالا گیا تھا۔ میں اس سے نکاح کرنا چاہتا تھا بابا نہیں مانے۔ اس لڑکی کو پہلی بار میں نے اس وقت دیکھا جب وہ اپنی ایک دوست کے ساتھ سڑک پر چلی جا رہی تھی۔ اور میں وہیں تھا اور لڑکی مجھے دیکھ کر ڈر رہی تھی اس کی دوست کا بھی برا حال تھا۔“

اتنا سننا تھا کہ ہانیہ کے چہرے کے تاثرات عجیب ہو گئے تھے۔ روحان اپنی بات جاری رکھے ہوئے تھا۔”پھر اس لڑکی کو مجھ سے الگ کر دیا گیا تھا۔ میں نے اس کی تلاش شروع کر دی۔ اس کی تلاش مجھے یونیورسٹی لے گئی۔ یونیورسٹی میں، میں نے اسکو پہلی بار دیکھا۔ میری محبت کی آگ اور تیز ہو گئی۔“

”تم یونیورسٹی میں اس لڑکی کے لئے داخلہ لیا تھا کون ہے وہ لڑکی۔۔“ مزمل نے بے تابی سے پوچھا۔

مزمل کی بات پر عادل کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی جبکہ روحان کے چہرے کے تاثرات ڈرامائی ہو گئے۔

”ہاں وہ لڑکی اس یونیورسٹی میں ہی پڑھتی ہے۔ لیکن اس سے پہلے میں یہ بتا دوں کہ میں کون ہوں۔ جانتے ہو میں اس سے محبت کر بیٹھا جو کہ خاک ہے اور میں تو آگ ہوں۔“

”آگ ہوں کیا مطلب۔۔ آگ سے تو جنات بنے ہوتے ہیں۔“ بابر نے کہا۔

"ہاں میں وہی جن ہوں۔ جو ہانیہ کا پیچھا کیا کرتا تھا پہلی بار جب میں ہانیہ کو دیکھا تو وہ اسکول سے گھر جا رہی تھی۔ اسی وقت ہی مجھے اس سے محبت ہو گئی اور پھر بارش کا وہ موسم میری قوت بڑھاتا تھا۔اور پروفیسر عطا نے ہمارا مذاق اڑایا، ہماری قوم کا مذاق اڑایا۔ دیکھو آج وہ پاگل خانے میں پڑا ہے۔ پاشا کا ایکسیڈنٹ بھی میری قوتوں کے زیر اثر تھا کیونکہ اس نے ہانیہ کو مجھ دور کیا۔۔ اور وہ باباجی کے چہرے کو زخمی بھی میں نے ہی کیا تھا۔ اب ہانیہ کو مجھ سے کوئی نہیں جدا کر سکتا۔ کبھی میں سیاہ پوش کے روپ میں ملتا ہوں اور کبھی بلے کے روپ میں۔"

روحان نے سنسنی خیز لہجے میں کہا۔ اس کے انکشاف سے سب کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ خاص کر عادل کا۔ ہانیہ کی آنکھیں بھی پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

"تم نے دوست بن کر مجھے دھوکہ دیا۔" مزمل نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"نہیں دوست محبت میں سب چلتا ہے۔" روحان مسکرایا۔

کمرے میں موت کا سناٹا سا طاری تھا۔ ہانیہ اور مزمل کی وہ حالت تھی جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ خود روحان کے لبوں پر زہریلی مسکراہٹ تھی۔

"ایک بات اور بتا دو۔" بابر بولا۔ "تم اس وادی میں ہمیں کیوں لائے۔"

"یہ میری اپنی جگہ ہے۔۔ یہاں میری قوتیں بڑھتی ہیں۔ میرے علم نے مجھے بتایا تھا کہ اگر میں ہانیہ کو میں اسی وقت حاصل کر سکتا ہوں جب وہ کسی انسان کے نکاح میں جانے کی تیاری میں ہو۔ اب دیکھو میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا اب ہانیہ میری ہو گی۔"

روحان کی آواز حد درجہ بھاری ہو گئی۔ سب کی حالت خوف سے پتلی تھی۔ خاص کر ہانیہ کی اس کی نظروں میں خوف تھا۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے روحان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"تم نے ہانیہ کا ہاتھ پکڑا تھا ناں۔ اب میں تم کو بتاؤں گا۔" روحان نے مزمل کو مخاطب کر کے کہا

مزمل سکتے کی سی کیفیت میں تھا اچانک وہ بولا۔ ''میں ہانیہ سے اب بھی محبت کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا تم چاہے جان سے مار دو۔'' مزمل کا لہجہ پر عزم تھا۔

جواب میں روحان کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔دوسرے ہی پل اس کی ہیبت بدلنے لگی۔اب روحان اس بلے کے روپ میں آچکا تھا جو کہ اپنی خون خوار آنکھوں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔اچانک اس نے مزمل کی طرف جست لگائی۔اسی لمحے بابر کا ہاتھ اپنی جیب میں گیا۔جب باہر آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک نیلے رنگ کی تسبیح موجود تھی جو چمک رہی تھی۔بابر نے زور سے حق اللہ کا نعرہ لگایا اور وہ تسبیح اس بلے کی جانب اچھال دی۔

تسبیح سیدھی ہی بلے کی کمر پر لگی تھی۔وہ بلا فضا میں ہی جھول کر رہ گیا۔دوسرے ہی پل وہ تسبیح تیزی سے بلے کی کمر کے گرد لپٹتی چلی گئی تھی اور جب بلا زمین پر گرا تو اس کے گرد شکنجہ کس چکا تھا۔معراج نے کچھ پڑھ کر پھونک ماری۔ایک بہت بڑا لوہے کا جال اس بلے کے گرد کھڑا ہو گیا۔لوہے کے جال کے سے ایک عجیب قسم کی روشنی نکل رہی تھی۔بلے نے زور لگایا اور اپنے آپ کو اس شکنجہ سے آزاد کروا لیا تھا۔وہ بڑی تیزی سے اس جال کی طرف بھاگا تھا مگر جیسے ہی وہ جال کے نزدیک پہنچا آگ کا ایک شعلہ سا نکلا تھا اس جال سے اور وہ بلا ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔وہ کوشش کرتا ہر بار اس کو ناکامی کا ہی منہ دیکھنا پڑتا تھا۔

بلے کی یہ حالت دیکھ کر سب نے سکون کا سانس لیا تھا۔ہانیہ کے چہرے پر بے تحاشہ سکون تھا اور وہ نفرت بھری نگاہوں سے بلے کی جانب دیکھ رہی تھی۔عین اسی وقت بابر اور معراج نے اپنے چشمے اتار دیے۔مزمل تو حیرت سے ہی اچھل پڑا تھا۔اگر داڑھی کے بال سیاہ نہ ہوتے تو وہ دونوں اس کو حکیم صاحب اور مرشد ہی لگے تھے۔

''ہم دونوں وہی ہیں۔'' بابر مسکرایا جو کہ مرشد تھا۔''ہم نے تم سے اور اس موذی سے خود کو

پوشیدہ رکھنے کے لئے یہ بہروپ بدلا۔ ہم چاہتے تھے کہ یہ موذی اپنے گرد موجود حصار کو ہٹالے۔ اس نے حصار ہٹایا اور ہم اس کی شخصیت تک پہنچ گئے۔ ہم نے جان کر تم کو مایوس کیا تھا تا کہ کم بخت کھلے۔"

"اوہ۔۔تو تم لوگ میری جاسوسی کے لئے آئے ہو مگر مجھے مارنا اتنا آسان نہیں۔" روحان اس لوہے کے جال کے پیچھے سے بولا جو کہ اب انسانی روپ میں آ چکا تھا۔

مزمل نے غور سے اس کی طرف دیکھا تو اس کا جسم کئی جگہ سے زخمی اور جلا ہوا تھا۔ نہ جانے کیوں مزمل کو افسوس ہونے لگا تھا۔ روحان کے چہرے پر بے پناہ کرب کے تاثرات تھے۔

اچانک عادل زور سے چلایا اور چلاتا ہوا تیزی سے لوہے کے جال کی طرف بھاگا وہ چلا رہا تھا۔ "میرے دوست کو چھوڑ دو۔ مجھے مار دو اس کو چھوڑ دو۔"

مزمل نے اس کو روکنے کی کوشش کی مگر عادل نہ رکا جیسے ہی اس نے لوہے کے جال کو ہاتھ لگایا۔ آگ کا ایک شعلہ نکلا تھا اس لوہے سے جو کہ عادل کے سینے سے ٹکرایا۔۔ عادل کے منہ سے ایک زبردست کراہ نکلی اور وہ وہیں بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ عادل کی یہ حالت دیکھ مزمل تیزی سے اس کی جانب بڑھا اور ناز بھی اس کے پیچھے تھی۔

"عادل میرے دوست۔۔ عادل میرے دوست۔" روحان چلایا۔

"تمہارا کھیل ختم ہو چکا ہے روحان۔۔" حکیم صاحب نے سنجیدگی سے کہا۔

"بھول ہے تمہاری یہ جال مجھے کب تک قید رکھے گا۔" روحان نے مسکرا کر کہا۔ "میں ہانیہ سے پیار کرتا ہوں اور اس کو حاصل کر کے رہوں گا۔"

"نفرت کرتی ہوں میں تم سے۔ ڈرا کر کبھی محبت نہیں کی جاتی۔ تم نے ہر پل مجھے خوف زدہ رکھا۔ ہر پل مجھے اذیت دی۔ میں تم کو اور تمہاری محبت کو ٹھوکر مارتی ہوں۔ تھوکتی ہوں تم

پر۔۔'' ہانیہ نے پہلی بار زبان کھولی اور غصہ میں کہا۔

یہ سننا تھا کہ روحان کے چہرے پر موت کا سناٹا سا طاری ہو گیا۔اسکی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔مزمل کے چہرے کے تاثرات عجیب ہو گئے۔اس کو نہ جانے کیوں روحان سے ہمدردی ہونے لگی تھی۔وہ اچھا طرح جانتا تھا کہ محبت مجبور کر دیا کرتی ہے۔

''مار دو مجھے میں نہیں جینا چاہتا۔میں نہیں جینا چاہتا۔۔میں مرنا چاہتا ہوں۔'' روحان نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور اپنا سر گھٹنوں میں چھپا لیا تھا۔شاید اس کا دل ٹوٹ گیا تھا۔ہانیہ کی نفرت شاید اب موت ہی اس کا واحد سہارا تھی۔

''روحان، میں تم کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے نام پر حکم دیتا ہوں اس بوتل میں آ جاؤ۔'' مرشد نے روحان کی طرف دیکھ کر کہا۔

روحان نے چونک کر اس کو دیکھا اور پھر دوسرے ہی پل اس کے چہرے کے تاثرات عجیب ہو گئے اور پھر وہ ایک نیلے رنگ کے دھوئیں میں تبدیل ہو گیا۔وہ دھواں لوہے کے جال سے باہر نکل کر اس بوتل کی طرف جا رہا تھا جو کہ معراج نے میز پر رکھی تھی۔مرشد آنکھیں بند کئے وظیفہ کرنے میں مصروف تھا۔وہ دھواں سمٹ کر اس بوتل میں داخل ہو گیا تھا۔اور معراج نے کچھ پڑھ کر پھونکا اور بوتل کو کارک لگا دیا۔

''لو بھئی مزمل میاں !اب تم آرام سے نکاح کر سکتے ہو۔ہم اس بوتل کو ٹھکانے لگا دیں گے۔'' مرشد نے مسکرا کر کہا۔

''بہت شکریہ یہ آپ کا مرشد مگر مجھے عادل کے لئے افسوس ہے۔'' مزمل نے زمین پر پڑے عادل کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''یہ اس کی اپنی غلطی تھی۔اپنے دوست کی محبت میں اس نے لوہے کے جال کو ہاتھ لگا دیا۔

جس پر ایک بہت بڑا وظیفہ کیا گیا تھا، مگر یہ مرا نہیں ہے لیکن ہوش میں آنے کے بعد ہمیشہ کے لئے پاگل ہو جائے گا۔" حکیم صاحب نے افسردگی سے جواب دیا۔

"اب تو بھائی کی شادی بڑی ہی دھوم دھام سے ہوگی۔" ناز نے شرارتاً مزمل کی طرف دیکھ کر کہا۔ جواب میں ہانیہ نے اس کے سر پر چپت لگا دی۔ سب لوگ قہقہہ لگا کر ہنس پڑے تھے۔

"روحان تو قید ہو گیا مگر اس کے حصے کا کھانا کون کھائے گا۔" کفالت نے منہ بنا کر کہا۔

"باندھ لے۔۔ بازار میں فروخت کر دینا۔" فہد صاحب کا جواب تھا۔ ایک بار پھر بلند قہقہے گونج اٹھے مگر حکیم صاحب کی مسکراہٹ ان قہقہوں پر حاوی تھی۔

جب سب لوگ رخصت ہو رہے تھے نہ جانے کیوں مزمل کو یہ پر فضا مقام اجاڑ لگ رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ ہر چیز مرجھا گئی ہو۔ جیسے ہر چیز روحان کے دم قدم سے ہو۔ ان لوگوں نے وہاں سے جانے میں جلدی کی تھی۔ عادل کو شہر کے ہسپتال میں داخل کروا دیا گیا تھا۔ حکیم صاحب اور بابا جی نے وہ بوتل سمندر برد کر دی تھی۔

☆......☆......☆

ارمانوں بھری رات مزمل کی زندگی میں ستارے لے کر آئی تھی۔۔ ان دونوں کی محبت اپنی منزل تک پہنچ گئی۔ کہتے ہیں جب آپ کی محبت سچی ہو تو پوری دنیا آپ کو اس سے ملانے میں لگ جاتی ہے۔ شادی کو ایک ماہ گزر چکا تھا۔ وہ دونوں بہت خوش تھے۔ مزمل کمرے میں موجود تھا اچانک ہانیہ نے ڈریسنگ کی دراز میں ہاتھ ڈالا جب اس کا ہاتھ باہر آیا تو ہاتھ میں وہی گلاب کا پھول تھا جو کہ مہک رہا تھا۔ گلاب کو دیکھ کر ہانیہ کے چہرے کے تاثرات عجیب سے ہو گئے تھے۔ اس نے فوراً ہی وہ گلاب بستر پر پھینک دیا۔

"کیا ہوا، اس کو پھینک دیا۔" مزمل مسکرایا۔۔

''نفرت ہے مجھے اس گلاب سے، اس گلاب کے پھول والے سے۔'' ہانیہ نے نفرت سے کہا۔ مزمل نے آگے بڑھ کر وہ گلاب اٹھالیا۔ اس کے ہاتھ میں آتے ہی وہ گلاب سلگنے لگا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے اس گلاب نے پسند ہی نہ کیا ہو کسی اور کے ہاتھ آنا۔ مزمل نے پہلی بار سلگتا ہوا گلاب دیکھا تھا۔ وہ بالکل اس طرح سلگ رہا تھا جیسے کہ کوئلے سلگ رہے ہوں۔

''ہانیہ، بے شک اس نے نفرت انگیز کام کیا تھا مگر وہ تم سے محبت کرتا تھا اور محبت انسان کو مجبور کر دیتی ہے۔ محبت کی دنیا صحیح اور غلط کچھ نہیں ہوتا بس محبت ہوتی ہے۔'' مزمل نے طویل سانس لے کر اپنی بات مکمل کی۔

ہانیہ نے کوئی جواب نہ دیا بس وہ گلاب کی طرف حقارت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے فوراً ہی مزمل کے ہاتھ سے گلاب لیا اور کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔ مزمل نے یہ دیکھ کر طویل سانس لی اور کھڑکی طرف دیکھ کر بولا۔

''دوست، مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ یہ محبت ہے ایسی اگر میں بھی تمہاری جگہ ہوتا اور ایسا ہی کرتا۔'' اتنا کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

دوسرا دن ہنگامہ خیز تھا۔ دوسری صبح ہانیہ نے وہ گلاب پھر اپنے سرہانے پایا۔ اس کی تازہ خوشبو پورے گھر میں پھیل رہی تھی۔ یہ دیکھ کر ہانیہ اٹھی اور ڈر کر پیچھے ہٹ گئی۔ اس نے گلاب کو غور سے دیکھا تو اس کو ایسا لگا کہ روحان اس سے مخاطب ہو اور کہہ رہا ہو۔

''تم مجھے بے شک اپنے دل سے دور کر دو، مگر میری خوشبو خود سے دور نہیں کر سکو گی۔''

...... ختم شد ......